لاحاصل
عمیرہ احمد

قارئین کے بے حد اصرار پر پیش خدمت ہے دورِ حاضر کی مقبول ترین مصنفہ عمیرہ احمد کا ناول لاحاصل......

لاحاصل

مصنفہ: عمیرہ احمد

علم و عرفان پبلشرز
34-اُردو بازار لاہور
فون042-7352332-7232336

نجمہ سلطان محمود کے نام
جنھوں نے 30 سال پہلے اسلام قبول کرنے کے بعد
انگلینڈ چھوڑ کر پاکستان میں سکونت اختیار کرلی۔

☆ ☆ ☆

فہرست

پیش لفظ

لاحاصل کے بارے میں مجھے مزید کچھ نہیں کہنا...... مجھے جو کچھ کہنا تھا...... میں نے کہانی میں کہہ دیا...... بعض کہانیوں کو لکھ کر آپ محسوس کرتے ہیں کہ آپ اس کہانی کو اس سے بہتر نہیں لکھ سکتے تھے...... لاحاصل کے بارے میں میرے بھی یہی تاثرات ہیں...... اسے لکھنے میں ایک سال لگا...... دس سال یا دس دن لگتے تب بھی یہ آپ کے سامنے اسی صورت میں آتی۔

اعزاز کی بات میرے لیے صرف یہ ہے کہ اسے میں نے نجمہ سلطان محمود کے نام کیا ہے...... واضح رہے یہ ان کی زندگی کی کہانی نہیں ہے کیونکہ میں ان سے صرف دو دفعہ ملی ہوں اور دونوں بار میں نے ان سے کوئی سوال نہیں کیا مگر خدیجہ نور کے کردار کو لکھتے ہوئے میرے ذہن میں انہی کی شخصیت تھی......

لاحاصل کو پچھلے سال ایک TV چینل پر 19 اقساط پر مشتمل ایک سیریل کے طور پر بھی پیش کیا گیا۔

کسی بھی کتاب کو کامیاب بنانے کے لیے جتنی کوشش رائٹر کو کرنی پڑتی ہے۔ اتنی ہی کوشش پبلشر کو کرنی پڑتی ہے۔ پچھلے کچھ عرصہ میں میری کتابوں کے حقوق اشاعت حاصل کرنے کے بعد ادارہ علم و عرفان نے اس ذمہ داری کو میری توقعات سے زیادہ بہتر طور پر ادا کیا ہے۔ میں امید کرتی ہوں کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد قارئین میری اس رائے سے اتفاق کریں گے۔

عمیرہ احمد

پہلا باب

تاریکی میں اس نے اپنے پاؤں کے نیچے ٹھنڈی زمین کو محسوس کیا۔ پاؤں کو آہستہ آہستہ آگے بڑھاتے ہوئے اس نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھ دیا۔ سیڑھی پختہ تھی اندھیرے میں وہ کچھ بھی نہیں دیکھ پا رہی تھی اس نے پیروں سے سیڑھی کو ٹٹولتے ہوئے دوسرا قدم بڑھا دیا۔ ٹھنڈی ہوا کا ایک اور جھونکا اس کے جسم سے ٹکرایا۔ کچھ دیر پہلے محسوس ہونے والی گھٹن ختم ہو گئی۔

اس نے تیسری سیڑھی پر قدم رکھا اور سر اٹھا کر تاریکی میں اوپر دیکھنے کی کوشش کی۔

......❀......

وہ لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ شاکر بابا اس کی گاڑی کے ہارن کی آواز سن کر کچن سے باہر آ گئے تھے۔ ''السلام وعلیکم شاکر بابا! کیسے ہیں آپ؟'' اس نے ہمیشہ کی طرح انہیں دیکھتے ہی کہا۔

''میں ٹھیک ہوں۔ چھوٹے صاحب! آپ کیسے ہیں؟''

''میں بھی ٹھیک ہوں۔'' اس نے گاڑی کی چابی سینٹر ٹیبل پر رکھ دی اور خود صوفے پر بیٹھ گیا۔

''چائے لاؤں آپ کے لیے؟'' شاکر بابا نے پوچھا۔

''ہاں پلا ہی دیں۔ پاپا اپنے کمرے میں ہیں؟''

''نہیں۔ صاحب تو کچھ دیر پہلے باہر گئے ہیں ڈرائیور کے ساتھ۔''

''میں تو ان سے ملنے آیا تھا۔ کچھ پتا ہے کب تک آئیں گے؟''

نہیں، مجھے تو نہیں پتا۔ بیگم صاحبہ کو پتا ہوگا۔''

''ممی ہیں گھر پر؟''

''ہاں وہ اندر ہیں اپنے کمرے میں۔ ان کو آپ کے آنے کا بتاؤں؟''

''ہاں بتا دیں۔'' ذالعید نے سامنے ٹیبل پر پڑا ہوا میگزین اٹھا لیا شاکر بابا وہاں سے چلے گئے۔

ذالعید کچھ دیر میگزین کے صفحے پلٹتا رہا پھر اس نے میگزین دوبارہ سینٹر ٹیبل پر اچھال دیا صوفے کی پشت سے سر لگا کر وہ لاؤنج میں ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگا پھر یک دم وہ کچھ چونک گیا۔ لاؤنج کی ایک دیوار پر لگی ہوئی تصویر نے اسے چونکا دیا تھا۔ وہ اٹھ کر اس دیوار کی طرف چلا گیا تصویر کو قریب سے دیکھنے پر وہ کچھ دیر تک پلکیں بھی نہیں جھپکا سکا۔

سیاہ بیک گراؤنڈ میں گندمی رنگت کا کہنی تک ایک ہاتھ پینٹ کیا گیا تھا۔ دور سے اسے وہ بازو درخت لگ رہا تھا۔ ہاتھ کی پانچوں انگلیاں پوری طرح کھلی ہوئی تھیں۔ انگلیاں لمبی اور مخروطی تھیں اور ان لمبی پھیلی ہوئی انگلیوں سے بہت سی پتلی پتلی شاخیں نکل کر ادھر ادھر پھیلی ہوئی تھیں۔ ان کے پھیلاؤ نے انگلیوں کے ساتھ مل کر پنجے کو ایک درخت کے اوپر والے حصے کی شکل دے دی تھی۔ ان شاخوں پر کوئی پتا نہیں تھا یوں لگ رہا تھا جیسے وہ درخت بنجر ہے۔ سوکھا ہوا ہے یا پھر کسی وجہ سے اس کے پتے جھڑ چکے ہیں۔ کلائی سے کہنی تک ہاتھ کی جلد بھی خشک اور رگیں یوں ابھری ہوئی تھیں جیسے درخت کے تنے کی چھال ہوتی ہے۔ کلائی میں ایک بہت خوبصورت سیاہ اسٹریپ والی گھڑی بندھی ہوئی تھی۔ گھڑی کا ڈائل بھی سیاہ رنگ کا تھا اور اس میں چھوٹے چھوٹے سفید ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ حیران کن بات یہ تھی کہ گھڑی کے ڈائل پر سوئیاں نہیں تھیں۔ ہاتھ کی پھیلی ہوئی ہتھیلی پر بنی ہوئی لکیریں بھی بہت واضح نظر آ رہی تھیں اور دل، دماغ، قسمت اور زندگی کی چاروں لکیروں پر خون کے ننھے منے قطرے نظر آ رہے تھے۔ وہ قطرے اتنے چھوٹے تھے کہ ٹپکنے کے بجائے اپنی جگہ پر ٹکے ہوئے تھے۔

ذالعید نے جھک کر تصویر کے نیچے موجود کیپشن پڑھا "Desire" (خواہش) اس نے کھڑے ہو کر ایک بار پھر تصویر پر نظر دوڑائی اور وہ چند لمحوں کے لیے ایک بار پھر دم بخود ہو گیا۔ وہ الٹے پیروں تین چار قدم پیچھے گیا اور رک کر اس تصویر کو دیکھا۔ دور سے دیکھنے پر یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ ایک ٹنڈ منڈ درخت کے علاوہ کوئی اور چیز ہو سکتی ہے مگر قریب آنے پر کوئی بھی جان سکتا تھا کہ وہ درخت نہیں ایک ہاتھ ہے۔

ذالعید نے ایک گہرا سانس لے کر کچھ ستائشی انداز میں سر ہلایا اور آگے بڑھ کر تصویر پر مصور کا نام ڈھونڈنے لگا۔ "UM-ME" نام سے اسے اندازہ نہیں ہوا کہ مصور عورت ہے یا مرد...... مگر وہ جو بھی تھا کمال کا آرٹسٹ تھا۔ اس کے ہاتھ میں غضب کی پرفیکشن تھی۔

ذالعید خود بھی آرٹسٹ تھا اور وہ کسی بھی پینٹنگ کی خوبیوں اور خامیوں کو لمحوں میں جان لیتا تھا۔ مگر اس تصویر میں اسے کوئی خامی نظر نہیں آئی۔ اسٹروکس کمال کے تھے، اینگلز میں کوئی غلطی نہیں تھی، شیڈز بالکل متوازن تھے۔

"Desire" (خواہش) اس نے تصویر کا کیپشن ایک بار پھر دہرایا۔ اس نے اس تصویر کو پہلے لاؤنج میں نہیں دیکھا تھا اور اب اس تصویر نے لاؤنج میں لگی ہوئی باقی تمام تصویروں کی خوبصورتی اور اہمیت ماند کر دی تھی۔ شاکر بابا چائے لیے ذالعید کے پاس چلے آئے۔

''یہ تصویر پہلے یہاں نہیں تھی۔'' ذالعید نے چائے کا کپ تھامنے کے بعد کہا۔

''یہ بیگم صاحبہ چند دن پہلے لائی ہیں، انھوں نے ہی لگوائی ہے۔''

شاکر بابا اسے بتا کر چلے گئے۔ وہ اس تصویر کے سامنے کھڑا چائے پی رہا تھا جب نزہت لاؤنج میں داخل ہوئیں۔

''اس بار بہت دنوں کے بعد چکر لگایا ہے ذالعید۔'' انھوں نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

ذالعید ان کی جانب مڑا۔ ''السلام علیکم ممی! کیسی ہیں آپ؟...... بس بہت مصروف رہا اسی وجہ سے۔''

نزہت نے اس کے پاس آ کر اس کے گال تھپتھپائے۔

''ممی! یہ پینٹنگ کہاں سے خریدی ہے آپ نے؟''

''یہ کلب میں بکنے آئی تھی۔ مجھے اچھی لگی، میں نے لے لی۔''

''کس نے بنائی ہے؟''

''یہ تو مجھے نہیں پتا۔''

''آپ یہ پینٹنگ مجھے دے دیں میں آپ کو اس کی قیمت دے دیتا ہوں۔'' ذالعید نے وقت ضائع کیے بغیر فرمائش کی۔

''قیمت کی بات مت کرو، تم لے جاؤ۔'' زنہت نے کہا۔

''نہیں ممی! یہ خاصی مہنگی ہوگی۔ میں اس طرح نہیں لے کر جاؤں گا۔'' ذالعید نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا زنہت بھی اس کے قریب بیٹھ گئیں۔

''نہیں۔ مہنگی نہیں ہے۔ بس اس کا فریم مہنگا ہے۔ وہ میں نے خریدنے کے بعد کروایا ہے ورنہ اس کی قیمت صرف دو ہزار روپے ہے۔''

ذالعید کو یقین نہیں آیا۔ اس نے ایک بار پھر اس تصویر پر نظر دوڑائی۔

''آئی ڈونٹ بلیواٹ'' (مجھے یقین نہیں آ رہا)...... صرف دو ہزار روپے It's Criminal (یہ تو جرم ہے) اس طرح کے آرٹ کو اس طرح اس قیمت پر بیچنا...... یہ کون احمق ہے ممی؟ بہر حال ممی! اگر دوبارہ وہاں اس آرٹسٹ کی کوئی پینٹنگز آئیں تو آپ میرے لیے خرید لیجئے گا۔

''ٹھیک ہے میں یاد رکھوں گی۔ اب تم بتاؤ۔ فیکٹری کیسی چل رہی ہے؟'' زنہت نے بات کا موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

❁

اس نے بارش کی آواز کو تیز ہوتے سنا اور ایک جھٹکے کے ساتھ اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتاب بند کر دی۔ اس کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا سر اٹھا کر اس نے لکڑی اور گارے سے بنی ہوئی چھت کا وہ کونہ دیکھا جو ہر سال کی طرح اس بار بھی رسنا شروع ہو چکا تھا۔

''اور اب اس کے نیچے رکھا جائے گا، ایک عدد برتن...... اور اس برتن میں گرتی ہوئی بوندوں کی بھیانک آواز ساری رات مجھے سونے نہیں دے گی۔'' وہ بڑبڑائی۔

اپنی چارپائی پر گود میں کتاب لیے دانتوں سے بائیں ہاتھ کے ناخن کترتے ہوئے وہ بہت زیادہ بے چین لگ رہی تھی۔ کمرے کے کھلے دروازے سے اب صرف بارش کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ ماماجان کے تیز قدموں کے ساتھ صحن سے چیزیں اٹھا اٹھا کر برآمدے میں رکھنے اور پھر ان ہی قدموں کے ساتھ واپس صحن میں جانے کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔

بارش جب برسنا شروع ہوئی، اس وقت ماماجان کمرے میں نماز پڑھنے میں مصروف تھیں اور نماز سے فارغ ہوتے ہوتے بارش بہت تیز ہو چکی تھی۔ دعا سے فارغ ہوتے ہی جائے نماز اٹھانے کے بجائے وہ تقریباً بھاگتی ہوئی باہر صحن میں گئیں اور چیزیں سمیٹنا شروع کر دیں۔ مریم ڈھیٹوں کی طرح کتاب کھولے بیٹھی رہی۔ ماماجان نے اسے چیزیں اٹھانے کے لیے نہیں بلایا تھا۔

اب کتاب بند کیے وہ تلخی سے سوچ رہی تھی۔

''یہ سب ماماجان کی اپنی چوائس ہے پھر ان کی مدد کیوں کی جائے انھیں سب کچھ خود ہی سمیٹنا چاہیے، کم از کم انھیں یہ احساس تو ہوگا کہ یہ

سب کچھ کتنا ڈراؤنا ہے...... مگر ماما جان! ماما جان کو یہ احساس کبھی نہیں ہو سکتا۔''

اس نے ایک گہرا سانس لے کر اپنے چٹختے ہوئے اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کی۔ ''اب یہ بارش برستی رہے گی اور چند گھنٹوں کے بعد صحن میں گلی کا گندا پانی آجائے گا۔ اتنا پانی کہ ہم برآمدے سے صحن کے دروازے تک بھی نہیں جا سکیں گے۔ جب تک اس گندے پانی میں پاؤں نہ دھرلیں...... اور پھر ہم جیسے گھر کے بجائے ایک جزیرے پر بیٹھے ہوں گے، خشکی کے انتظار میں۔ کب بارش رکے، کب پانی ڈھلے، کب گارے سے کیچڑ میں تبدیل ہو جانے والے صحن کی وہ اینٹیں نظر آئیں جو پندرہ فٹ لمبے صحن کے بیرونی دروازے اور برآمدے کو آپس میں ملاتی ہیں اور جن کے بغیر بارش کے بعد صحن کے کیچڑ میں سے گزر کر جانا ناممکن ہے اور یہ سب کچھ میرا مقدر آپ نے بنایا ہے ماما جان...... ورنہ میں اس سب کے لائق تو نہیں ہوں۔'' اس کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ ابھری۔

''برآمدے میں سے اب اس بکرے کی آواز سنائی دے رہی تھی جسے سال کے شروع میں خریدا جاتا تھا۔ اور پھر پورا سال پالنے کے بعد قربانی دی جاتی تھی۔ وہ ان تمام بکروں کی گندگی اور آوازوں سے تنگ آچکی تھی، جنھیں ہوش سنبھالنے سے لے کر اب تک ہر سال وہ دیکھتی آرہی تھی، بچپن میں اسے وہ اچھے لگتے تھے وہ ان کے ساتھ کھیلتی تھی۔ شعور سنبھالنے کے بعد اسے ان سے نفرت ہونا شروع ہو گئی تھی۔ ان بکروں کا رنگ بدل جاتا تھا مگر اسے ان کی آواز ہمیشہ پہلے جتنی ہی بھیانک لگتی۔

اب اسے ان مرغیوں کی آواز سنائی دینے لگی تھی جو اس کے گھر کا ایک اور بنیادی جز تھیں۔ وہ انھیں برداشت کر لیتی تھی اسے ان سے بکرے جتنی نفرت نہیں تھی۔ مگر نفرت تھی اور برداشت کرنے کی واحد وجہ یہ تھی کہ وہ وقتاً فوقتاً ان کے انڈے استعمال کیا کرتی تھی اور کبھی کبھار گوشت بھی۔ اس کی واحد عیاشی...... Doctrine of necessity (نظریہ ضرورت)

وہ زندگی میں جس چیز کو بھی استعمال کے قابل پاتی، اس کی خامیوں کو نظر انداز کر دیتی تھی۔ ابھی تک اسے اس بلی کی آواز سنائی نہیں دی تھی، جو اس کے گھر کا ایک اور اہم حصہ تھی۔ بکرے کی طرح اسے اس بلی سے بھی نفرت تھی کیونکہ وہ بکرے کی طرح اسے بھی بوجھ سمجھتی تھی۔ بعض دفعہ اسے یہ اندازہ کرنا مشکل ہو جاتا کہ اسے کس سے زیادہ نفرت تھی، بکرے سے یا بلی سے...... کون اس گھر پر زیادہ بوجھ تھا؟ بکرا سال میں کم از کم ایک بار تو کام آجاتا تھا اور بلی...... کبھی نہیں۔ اسے یاد تھا وہ کب آئی تھی اور اس سے پہلے کتنی بلیاں اس گھر میں رہ چکی تھیں۔ ہر بلی کے مرنے کے کچھ عرصہ کے بعد کوئی نہ کوئی دوسری بلی خود بخود ہی وہاں آجاتی اور ماما جان...... اسے غصہ آنے لگا۔ اسے یاد آیا، پچھلی بلی کی وجہ سے وہ کتنی ٹینس رہی تھی۔ وہ گلی میں سے گزرتے ہوئے کسی موٹر سائیکل سے ٹکرا گئی اور اس کا پچھلا دھڑ مفلوج ہو گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے کسی دوسری جگہ جانے کے قابل بھی نہیں رہی تھی، زیادہ سے زیادہ چند قدم رینگتی پھر جیسے اس کی ہمت جواب دے جاتی۔ ماما جان نے اس سے چھٹکارا پانے کے بجائے کسی شیر خوار بچہ کی طرح اس کی دیکھ بھال شروع کر دی تھی۔ مریم کو متلی ہونے لگتی جب وہ ماما جان کو اس بلی کی گندگی صاف کرتے دیکھتی۔ اسے حیرت ہوتی۔ ماما جان کو گھن کیوں نہیں آتی۔ بلی دن میں جتنی بار گندگی پھیلاتی، ماما جان اتنی بار ہی اسے صاف کرتیں۔ گرم پانی سے اسے نہلایا جاتا۔ اس کے پچھلے دھڑ کی مالش کی جاتی۔ مریم کا دل چاہتا، وہ بلی کو اٹھا کر کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دے۔ ایک سال تک اس بلی کی اسی طرح دیکھ بھال ہوتی رہی پھر ایک دن وہ بلی

مرگئی۔ اس دن ماما جان نے سارا دن کچھ نہیں کھایا۔ مریم نے خاص طور پر اس دن کھانا پکایا...... وہ بہت خوش تھی بلی سے جان چھوٹ گئی۔

دو ہفتوں کے بعد ایک صبح پھر اس نے ماما جان کے پاس بلی کا ایک بچہ دیکھا اور اس کا جی چاہا وہ اپنا سر پیٹ لے۔ پچھلے بہت سے سالوں سے ایسا ہی ہوتا رہا تھا، ماما جان ایک بار پھر خوش تھیں یوں جیسے ان کے گھر کا کوئی فرد واپس آ گیا ہو۔

''ہاں...... ماما جان کے پالتو...... میں، بکرا، مرغیاں اور بلی۔'' وہ کہتے ہوئے ایک بار پھر تلخی سے مسکرائی۔ اور ان سب میں سے ماما جان کے نزدیک سب سے کم اہمیت کس کی ہے؟ مریم کی۔'' وہ ایک بار پھر بڑبڑائی۔ سارا سال ان جانوروں کی جگہ بدلتی رہتی تھی۔ گرمیوں میں وہ صحن میں ہوتے، برسات میں برآمدے میں اور سردیوں کی راتوں کو اسی کمرے میں...... بعض دفعہ مریم کا دل چاہتا، وہ وہاں سے بھاگ جائے۔ ایک چھوٹے سے کمرے، برآمدے، غسل خانے اور صحن پر مشتمل اس تین مرلہ گھر سے اسے وحشت ہوتی تھی۔ جہاں کچھ بھی نہیں تھا نہ فریج، نہ ٹی وی، نہ ہیٹر، گیزر...... کچھ بھی نہیں...... بعض دفعہ جب وہ ماما جان سے الجھ رہی ہوتی تو کہتی۔

''آپ نے بجلی کیسے لگوالی۔ مجھے حیرت ہے، اس کے بغیر بھی تو گزارہ ہو سکتا تھا۔ دیے استعمال کر سکتے ہیں، لالٹینیں جلائی جا سکتی ہیں یا پھر مشعلیں روشن کر کے دیواروں پر ٹانگی جا سکتی ہیں۔''

ماما جان خاموشی اور سکون کے ساتھ اس کی بات سنتی رہتیں۔ اسے ان کی خاموشی سے چڑ تھی اور سکون سے نفرت...... اس کا خیال تھا یہ وہ ہتھیار تھے جو وہ صرف اسے زیر کرنے کے لیے استعمال کرتی تھیں۔

بارش مسلسل تیز ہوتی جا رہی تھی۔ مریم کا غصہ اور بڑھتا جا رہا تھا۔ اسے ہر موسم کی بارش سے نفرت تھی مگر برسات کی بارش...... اس کا دل چاہتا، اس موسم میں وہ کسی صحرا میں جا بیٹھے جہاں پانی کا ایک قطرہ تک نہ ہو۔ چاہے پینے کے لیے بھی پانی نہ ملے۔ مگر بس پانی نہ ہو۔

اس موسم میں کیچڑ بھرے صحن اور پھر اس محلے کی گلیوں سے گزر کر جانا اس کے لیے سب سے اذیت ناک کام ہوتا تھا۔ وہ کسی طرح بھی اپنے کپڑوں کو کیچڑ یا گندے پانی کے چھینٹوں سے بچائے بغیر وہاں سے نہیں گزر سکتی تھی اور گندے کپڑوں کے ساتھ اس کالج جانا جہاں وہ پڑھتی تھی، اس کے لیے ڈوب مرنے کے برابر تھا۔ اس کے پاس اس کا ایک ہی حل ہوتا تھا جس دن بارش ہوتی وہ کالج نہ جاتی۔ بعض دفعہ لگاتار کئی دن بارش ہوتی رہتی اور پھر اسے دل پر جبر کرتے ہوئے کالج جانا ہی پڑتا تھا اور تب اپنے پائنچوں اور شرٹ کے دامن پر لگے ہوئے کیچڑ پر پڑنے والی نظریں دیکھ کر اس کا دل زمین میں زندہ گڑ جانے کو چاہتا۔ لباس اچھا اور قیمتی ہو تب بھی کیچڑ کا دھبہ لباس کو بے قیمت کر دیتا ہے اور لباس سستا اور بھدا ہو تو پھر اس پر کیچڑ کا دھبہ لباس کو بے قیمت نہیں کرتا...... پہننے والے کو بے وقعت کر دیتا ہے۔

اس نے ماما جان کو کمرے میں آتے دیکھا اور ایک بار پھر کتاب کھول کر چہرے کے سامنے کر لی۔ وہ پوری طرح شرابور تھیں۔ ان کے کپڑے جسم سے چپکے ہوئے ان کے کمزور جسم کی ہڈیوں کو بہت نمایاں کر رہے تھے۔ انھوں نے نماز کے لیے اپنے سر اور جسم کے گرد لپٹی ہوئی چادر اتاری اور چادر کو چارپائی پر سوکھنے کے لیے پھیلا دیا۔ اس کے بعد وہ جائے نماز اٹھا کر تہہ کرنے لگی تھیں۔ مریم نے کن اکھیوں سے انھیں دیکھا۔ وہ جائے نماز رکھتے ہوئے کمرے کے ایک کونے کی چھت کو دیکھ رہی تھیں جو خلاف معمول اس سال برسات میں نہیں برس رہا تھا اور پھر ان کے چہرے

پر جیسے ایک فخریہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''اس بار اس کونے سے پانی نہیں ٹپک رہا۔ بارشوں کو شروع ہوئے کتنے دن ہو گئے ہیں پھر بھی یہ حصہ پہلے کی طرح خشک ہے۔'' انھوں نے پلٹ کر مریم سے کہا۔

''ہاں۔ اس بار آپ نے کنکریٹ جو بچھا دیا ہے ساری چھت پر...... بھلا چھت ٹپکنے کی ہمت کیسے کر سکتی ہے۔''

مریم نے چھت کے دوسرے ٹپکتے ہوئے کونے کو دیکھتے ہوئے بلند آواز میں کہا اور دوبارہ اپنی نظریں کتاب پر جما دیں۔ ماما جان اس کی بات پر کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گئیں اور تھوڑی دیر بعد وہ کمرے کے اندر مٹی کا ایک پیالہ لے کر آئی تھیں جسے انھوں نے چھت سے رسنے والے ان قطروں کے عین نیچے رکھ دیا۔ ہر بار برسات آنے سے پہلے ماما جان چھت کی لپائی کرتی تھیں۔ کئی سال پرانا یہ گھر اور اس کی چھت آہستہ آہستہ بوسیدہ ہوتے جا رہے تھے چھت اب کئی سالوں سے مسلسل ہر سال برسات کے موسم میں ٹپکتی تھی اور ماما جان اب پچھلے تین سالوں سے چھت کو مزید کسی نقصان سے بچانے کے لیے اس پر گارے کی لپائی کرنے سے پہلے پلاسٹک کی ایک شفاف شیٹ اس پر بچھا دیتیں اور پھر اس شیٹ کے اوپر گارے کی لپائی کرتی تھیں۔ اب تک چھت پر تین سالوں میں تین شیٹوں کا اضافہ ہو چکا تھا مگر پھر بھی بارش کا پانی کسی نہ کسی طرح راستہ بنا ہی لیتا اس بار البتہ صرف ایک کونہ ہی رس رہا تھا۔

برسات سے پہلے ہر سال گھر میں ہونے والا یہ تعمیراتی کام بھی اسے ناپسند تھا کیونکہ ماما جان صحن کے بیچوں بیچ کئی دن گارے اور مٹی کا کیچڑ ہاتھوں اور پیروں سے گوندھتی رہتی تھیں۔ ان دنوں ان کے ہاتھ اور پاؤں کہنیوں اور گھٹنوں سے کچھ نیچے تک ہر وقت کیچڑ سے لتھڑے رہتے تھے۔ مریم کو یہ کیچڑ دیکھ کر گھن آتی رہتی تھی۔ ان دنوں ماما جان اگر اپنے ہاتھ پاؤں اچھی طرح دھونے کے بعد بھی اس کے لیے روٹیاں پکانے کی کوشش کرتیں تو وہ کبھی کھانے پر تیار نہ ہوتی...... اسے تب ان کے صاف ہاتھ بھی گندے ہی لگتے تھے۔ ماما جان کو اس کی اس ناپسندیدگی کا پتا تھا اس لیے ان دنوں وہ خود اس کے لیے روٹی پکانے کے بجائے بازار سے روٹی منگوا لیا کرتی تھیں۔

کمرے میں چلتا ہوا پنکھا اپنی کئی سال پرانی مخصوص آواز کے ساتھ اس کے اشتعال کو اور ہوا دے رہا تھا۔ اسے بچپن سے اس ''باآواز'' پنکھے کی اتنی عادت پڑ چکی تھی کہ اس کا خیال تھا اب اگر اسے کسی ایسے کمرے میں سونا پڑے جہاں چلتا ہوا پنکھا بے آواز ہو تو اسے نیند نہیں آئے گی۔

''میرے لیے کبھی کوئی ائرکنڈیشنر نہیں ہوگا۔'' صرف یہ بے ہودہ اور گھٹیا پنکھا ہی ہوگا۔''

اس نے پنکھے پر نظریں جماتے ہوئے ایک بار پھر کڑھ کر سوچا تھا۔ بہت دفعہ ماما جان سے جھگڑے کے بعد اس کا دل چاہتا تھا کہ کسی وقت چلتا ہوا یہ پنکھا ہی اس کے اوپر گر پڑے، کم از کم کبھی تو اس کا کوئی فائدہ اس کو خوش کر جائے۔

"No comforts, no luxuries , just contentment. To hell with your contentment Mama Jaan."

(''نہ آسائشات، نہ تعیشات محض قناعت۔ جہنم میں جائے آپ کی یہ قناعت...... ماما جان۔'') وہ زہریلے لہجے میں بڑبڑائی۔

''انسان ٹوٹی دیواروں، اکھڑے فرش، رستی ہوئی چھت، چار چھ جانوروں، دس بارہ پودوں اور خواہشوں کی قبروں کے ساتھ کتنی دیر

''خوش'' رہ سکتا ہے بلکہ کتنی دیر رہ سکتا ہے اور آخر انسان رہے کیوں؟ اگر اس کے پاس بہتر مواقع ہیں تو کیوں ان کا فائدہ نہ اٹھائے مگر ماما جان...... ماما جان تو یہ سب کچھ کبھی سننا ہی نہیں چاہیں گی...... لیکن اگر وہ کنویں کا مینڈک بن گئی ہیں تو میں بھی کنویں کا مینڈک کیوں بنوں۔ انھوں نے اپنی زندگی گزار لی ہے اور مجھے اپنی زندگی گزارنی ہے۔ اگر ان کا یہ خیال ہے کہ میں اس گھر میں ان کی طرح جانوروں اور پودوں کے ساتھ خوش رہ سکتی ہوں۔ تو وہ غلط سوچ رہی ہیں...... یہ گھر میری منزل نہیں ہے، کم از کم میں یہاں تو زندگی نہیں گزار سکتی۔'' اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہو پا رہا تھا۔ ''ان گندے لوگوں کے درمیان میں تو زندگی نہیں گزار سکتی۔ میں تو ان میں سے نہیں ہوں۔'' بہت دفعہ کا سوچا ہوا جملہ ایک بار پھر اس کے دماغ میں گونجا تھا۔ ''کتنی دیر باندھ کر رکھ سکتی ہیں ماما جان مجھے...... ایک نہ ایک دن تو میں یہاں سے بھاگ جاؤں گی۔ مجھے ماما جان کی طرح اپنی زندگی یہاں برباد نہیں کرنی۔'' وہ بے چینی کے عالم میں ایک بار پھر اپنے ناخن کترنے لگی۔

ماما جان ایک بار پھر کمرے میں آ چکی تھیں۔ اس نے ایک بار پھر کتاب چہرے کے آگے کر لی۔ وہ اب خشک کپڑوں میں ملبوس تھیں۔ کمرے میں آنے کے بعد انھوں نے کمرے میں پھیلی ہوئی چیزوں کو سمیٹنا شروع کر دیا اور یہ پھیلی ہوئی چیزیں صرف مریم ہی کی ملکیت تھیں۔ اس کا ایزل، پیلٹ، کلر برش، کتابیں، کلرز سب کچھ ہمیشہ کی طرح کمرے میں پھیلا ہوا تھا۔ وہ صبح سے کمرے میں پینٹنگ کر رہی تھی اور جو چیز اس نے جہاں رکھی تھی کام کے بعد بھی وہیں چھوڑ دی تھی۔ اس کی یہ عادت بھی نئی نہیں تھی ہمیشہ ماما جان ہی اس کی ادھر اُدھر پھینکی اور پھیلائی ہوئی چیزوں کو سمیٹتی رہتی تھیں۔ اسے یہ چیز بھی کبھی احسان یا مدد نہیں لگی تھی، وہ اسے بھی ہمیشہ حق سمجھ کر کروایا کرتی تھی۔

''جتنی تکلیف دہ زندگی میں ماما جان کی وجہ سے گزار رہی ہوں اگر اس کی تلافی کے لیے وہ یہ چھوٹی موٹی عنایات مجھ پر کر دیتی ہیں تو کوئی احسان نہیں کرتیں۔ وہ اگر میری بات مان لیں تو انھیں کبھی میرے لیے یہ ساری زحمتیں نہ اٹھانا پڑیں کیونکہ پھر میں انھیں اس طرح کے کاموں کا کوئی موقع ہی نہیں دوں گی لیکن ماما جان وہ اگر اپنی ضد پر قائم ہیں تو پھر ٹھیک ہے، میں بھی انھیں تکلیف کیوں نہ پہنچاؤں۔ اٹھاتی پھریں یہ ساری چیزیں۔''

وہ بہت زیادہ منتقم ہو کر سوچ رہی تھی۔

''تم نے چائے نہیں پی؟'' وہ چیزیں سمیٹتے سمیٹتے اس کی تپائی کے پاس آئیں اور تب ہی ان کی نظر تپائی پر رکھے ہوئے چائے کے کپ پر پڑی جس پر اب بالائی کی تہہ جم چکی تھی۔

''میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ مجھے چائے نہیں پینی۔ آپ پھر بھی کپ یہاں رکھ گئی تھیں۔'' اس نے کتاب پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔

''میں نے تمھیں چائے اس لیے دی تھی کیونکہ تم نے کھانا نہیں کھایا۔'' انھوں نے اس کی کتابیں تپائی پر رکھتے ہوئے کہا۔

''میں اب کبھی کھانا کھاؤں گی بھی نہیں۔ کم از کم اس گھر سے نہیں۔''

''ضد کیوں کر رہی ہو مریم؟'' وہ اس کے قریب بستر پر بیٹھ گئیں۔

''میں ضد نہیں کر رہی۔ آپ ضد کر رہی ہیں۔'' اس نے ایک جھٹکے سے کتاب بند کر دی۔

''میں جو کچھ کر رہی ہوں۔ تمھارے فائدے کے لیے کر رہی ہوں۔''

''پلیز ماما جان! آپ یہ جملہ مت بولا کریں۔ آپ میرا فائدہ مت چاہیں۔ مجھے اپنی زندگی اپنے طریقے سے گزارنے دیں۔ میری خوشیوں کے راستے میں رکاوٹ نہ بنیں۔'' اس نے بے زاری سے کہا۔

''میں تمھارے لیے رکاوٹ نہیں بن رہی ہوں، میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ تمھیں کوئی نقصان نہ پہنچے۔''

''اگر آپ کو میری اتنی پرواہ ہوتی ماما جان! تو میں یہاں دھکے نہ کھا رہی ہوتی۔ آپ مجھے لے کر انگلینڈ چلی جاتیں۔ میرا کوئی مستقبل ہوتا وہاں۔ میں آج وہاں ایک بڑا نام ہوتی مگر آپ نے یہ سب نہیں کیا۔ آپ نے ہمیشہ ضد کی، اپنی من مانی کی، آپ نے مجھے ہر چیز کے لیے ترسا دیا، ہر سہولت کے لیے خوار کیا اور اب آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ آپ چاہتی ہیں کہ مجھے کوئی نقصان نہ پہنچے؟ میری زندگی میں اگر کوئی سہولت یا لگژری آ جائے گی تو مجھے نقصان پہنچے گا؟ مجھے شہرت مل جائے گی تو مجھے نقصان پہنچے گا؟ میں اپنے نام سے پہچانی جاؤں گی تو مجھے نقصان پہنچے گا؟ میرا کام سراہا جائے گا تو مجھے نقصان پہنچے گا؟ میرا مستقبل محفوظ ہو جائے گا تو مجھے نقصان پہنچے گا؟''

ماما جان خاموشی سے اس کی باتیں سنتی رہیں۔

''چائے اور بنا دوں؟''

اپنی بات کے جواب میں ان کے منہ سے نکلنے والے جملے نے اسے اور بھڑکایا۔ ''ماما جان! آپ میرے ساتھ اچھا نہیں کر رہی ہیں۔ آپ میری زندگی کو اپنے طریقے سے چلانے کی کوشش نہ کریں۔ اپنے اصولوں کو میرے سر پر مت تھوپیں۔'' وہ اس کے پاس سے اٹھ گئیں۔

''آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے ماما جان! آپ کو مجھ سے محبت ہوتی تو آپ میری بات مان لیتیں مگر آپ......

وہ خاموش ہو گئی۔ ماما جان اس کی بات سنے بغیر کمرے سے باہر جا چکی تھیں۔

دوسرا باب

کیتھرین براؤن نے سولہ سال کی عمر میں پہلی بار اپنا جسم فروخت کیا تھا۔ کیوں کیا تھا؟ اگلے چھ سال اس نے یہ سوال خود سے نہیں کیا...... ہاں جب وہ پہلی بار مظہر خان سے ملی تو اس نے یہ سوال اپنے آپ سے پوچھا تھا مگر تب تک بہت دیر ہو گئی تھی۔ Dusky Damsel کے علاوہ وہ اپنی ہر شناخت کھو چکی تھی۔

روتھ براؤن کا تعلق ایک میتھوڈسٹ فیملی سے تھا ایک ایسی فیملی سے جہاں لڑکوں کو لڑکیوں سے زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ جہاں عورتوں کا کیریئر کے بارے میں سوچنا بھی برا سمجھا جاتا تھا۔ روتھ براؤن کے باپ کو اس بات پر فخر تھا کہ اس نے ایک ایسی لڑکی سے شادی کی جو نہ تو ورکنگ گرل تھی اور نہ ہی زیادہ تعلیم یافتہ تھی، شادی کے بعد بھی اس نے اپنی بیوی کو کام نہیں کرنے دیا۔ وہ ایک مکمل ہاؤس وائف تھی۔

روتھ نے بھی ایسے ہی ماحول میں آنکھ کھولی۔ ابتدائی طور پر معمولی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ ان دنوں ان مردوں میں سے کسی ایک سے شادی کی منتظر تھی جنہیں اس کے ماں باپ نے اس سے ملوایا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ ان میں سے کسی کے ساتھ شادی کرتی اس کی ملاقات ایک پاکستانی سے ہوئی۔ وہ اندازہ نہیں کر سکی کہ اس شخص کی کس چیز نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔ بہر حال اس نے گھر سے بھاگنے کے بعد اس شخص کے ساتھ رہنا شروع کر دیا۔

روتھ کی فیملی کے لیے یہ ایک شاک سے کم نہیں تھا۔ روتھ اپنی تینوں بہنوں میں سب سے زیادہ بزدل تھی اور اس سے کوئی یہ توقع نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اپنے ماں باپ کی مرضی کے خلاف کسی شخص کے ساتھ نہ صرف رہنا شروع کر دے گی بلکہ وہ بھی اس شخص کے ساتھ جو اس کا ہم مذہب تھا نہ ہی اس کے اپنے ملک سے تعلق رکھتا تھا۔

روتھ اپنی فیملی کے بارے میں ایک بات اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کی فیملی والے کبھی بھی اس شخص کے ساتھ اس کی شادی پر تیار نہیں ہوں گے۔ بلکہ وہ اس پر پابندیاں لگانا شروع کر دیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ گھر سے بھاگنے تک اس نے اس شخص کے بارے میں اپنے والدین کو آگاہ نہیں کیا۔ البتہ جانے کے بعد اس نے ایک خط کے ذریعے اپنے والدین کو تمام حالات سے مطلع کیا اور اپنی حرکت کے لیے ان سے معذرت کی...... اس کے والدین نے اس خط کا کوئی جواب نہیں دیا۔ روتھ کو یہی توقع تھی۔

علیم نامی وہ شخص جس کے ساتھ روتھ گھر سے چلی آئی تھی، اس کے ساتھ بہت زیادہ عرصہ نہیں رہا۔ روتھ نے اس سے شادی سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کا خیال تھا، یہ چیز ان کے تعلق کو بہت مستحکم کر دے گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ کیتھرین کی پیدائش سے پہلے ہی وہ اسے چھوڑ گیا۔ وہ غیر قانونی طور پر انگلینڈ میں رہائش پذیر تھا اور اس شادی کے نتیجے میں وہ اپنے قیام کو قانونی بنانا چاہتا تھا۔ جب وہ اپنے پیپرز بنوانے میں کامیاب ہو

گیا تو روتھ کو بتائے بغیر وہ گھر سے غائب ہو گیا۔ روتھ کے لیے اس کا غائب ہونا ناقابل یقین تھا۔ کئی ہفتوں تک وہ پاگلوں کی طرح اسے ہر اس جگہ ڈھونڈتی رہی جہاں اس کے پائے جانے کا امکان تھا۔ وہ اس کے ان تمام پاکستانی دوستوں سے ملی جن سے وہ شناسا تھی، ہر ایک نے علیم کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔ وہ یوں غائب ہوا تھا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

بہت آہستہ آہستہ اسے احساس ہونا شروع ہوا کہ اسے دھوکا دیا گیا ہے خوبصورتی اور کمال مہارت کے ساتھ اور وہ کبھی علیم سے دوبارہ مل نہیں سکے گی کیونکہ وہ اس سے ملنا نہیں چاہتا اور اس کے تمام دوست اس کے ٹھکانے کے بارے میں اسی طرح لاعلمی کا اظہار کرتے رہیں گے۔ وہ جاننے کے باوجود علیم تک پہنچنے میں اس کی کبھی مدد نہیں کریں گے۔ وہ اٹلی چلا گیا ہے۔

''وہ اسپین میں ہے۔'' ''وہ فرانس منتقل ہو گیا ہے۔'' ''وہ پاکستان جا چکا ہے۔''

وہ ساری عمر اس کے بارے میں ان کے منہ سے یہی جملے سنتی رہے گی۔

روتھ اس وقت صرف اکیس سال کی تھی اور اس کی پوری زندگی کی عمارت ایک ہی جھٹکے میں زمین پر آ گری۔ وہ نہ اپنی فیملی کے پاس واپس جا سکتی تھی نہ ہی اکیلے رہ سکتی تھی مگر اسے زندہ رہنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا ہی تھا۔

کیتھرین کی پیدائش سے کچھ ہفتے پہلے روتھ کے باپ کی ڈیتھ ہو گئی۔ اس کے لیے یہ ایک Blessing in disguise (نعمت غیر مترقبہ) تھی۔ باپ کے ہوتے ہوئے وہ کبھی واپس اپنی فیملی کے پاس جانے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی کیونکہ اس کا باپ اس کی شکل تک دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن باپ کی وفات کے بعد اس کی ماں نے کچھ تامل کے بعد اسے واپس اپنے گھر میں رہنے کی اجازت دے دی۔ اس کی ماں اکیلی ہی اس گھر میں رہتی تھی۔ روتھ کے تمام بڑے بہن بھائی شادی شدہ اور دوسرے شہروں میں رہائش پذیر تھے۔

کیتھرین نے اپنی پیدائش سے ہوش سنبھالنے تک اپنے گھر میں صرف دو عورتیں دیکھیں۔ اپنی ماں اور نانی......اور اس نے ان دونوں عورتوں کو ہمیشہ آپس میں جھگڑتے ہی دیکھا تھا۔ اس کی ماں روتھ بے تحاشا شراب نوشی کرتی۔ وہ ساری رات کسی بار میں کام کرتی تھی اور صبح گھر پر شراب پیتی رہتی۔ کیتھرین کی نانی نے ہی اس کی پرورش کی اور اپنی ماں کے ساتھ ہونے والے حادثے کے بارے میں بھی اس کی نانی نے ہی اسے بتایا تھا۔

کیتھرین کبھی یہ جان نہیں پائی کہ اس کی ماں اس سے محبت کرتی ہے یا نفرت۔ روتھ کے ساتھ اس کا تعلق بہت سرسری سا تھا۔ صرف اسی کے ساتھ نہیں روتھ کا ہر ایک کے ساتھ تعلق بہت رسمی سا ہو گیا تھا۔ وہ علیم کو کبھی اپنے ذہن سے نہیں نکال سکی اور علیم کے بعد وہ اپنی زندگی کو بھی سنبھال نہیں پائی۔

بعض دفعہ وہ کیتھرین کو اپنے ساتھ کہیں باہر لے جاتی لیکن راستے میں اگر کوئی بھی مسلم یا ایشیائی نظر آتا تو وہ بلند آواز میں اسے گالیاں دینے لگتی چلانے لگتی، پھر اس پر تھوک دیتی۔ کیتھرین کو اپنی ماں کے ساتھ باہر جانے سے خوف آتا تھا۔ وہ اس ہنگامے سے ڈرتی تھی جو اس کی ماں کہیں بھی کھڑا کر دیتی۔ اس کی ماں نے علیم سے شادی سے پہلے اسلام قبول کیا تھا مگر علیم کے جانے کے بعد وہ مسلمان رہی تھی نہ ہی کرسچن۔ کیتھرین نے اپنی سولہ سالہ زندگی میں اسے کبھی عبادت کرتے نہیں دیکھا۔ "There is no God" (خدا کا کوئی وجود نہیں تھا) یہ وہ جملہ تھا جو اس نے روتھ کے منہ سے بار بار سنا تھا اور خود اپنی نانی کے ساتھ چرچ میں بیٹھے ہوئے بھی یہ جملہ اس کے ذہن میں چکراتا رہتا تھا۔

وہ بچپن سے اپنے مسلمان اور پاکستانی باپ کے بارے میں بہت کچھ سنتی رہی تھی۔ جب روتھ بہت زیادہ شراب نوشی کر لیتی تب وہ خوب چلاتی اور مسلمانوں کو گالیاں دیتی۔ جب نانی روتھ کو اس حالت میں دیکھتیں تو وہ بھی یہی کرتیں اور کیتھرین اس وقت چپ چاپ اپنے بستر میں لیٹی رہتی۔ وہ نہیں جانتی تھی اسے اپنے باپ سے نفرت تھی یا نہیں اور اگر کبھی وہ اس کے سامنے آجاتا تو وہ کیا کرتی۔ مگر ایک چیز بہت واضح تھی اسے اسلام اور پاکستان کے بارے میں بہت زیادہ دلچسپی ہو گئی تھی۔ شاید ایسا لاشعوری طور پر تھا یا پھر وہ جان بوجھ کر اس چیز کو پسند کرنے لگی تھی جو اس کی ماں اور نانی کو ناپسند تھی۔

تیرہ سال کی عمر میں اس کی نانی کی ڈیتھ ہو گئی اور تب کیتھرین کو پہلی بار اپنی زندگی کی مشکلات کا اندازہ ہوا۔ گھر فیملی پراپرٹی تھا۔ روتھ سمیت تمام بہن بھائیوں نے اسے بیچ کر رقم آپس میں بانٹ لی۔ روتھ اسے لے کر کرائے کے جس اپارٹمنٹ میں آئی تھی وہ ہولناک جگہ تھی سرد اور تاریک۔ وہ ان عمارتوں میں سے ایک تھی جو آہستہ آہستہ خالی کی جا رہی تھیں۔ روتھ شراب نوشی کے بعد بچنے والی رقم سے اس سے بہتر جگہ نہیں پا سکتی تھی اور کیتھرین کو اس جگہ سے خوف آتا تھا۔ یہ عمارت اس کے سکول سے اتنی دور تھی کہ کیتھرین نے سکول چھوڑ دیا۔ وہ یوں بھی ایک اوسط درجے کی طالبہ تھی۔ روتھ اگر دلچسپی لیتی تو اسے کسی قریبی سکول میں داخل کروایا جا سکتا تھا اور پھر شاید کیتھرین اپنی ابتدائی تعلیم مکمل کر لیتی مگر روتھ کی شراب نوشی ان دنوں اپنے عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔

آہستہ آہستہ گھر میں فاقوں کی نوبت آنے لگی اور تب ہی پہلی بار کیتھرین نے گھر سے نکل کر کچھ کرنے کا فیصلہ کیا۔ چند ماہ اس نے ایک فیکٹری کے پیکنگ ڈیپارٹمنٹ میں کام کیا پھر روتھ بیمار ہو گئی اور کیتھرین نے وقتی طور پر اس کی دیکھ بھال کے لیے وہ جاب چھوڑ دی۔ اس کا خیال تھا کہ بہت جلد روتھ ٹھیک ہو کر بار جوائن کر لے گی اور وہ اپنے لیے کوئی اور جاب ڈھونڈ لے گی۔ مگر ایسا نہیں ہوا روتھ دوبارہ کبھی ٹھیک نہیں ہو سکی۔ اسے معدے کا کینسر تھا اور جب تک اس کی تشخیص ہوئی اس کی بیماری آخری سٹیج پر پہنچ چکی تھی اس کی بیماری کے دوران ہی اسے بار کی جاب سے بھی فارغ کر دیا گیا۔

کیتھرین نے چھ ماہ کے عرصے میں اپنی ماں کے وجود کو گوشت پوست سے ہڈیوں میں تبدیل ہوتے دیکھا تھا۔ وہ سارا وقت درد سے کراہتی رہتی اور جب وہ پین کلرز کے زیر اثر نہ ہوتی تو وہ صرف ایک ہی جملہ بولتی رہتی۔

''اس نے مجھے برباد کر دیا۔'' کیتھرین میں کبھی اتنی ہمت نہیں ہوئی تھی کہ وہ اس سے پوچھتی۔ ''کس نے؟''

وہ جانتی تھی اس کی ماں کو کس نے برباد کیا تھا۔ چھ ماہ کے عرصے میں وہ اپنی ماں کی جتنی دیکھ بھال کر سکتی تھی اس نے کی۔ شاید وہ کسی نہ کسی طرح اپنی ماں کو یہ یقین دلانا چاہتی تھی کہ وہ اپنے باپ کی طرح نہیں ہے۔ اپنی رگوں میں اس کا خون اور اپنے چہرے پر اس کی مشابہت رکھنے کے باوجود وہ روتھ براؤن کو اس کی طرح چھوڑ کر نہیں جائے گی۔

وہ نہیں جانتی اس کی خدمت نے اس کی ماں کی تکلیف کو کتنا کم کیا یا بڑھایا۔ مگر وہ آخری دنوں میں کچھ بھی کہے بغیر خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہتی تھی۔ کمرے میں کام کرتے، ادھر سے ادھر جاتے کیتھرین اس کی نظروں کو مسلسل خود پر ٹکے ہوئے پاتی۔

سینتیس سال کی عمر میں جس وقت روتھ کا انتقال ہوا اس وقت کیتھرین کی عمر صرف سولہ سال تھی۔ ماں کی وفات کے چند دن بعد اس نے

اسی بار میں کام کرنا شروع کر دیا۔ جس بار میں اس کی ماں کام کرتی تھی۔ چھ ماہ کے اس عرصے میں جب وہ روتھ کی دیکھ بھال کے لیے مستقل طور پر گھر رہی اس کی مالی حالت بہت کمزور ہوگئی تھی۔ اس پر گھر کے کرائے سمیت بہت سے واجبات اکٹھے ہوگئے تھے۔ بار میں کام کرنے کے ساتھ ساتھ وہ دن کے وقت ایک اور جگہ کام کرتی مگر اس کے باوجود وہ اپنے سر پر موجود قرض نہیں اتار پا رہی تھی۔

ان ہی حالات میں اپنے ساتھ بار میں کام کرنے والی ایک لڑکی کے مشورے پر وہ پہلی بار ایک گاہک کے ساتھ گئی۔ چند گھنٹے گزارنے کے عوض ملنے والے چند پاؤنڈز اتنی بڑی رقم نہیں تھی، جو اس کے تمام مسائل کا حل ہوتی مگر اس رقم نے فوری طور پر اس کی کچھ بنیادی ضرورتیں ضرور پوری کر دی تھیں......اس نے ایک طویل عرصے کے بعد اس رقم سے اچھا کھانا کھایا اور ایک پرانا سویٹر خریدا......اور اس کے بعد گھر آ کر وہ ساری رات روتی رہی۔ جسم میں جانے والا کھانا اور اس پر پہنے جانے والا لباس ہر نقصان کی تلافی نہیں کر سکتے مگر یہ دونوں چیزیں بہت بڑے نقصان کی وجہ ضرور بن جاتے ہیں۔

''صرف تھوڑے عرصے کی بات ہے، میں سارا قرض ادا کر دوں گی پھر اس کے بعد مجھے یہ کام کبھی نہیں کرنا پڑے گا۔ میں کسی بہتر جگہ پر کام تلاش کر لوں گی۔ میرا ایک بوائے فرینڈ ہوگا۔ میں اس کے ساتھ رہوں گی۔ ہم دونوں شادی کر لیں گے پھر میں کام نہیں کروں گی۔ گھر پر رہوں گی۔ اپنے بچوں کی پرورش کروں گی۔ یہ سب کچھ بھول جاؤں گی۔ میری زندگی میں دوبارہ ایسا وقت کبھی نہیں آئے گا۔

اگلی صبح کام پر جاتے ہوئے اس نے اپنا منہ دھوتے ہوئے سوچا تھا۔ یہ اس کی خوش فہمی تھی وہ جس دلدل میں پیر رکھ چکی تھی وہ دلدل آسانی سے کسی کو اپنے اندر سے نکلنے نہیں دیتی۔ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا، وہ اپنے ہر گاہک کے ساتھ جاتے ہوئے خود کو یہی تسلی دیتی تھی کہ بہت جلد وہ یہ سب کچھ چھوڑ دے گی۔ یہ تکلیف دہ دور اس کے ماضی کا حصہ بن جائے گا۔

ایک سال کے عرصے میں وہ خود پر واجب الادا سارا قرض اتارنے میں کامیاب ہوگئی مگر تب تک وہ اس علاقے میں اپنی ریپوٹیشن کھو چکی تھی۔ وہ اپنے اسی حوالے سے پہچانی جاتی تھی جس حوالے کو وہ بھلا دینا چاہتی تھی۔ اس نے بار چھوڑ کر ایک سٹور میں سیلز گرل کے طور پر کام کرنا شروع کر دیا۔ مگر اس کا ماضی اس کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا تھا ہر جگہ اسے کوئی نہ کوئی ایسا شخص ضرور مل جاتا جو اس کے پرانے پیشے کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہوتا۔ یکے بعد دیگرے اسے بہت سی جگہوں سے نکالا گیا۔ اسے اچھی طرح اندازہ ہوگیا تھا کہ اس علاقہ میں رہتے ہوئے وہ اب کسی باعزت زندگی کا خواب دیکھ سکتی ہے نہ کسی بوائے فرینڈ کا۔ کیتھرین نے وہ شہر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔ مگر اس شہر کو چھوڑ دینے سے پہلے اس کے ساتھ ایک ایسا حادثہ ہوا جس نے اس کے سارے فیصلے بدل دیے۔

تیسرا باب

تاریکی میں اپنے پیروں کے ساتھ سیڑھیوں کو ٹٹولتے ہوئے وہ اوپر کی طرف جا رہی تھی سیڑھیاں بہت ہموار اور چکنی تھیں۔ وہ پیروں سے ان کی لمبائی اور چوڑائی کو ناپتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی۔

اس نے سیڑھیوں پر قدم رکھتے ہوئے سیڑھیوں کی ساخت کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ سیڑھیاں ماربل کی ہیں۔

اس کا سفر جاری تھا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

❀

اس رات وہ گھر واپس آیا۔ اپنے بیڈروم میں آ کر وہ ٹائی کھول رہا تھا جب ملازم اندر آیا۔ اس کے ہاتھ میں اخبار میں لپٹی ہوئی کوئی چیز تھی۔

''بیگم صاحبہ نے آپ کے لیے یہ بھجوائی ہے، ڈرائیور دوپہر کو دے کر گیا تھا۔''

''کیا ہے یہ؟'' وہ حیران ہوا۔ ''پتا نہیں میرا خیال ہے کوئی تصویر ہوگی۔'' ملازم نے وہ چیز اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''تصویر......'' ذوالعید الجھا اور پھر اس کے ذہن میں جھماکا ہوا وہ ڈوری کاٹنے لگا۔ اسے یاد آ گیا تھا، یہ یقیناً اس آرٹسٹ کی بنائی ہوئی کوئی پینٹنگ ہوگی، جس کے بارے میں اس نے ممی کو تاکید کی تھی۔

اس نے اخبار ہٹایا اور وہ مبہوت ہو گیا تھا۔ بے اختیار اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اسے یوں لگا جیسے اس کی تھکن یک دم کہیں غائب ہو گئی ہے۔ اس نے تصویر کو اٹھا کر ایک کرسی کے ہتھوں پر ٹکا دیا اور خود دور بیٹھ کر اسے دیکھنے لگا۔ فریم کے بغیر بھی وہ تصویر اس کمرے میں بہت نمایاں لگ رہی تھی۔

تصویر کا بیک گراؤنڈ اس بار بھی سیاہ تھا اور یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سیاہ رنگ آسمان کو ظاہر کر رہا ہے۔ مٹیالے رنگ کی زمین دکھائی دے رہی تھی جس میں جگہ جگہ دراڑیں تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے خشک سالی کی وجہ سے زمین پھٹنا شروع ہو گئی تھی۔ اس زمین کے بالکل درمیان میں بہت گھنی بیل بل کھاتی ہوئی اوپر آسمان کی طرف جاتی نظر آ رہی تھی۔ وہ بیل زمین میں پیوست تھی مگر زمین سے کچھ اوپر تک اس بیل پر ایک بھی پتا نہیں تھا۔ صرف بیل کی آپس میں لپٹی ہوئی برہنہ شاخیں نظر آ رہی تھیں، پھر کچھ اوپر چند چھوٹے چھوٹے تازہ سبز پتے نظر آنے لگے تھے اور جوں جوں بیل آسمان کی طرف جا رہی تھی۔ پتوں کی تعداد اور سائز بڑھتا گیا تھا، تازہ سبز کلر اب گہرا سبز ہو گیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اوپر آسمان سے کوئی سفید روشنی اس بیل کے بالکل اوپر پڑ رہی تھی اور جہاں تک وہ روشنی پہنچ رہی تھی وہاں تک بیل سرسبز ہو گئی تھی۔ یا پھر شاید اس روشنی کی وجہ سے بیل نیچے سے اوپر کے بجائے اوپر سے نیچے کی طرف شاداب ہونا شروع ہوئی۔ سیاہ بیک گراؤنڈ میں اوپر سے بیل کے سبز گھنے پتوں پر پڑنے والی دودھیا روشنی اور سبز

پتوں کے دومختلف شیڈز نے اس تصویر میں کوئی عجیب سا تاثر پیدا کر دیا تھا۔

ذالعید اٹھ کر تصویر کے پاس گیا اور اس کا کیپشن دیکھنے لگا "Belief" (ایمان) وہ کھڑا ہو کر ایک بار پھر اس تصویر اور اس کیپشن کا آپس میں تعلق واضح کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

'Desire and belief' خواہش اور ایمان کیا ہے یہ "Mysticism یا Metaphysics? (معرفت یا علم موجود) وہ مسکرانے لگا۔

بیڈ پر پڑا ہوا موبائل اٹھا کر اس نے ممی کا نمبر ملایا۔ سلام دعا کے بعد نزہت نے اس سے تصویر کے بارے میں پوچھا۔

''ممی! تھینک یو ویری مچ وہ مجھے مل گئی ہے۔''

''کیسی لگی تمھیں؟''

''ممی! یہ میں نہیں بتا سکتا ہر چیز کی تعریف کرنا ممکن نہیں ہوتا مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ پینٹر کا پتا کریں۔''

''میں مسز سمیع سے بات کروں گی۔ انھیں پتا ہوگا۔ کہ یہ پینٹنگ کہاں سے آئی ہے؟''

''اس کی کیا قیمت تھی؟''

''وہی دو ہزار روپے، آج ہی لے کر آئی ہوں میں۔'' نزہت نے بتایا۔

''It's deplorable (یہ انتہائی افسوسناک ہے) یہ آرٹسٹ کیا کر رہا ہے۔ اپنے کام کے ساتھ، کوڑیوں کے بھاؤ بیچ رہا ہے۔ بری سے بری پینٹنگ بھی کسی آرٹ گیلری میں رکھی ہو تو اچھی قیمت لگ جاتی ہے اس کی۔ اور یہ تو بہت آؤٹ سٹینڈنگ کام ہے۔'' ذالعید کو واقعی افسوس ہو رہا تھا۔

''ہو سکتا ہے کوئی فنانشل کرائسس ہو اس لیے وہ اس طرح اپنی تصویریں بیچ رہا ہے۔ آرٹ گیلریز والے تو تمھیں پتا ہی ہے کسی چھوٹے موٹے آرٹسٹ کو کہاں پوچھتے ہیں اور پھر نقد رقم کہاں دیتے ہیں، جب بکتی ہے تب ہی ادائیگی کرتے ہیں۔'' نزہت نے تفصیل سے بتایا۔

''بہرحال آپ مجھے اس آرٹسٹ کا پتا کر کے بتائیں۔''

''ٹھیک ہے صبح مسز سمیع سے بات کروں گی۔'' نزہت نے کہا ذالعید نے خدا حافظ کہہ کر موبائل بند کر دیا وہ ایک بار پھر اس تصویر کو دیکھنے لگا۔

❁

نزہت نے دوسرے دن مسز سمیع سے بات نہیں کی۔ وہ بھول گئی تھی کہ ذالعید نے ان سے کوئی کام کہا ہے۔ دوسری طرف ذالعید کو بھی ان ہی دنوں سنگاپور جانا پڑا، وہاں سے وہ فیکٹری کی کچھ مشینری خریدنے کے لیے کوریا چلا گیا۔

ایک ڈیڑھ ماہ بعد جب وہ واپس آیا تو ای پی بی کی طرف سے بیرون ملک ہونے والے کچھ تجارتی میلوں کی تاریخیں آ چکی تھیں۔ وہ ان میں مصروف ہو گیا۔ وہ دو تصویریں مکمل طور پر اس کے ذہن سے نکل گئیں۔

کلب میں دوبارہ کوئی پینٹنگ نہیں آئی جسے نزہت خریدتیں اور ذالعید کو دوبارہ وہ آرٹسٹ یاد آتا۔

❁

ماما جان کے ساتھ یہ اس کا پہلا اختلاف نہیں تھا۔ اس کی پوری زندگی ہی اختلافات سے بھری ہوئی تھی۔ وہ زندگی میں کبھی اپنے ماحول سے مطمئن نہیں رہی تھی۔ اس کی بنیادی وجہ مریم کا یہ خیال تھا کہ ان کا یہ ماحول بہتر ہو سکتا تھا اگر ماما جان...... اور یہ اگر اسے ہمیشہ تکلیف پہنچاتا رہا، جوں جوں وہ عمر کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی اس کا یہ ڈپریشن بڑھتا جا رہا تھا۔

اسے خود سے وابستہ ہر چیز سے نفرت تھی۔ اپنے ماحول سے اپنے گھر سے، وہاں موجود چیزوں سے، اس محلے کے لوگوں سے، ان ٹوٹی گلیوں سے، اپنے سبزی اور پھل فروش باپ کی اس دکان سے جو اس کے گھر کے رستہ میں آتی تھی۔ وہاں سے گزرتے ہوئے اس کی ہتھیلیوں میں پسینہ آتا اور چہرہ سرخ ہو جاتا۔ اس نے وہاں سے گزرتے ہوئے کبھی سر اٹھا کر اس دکان پر موجود شخص کو دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ جہاں تعلیم حاصل کرنے جاتی تھی وہاں اس کے باپ کا یہ پیشہ کتنے لوگوں کو قہقہے لگانے پر مجبور کر سکتا تھا، وہ اندازہ کر سکتی تھی۔

''میں ان میں سے نہیں ہوں، میں ان میں سے ہوں ہی نہیں۔'' وہ ہر دفعہ اس محلے سے، اس دکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے ایک منتر کی طرح، یوں یہ لفظ دہراتی رہتی جیسے کسی جادو کے لیے کوئی توڑ کر رہی ہو۔

پھر جب اس کے باپ کی وفات ہو گئی تو اسے اپنے اندر ایک بہت کمینہ سا اطمینان محسوس ہوا، کم از کم اسے شرمندہ کرنے والی چیزوں میں سے ایک کی کمی ہو گئی تھی۔ اب کبھی اسے اس دکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس طرح سر جھکانا نہیں پڑے گا۔ کیونکہ اس سبزی کی دکان کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں رہا تھا۔

مگر اس کے لیے قابل اعتراض چیزوں کی لسٹ بہت لمبی تھی اور شاید یہ لسٹ لمبی ہی رہتی۔ اگر این سی اے میں گریجویشن کے آخری سال اسے ان تمام چیزوں سے فرار کا موقع اپنے سامنے نظر آنا نہ شروع ہو جاتا اس کی زندگی میں بہت غیر معمولی حالات میں ایک شخص آ گیا تھا اور اس شخص کی آمد نے اس کے لیے ہر چیز کو بدل کر رکھ دیا۔

❀

''کیا بندہ ہے یار!'' آئزہ درانی کی آواز میں رشک تھا یا ستائش، اُمّ مریم کو اندازہ نہیں ہوا لیکن اس نے گردن موڑ کر ادھر ضرور دیکھا جس سمت وہ دیکھ رہی تھی۔

ان سے چند فٹ کے فاصلے پر نیوی بلو ٹی شرٹ اور سیاہ جینز میں ملبوس ایک دراز قد شخص نائلہ حبیب اور صوفیہ علی کے ساتھ باتوں میں مشغول تھا۔

''ویری گڈ لکنگ یار۔'' ''Very good looking yar'' مریا نے ہلکی سی سیٹی کے ساتھ آئزہ کی بات کی تائید کی۔ مریم نے اپنے دل میں اعتراف کیا ان دونوں کی تعریف بے جا نہیں تھی۔ وہ شخص واقعی بہت ہینڈسم تھا۔

این سی اے میں وہ روز ایسے بہت سے چہرے اور لوگ دیکھتی تھی، جنہیں بار بار دیکھنے کو دل چاہتا ہے یا پھر جن پر نظر بے اختیار رک جاتی ہے مگر اس شخص میں خوبصورتی کے علاوہ وقار بھی تھا۔ اس کے کھڑے ہونے کا انداز، چہرے اور ہاتھوں کی حرکات میں عجیب سا ٹھہراؤ تھا۔

مریم نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹالیں۔ وہ ایک بار پھر اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی اسائنمنٹ دیکھنے لگی، مگر اسے احساس ہو گیا تھا کہ اب یہ کام ممکن نہیں رہا، اس کی توجہ بری طرح بٹ چکی تھی۔

''صوفیہ علی دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی ہے۔'' آئزہ درانی نے بالآخر ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''کیوں؟ یہ اچانک اس کی خوش قسمتی کا انکشاف کیسے ہوا تم پر؟'' مریا نے ایک بار پھر چپس کھانے شروع کر دیے۔

''اگر کالج میں بیس اچھے چہرے ہوں اور ان میں سے انیس صوفیہ کے دیوانے ہوں تو یقیناً اسے خوش قسمتی کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔''

آئزہ درانی نے چپس کے پیکٹ میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا ''اور اس سے بھی دردناک بات یہ ہے کہ اس کالج میں آنے والا ہر ہینڈسم شخص کسی نہ کسی حوالے سے صوفیہ سے منسلک ہوتا ہے۔ اب اسی شخص کو دیکھ لو تم، میں نے آج پہلی بار اسے دیکھا ہے اور وہ بھی صوفیہ کے ساتھ...... ماننا پڑے گا یار صوفیہ میں کوئی ایسی بات ہے جس نے اسے ہیلن آف ٹرائے بنایا ہوا ہے۔ کالج بھرا ہوا ہے خوبصورت لڑکیوں سے مگر صوفیہ، صوفیہ ہے۔ اگر کالج میں بیوٹی کونٹیسٹ ہو تو مجھے یقین ہے کہ ٹائٹل صوفیہ ہی جیتے گی۔''

آئزہ درانی بڑے کھلے دل سے صوفیہ کی تعریف کر رہی تھی۔ مریم کے لیے اسائنمنٹ کو دیکھنا اور بھی مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ ''ابھی بھی دیکھو کس قدر مشکل ہے اس بندے کے لیے صوفیہ کے چہرے سے نظر ہٹانا۔''

آئزہ ایک بار پھر کہہ رہی تھی۔ مریم نے سر اٹھا کر ان لوگوں کی طرف دیکھا۔ وہ شخص صوفیہ پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ وہ واقعی کسی اور چیز کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

''ویسے مجھے لگ رہا ہے میں نے اس شخص کو پہلے کہیں دیکھا ہے مگر کہاں؟'' آئزہ نے اچانک کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''کمال ہے تمہیں بھی یہی لگ رہا ہے۔ مجھے بھی یہی محسوس ہوا تھا جیسے میں اس شخص کو پہلے کہیں دیکھ چکی ہوں۔'' مریا نے کہا۔

''کیوں مریم تمہیں بھی ایسا نہیں لگ رہا جیسے تم اس شخص کو پہلے دیکھ چکی ہو؟'' اس بار آئزہ نے مریم کو مخاطب کیا، وہ تینوں کالج کے کوریڈور کی سیڑھیوں میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

''پتا نہیں۔'' اس نے مختصر جواب دیا اور ایک بار پھر اپنی توجہ اسائنمنٹ پر کر لی۔

''میرا خیال ہے وہ جا رہا ہے۔'' آئزہ نے کنٹری کی وہ شخص اب صوفیہ سے ہاتھ ملا رہا تھا۔ پھر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ان کے بالکل سامنے سے گزرا، اس کے بائیں ہاتھ میں ایک موبائل تھا جس پر وہ چلتے ہوئے کوئی نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

ان کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے ان لوگوں کی طرف ایک سرسری نظر ڈالنے کی بھی زحمت نہیں کی۔ اسے پاس سے دیکھنے پر مریم کو یک دم احساس ہوا جیسے وہ بھی اسے پہلے کہیں دیکھ چکی ہے۔

''یار! یہ بندہ دور سے جتنا خوبصورت نظر آ رہا تھا پاس سے اس سے زیادہ خوبصورت ہے۔'' آئزہ درانی نے دور جاتے ہوئے اس شخص کی پشت پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''ہیلو صوفیہ......!'' مریا نے یک دم صوفیہ کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ اور نائلہ مسکراتی ہوئی ان کی طرف آنے لگیں۔

''میں صوفیہ سے اس کے بارے میں پوچھتی ہوں۔'' مریا نے آئزہ سے کہا۔

''یہ کون تھا یار......؟'' اس کے قریب آتے ہی آئزہ نے سوال داغا۔

''یہ...... یہ ذالعید اواب ہے میرا کزن ہے۔'' صوفیہ نے کچھ فخریہ انداز میں تعارف کروایا۔

''صرف کزن یا کچھ اور بھی......؟'' وہ آئزہ کی بات پر بے اختیار دلکش انداز میں ہنسی۔

''ابھی تو کزن ہے ''اور'' کا پتا نہیں۔''

''یعنی چانسز ہیں؟'' آئزہ مکمل تحقیق کے موڈ میں تھی۔

''چانسز تو ہمیشہ ہی ہوتے ہیں۔'' صوفیہ نے بڑے اسٹائل میں کہا۔

''اس کو پہلے یہاں کبھی نہیں دیکھا۔'' مریا نے پوچھا۔

''نہیں کچھ سال پہلے اس نے یہاں ایڈمشن لیا تھا پھر چند ماہ بعد این سی اے چھوڑ کر کراچی چلا گیا۔ وہاں انڈس ویلی سے اس نے گریجویشن ٹیکسٹائل ڈیزائننگ میں کیا۔ ایک ڈیڑھ سال سے انکل کی ٹیکسٹائل فیکٹری چلا رہا ہے۔'' صوفیہ نے تفصیلی تعارف کروایا۔

''ہمیں دراصل یہ لگ رہا تھا کہ اسے کہیں دیکھا ہے۔'' مریا نے وضاحت کی۔

''ضرور دیکھا ہوگا۔ کبھی کبھار ماڈلنگ کرتا ہے۔ دو تین سال پہلے تو اچھی خاصی ماڈلنگ کی تھی اس نے، اب جب سے بزنس کر رہا ہے تب سے چھوڑ دی ہے۔'' صوفیہ نے کہا۔

''ہاں ٹھیک ہے اس کو کسی میگزین میں دیکھا ہوگا۔ ہم لوگ یہی سوچ رہے تھے کہ اس کا چہرہ ہمیں اتنا شناسا کیوں لگ رہا ہے۔'' آئزہ کو جیسے اطمینان ہوا۔

''ابھی بھی ایک فیشن شو کروا رہا ہے، اپنے آپ کو انٹروڈیوس کروانے کے لیے۔ یہاں این سی اے میں آتا جاتا رہے گا، کچھ سٹوڈنٹس کی ضرورت ہے اسے جو اس سلسلے میں اس کے ساتھ کام کر سکیں۔ ایک پروجیکٹ ہے جو وہ کروانا چاہ رہا ہے، تم لوگوں کو اگر دلچسپی ہو تو میں ملوا سکتی ہوں اس سے۔'' صوفیہ نے آفر کی۔

آئزہ اور مریا ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

''کس طرح کا پرجیکٹ ہے؟'' آئزہ نے پوچھا۔

''یہ مجھے نہیں پتہ، میں نے اس بارے میں بات نہیں کی۔ تم لوگ تفصیلات خود پوچھ سکتی ہو۔''

''ٹھیک ہے، ہم واقعی کام کرنا چاہیں گے۔'' آئزہ ایک دم پرجوش ہوگئی۔

''تو پھر اس کا کانٹیکٹ نمبر لکھ لو۔'' صوفیہ نے اس کا کانٹیکٹ نمبر لکھواتے ہوئے کہا۔ آئزہ اور مریا نے اپنے بیگز سے ڈائری نکال لی جبکہ

مریم اس ساری گفتگو کے دوران سر نیچا کیے اسی اسائنمنٹ پر جھکی رہی۔ وہ واضح طور پر صوفیہ کو نظر انداز کر رہی تھی اور صوفیہ نے بھی یہی کیا تھا۔

''یہ اس کے گھر کا نمبر ہے۔ رات کو دس بجے کے بعد وہ اس نمبر پر مل سکتا ہے اور یہ اس کا موبائل نمبر ہے۔'' صوفیہ نے بڑی روانی سے دونوں نمبر زبانی دہرائے۔

''تم لوگ میرا ریفرنس دے کر اس سے بات کر سکتی ہو، میں اس کو تم لوگوں کے بارے میں بریف کر دوں گی۔ مجھے تھوڑا کام ہے، میں اب جا رہی ہوں۔'' صوفیہ نائلہ کے ساتھ چلی گئی۔

''مریم! تم نے نمبر نوٹ کر لیا؟'' آئزہ کو اچانک مریم کا خیال آیا۔

''نہیں۔''

''کیوں تمہیں تو ایسے پروجیکٹس میں خاصی دلچسپی ہوتی ہے اور تمہاری شہرت تو ایسے پروجیکٹس کے حوالے سے خاصی اچھی ہے۔'' آئزہ کو تعجب ہوا۔

''ہاں، مگر صوفیہ کے ریفرنس سے مجھے کسی سے کام نہیں لینا۔'' اس نے قطعی لہجے میں کہا۔

''کیا ہے یار! کلاس فیلو ہے۔ ایسے ریفرنس تو چلتے ہی ہیں یہاں پر۔'' مریم کچھ کہنے کی بجائے اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔ آئزہ اور مریا نے دوبارہ اس سے کانٹیکٹ نمبر کا ذکر نہیں کیا۔

چوتھا باب

اس شام وہ سٹور سے فارغ ہو کر گھر جانے کے بجائے کافی اور برگر لے کر اس چھوٹے سے گراؤنڈ میں چلی گئی، جو راستہ میں آتا تھا۔ گراؤنڈ میں اس وقت کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ وہ کچھ دیر کھڑی انھیں دیکھتی رہی پھر گراؤنڈ کے گرد بنی سیڑھیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔ بچوں کو کرکٹ کھیلتے دیکھتے ہوئے وہ مکمل طور پر برگر کھانے میں مگن تھی جب ایک آواز نے اسے چونکا دیا۔

"Hello! Are you Asian?" (''کیا آپ ایشیائی ہیں؟'') کیتھرین نے سر اٹھا کر اس شخص کو دیکھا۔ وہ ایک دراز قد نوجوان تھا۔ اپنے سفید رنگ اور نقش و نگار سے وہ مقامی لگتا تھا مگر اس کے منہ سے نکلنے والے ایک جملے سے ہی کیتھرین کو اندازہ ہو گیا کہ وہ مقامی نہیں ہے۔ وہ اپنی آنکھوں میں تجسس لیے ہوئے اس کے جواب کا منتظر تھا۔ کیتھرین کے لیے اس کا سوال نیا نہیں تھا۔ اس کی رنگت گندمی تھی اور آنکھیں ڈارک براؤن اور یہ دونوں چیزیں اس نے اپنے باپ سے لی تھیں۔ پہلی نظر میں ہر کوئی اسے دیکھ کر یہی سوال کرتا تھا مگر اس کے سنہرے بال اور تیکھے مغربی نقوش دوسری نظر میں ہر ایک کو کنفیوز کر دیتے تھے۔

''نہیں، میں ایشیائی نہیں ہوں۔'' اس نے بے تاثر چہرے اور لہجے میں اس سے کہا۔

''سوری مجھے لگا شاید آپ ایشیائی ہیں۔'' وہ اب معذرت کر رہا تھا۔ کیتھرین اندازہ نہیں کر سکی کہ اس کا چہرہ سردی کی وجہ سے سرخ ہوا تھا یا پھر خفت سے۔ وہ شخص اب واپس کچھ دور سیڑھیوں پر ایک بیگ کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ کیتھرین کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر پتا نہیں اس کے دل میں کیا آیا وہ اٹھ کر اس شخص کے پاس چلی گئی۔

''آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟'' وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''کیونکہ میں ایشیائی ہوں۔'' مقامی لہجہ نہ ہونے کے باوجود وہ شخص بڑی شستہ انگلش بول رہا تھا۔

''حالانکہ آپ ایشیائی نہیں لگتے۔'' وہ جواب میں صرف مسکرایا۔

''ایشیا میں کس ملک سے تعلق ہے آپ کا؟'' کیتھرین نے کافی کے سپ لیتے ہوئے پوچھا۔

''پاکستان سے۔'' ہونٹوں کے پاس کافی کا کپ لے جاتے ہوئے چند لمحوں کے لیے اس کا ہاتھ ساکت ہوا اور پھر اس نے کافی کا ایک بڑا گھونٹ لیا۔ سامنے کھڑے ہوئے شخص سے اس کی یہ حرکت چھپی نہیں رہی۔

''اوہ!'' کیتھرین کا لہجہ یک دم بہت سرد ہو گیا۔

''آپ میرے ملک کو جانتی ہیں؟'' اس شخص نے بہت اشتیاق سے پوچھا۔

''بہت اچھی طرح۔'' وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی، اس شخص پر نظریں جمائے اس نے کافی کا آخری گھونٹ لیا برق رفتاری کے ساتھ ایک قدم آگے بڑھ کر اس شخص کے منہ پر تھوکا، اسے گالی دی اور پھر اس شخص کی طرف سے کسی متوقع ردعمل کے خدشے سے بجلی کی تیزی سے پلٹ کر بھاگی اور یہیں اس سے غلطی ہوگئی۔

سیڑھیوں کی چوڑائی کے بارے میں اس کا اندازہ ٹھیک نہیں نکلا اور پلٹ کر رکھا جانے والا وہ قدم جو اسی سیڑھی پر پڑنا چاہیے تھا جہاں وہ اس شخص کے ساتھ کھڑی تھی، وہ اس سیڑھی کے کنارے پر پڑا اور وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے اس سیڑھی سے نیچے گری، اور صرف وہیں سے نہیں سنبھلنے کی کوشش کرنے کے باوجود وہ اگلی تین سیڑھیوں سے بھی اسی طرح لڑھکتے ہوئے نیچے پہنچی اور وہ شخص جو اس کی اس حرکت پر ہکابکا رہ گیا تھا اسے نیچے گرتے دیکھ کر بے اختیار جیکٹ کے بازو سے اپنے گال کو صاف کرتے ہوئے اس کی طرف لپکا مگر جب تک وہ اس تک پہنچا، وہ سیڑھیوں سے نیچے پہنچ چکی تھی اور اب اوندھے منہ فرش پر پڑی ہوئی تھی۔

''آپ ٹھیک ہیں؟'' وہ اس کے سر کے پاس پنجوں کے بل بیٹھا تشویش بھری آواز میں پوچھ رہا تھا۔ کیتھرین کو اچھی خاصی چوٹیں لگی تھیں۔ مگر اس وقت چوٹوں سے زیادہ اسے اس شخص کے سامنے اس طرح گرنے کی شرمندگی تھی۔ اس نے اپنے سر کے گرد بازو لپیٹ لیے۔ اب اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے یہ حرکت کیوں کی، زندگی میں پہلی بار اس نے کسی شخص پر تھوکا تھا اور اب وہ اس کے سامنے......شاید وہ کبھی اس شخص پر اس طرح نہ تھوکتی اگر وہ اتنی ڈپریس نہ ہوتی جتنی ان دنوں تھی۔

''آپ ٹھیک ہیں؟'' وہ اب اس کے بازو کو ہلاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ اسے اٹھتے نہ دیکھ کر اس شخص کی تشویش بڑھ گئی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' کیتھرین نے بالآخر کہا۔ وہ جانتی تھی اب اسے اٹھنا تھا......اس وقت دنیا کا سب سے مشکل کام مگر وہ ساری عمر وہاں لیٹی تو نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ بھی اس صورت میں جب وہ شخص مسلسل اس کا بازو سہلا رہا تھا۔ اپنے چہرے کے تاثرات کو بہت نارمل رکھتے ہوئے وہ گھٹنوں، بازوؤں اور ریڑھ کی ہڈی میں اٹھنے والی تمام ٹیسوں کو نظرانداز کرتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ مگر اتنی حرکت سے ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کسی کی مدد کے بغیر اٹھ کر کھڑی نہیں ہو سکے گی اور وہ کسی کی مدد لینا نہیں چاہتی تھی۔ کم از کم اس شخص کی نہیں جو اب پنجوں کے بل اس کے بالکل بالمقابل بیٹھا اس کے چہرے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

اس کی کہنیاں بری طرح چھل گئی تھیں اور سفید شرٹ پر خون کے دھبے بہت واضح نظر آنے لگے تھے۔ بیٹھنے کے بعد کیتھرین نے اس شخص کو مکمل طور پر نظرانداز کرتے ہوئے اپنی کہنیاں موڑ کر زخموں کا جائزہ لیا۔ اس شخص نے اپنی جیکٹ کی جیب سے ایک رومال نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

''نو تھینک یو، مجھے ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے اس شخص کی طرف دیکھے بغیر اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

ٹراؤزر کی جیب ٹٹول کر اس نے اپنا رومال نکالا اور کہنیاں صاف کرنے لگی۔ وہ شخص اسی طرح بیٹھا ساری کارروائی دیکھتا رہا۔ کیتھرین نے رومال سے کہنیوں کو صاف کرتے ہوئے یوں لاپروائی کا اظہار کیا جیسے اسے کوئی زیادہ تکلیف نہیں پہنچی اور وہ خراشیں بہت معمولی تھیں مگر وہ شخص اس کے چہرے کے تاثرات کو مکمل طور پر نظرانداز کیے اس کی کہنیوں کو خاصی تشویش کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔

''میری مدد کی ضرورت ہے آپ کو؟'' وہ اب سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

''نو تھینک یو۔'' کیتھرین نے ایک بار پھر اس کے چہرے کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ وہ شخص اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور کیتھرین نے دل ہی دل میں اطمینان کا سانس لیا۔ وہ واقعی چاہتی تھی کہ وہ اس کے سامنے سے ہٹ جائے تاکہ وہ اٹھنے کی کوشش کرے۔ اسے اپنی کمر کے نچلے حصے میں شدید درد محسوس ہو رہا تھا، اور اپنے چہرے کے تاثرات کو نارمل رکھنا اب اس کے لیے بہت مشکل ہو گیا تھا۔

وہ شخص اٹھنے کے بعد وہاں سے جانے کے بجائے وہیں کھڑا رہا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے اپنا ہاتھ کیتھرین کی طرف بڑھایا یقیناً وہ اٹھنے میں اس کی مدد کرنا چاہتا تھا، مگر کیتھرین نے بڑے اعتماد کے ساتھ اس کی آفر رد کر دی۔

''میں خود اٹھ سکتی ہوں، آپ جائیں۔'' وہ شخص چند قدم پیچھے ہٹا اور پھر دوبارہ سیڑھیوں پر چڑھ گیا۔ کیتھرین اب اسے نہیں دیکھ سکتی تھی، مگر اسے اندازہ تھا کہ وہ پیچھے سیڑھیوں پر اپنی جگہ بیٹھا اسے ہی دیکھ رہا ہو گا۔

کیتھرین نے پیچھے مڑے بغیر ایک ہاتھ سے اپنے پیچھے موجود سیڑھی کا سہارا لیا اور اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر وہ کھڑی نہیں ہو سکی۔ ریڑھ کی ہڈی میں اٹھنے والی درد کی ایک تیز لہر نے اسے اسی سیڑھی پر بیٹھنے پر مجبور کر دیا اس نے بے اختیار اپنے ہونٹوں کو دانتوں میں دباتے ہوئے منہ سے نکلنے والی چیز کو روکا۔ وہ شخص تیز قدموں کے ساتھ سیڑھیاں پھلانگتا ہوا ایک بار پھر اس کے سامنے کھڑا تھا اور اس بار کیتھرین کے چہرے کے تاثرات سے اسے اس کی تکلیف کا اندازہ ہو گیا۔

''زیادہ چوٹ لگی ہے؟'' وہ ایک بار پھر پوچھ رہا تھا۔ اس بار کیتھرین اپنی بے بسی کو نہیں چھپا سکی۔

''میری کمر اور دائیں گھٹنے میں بہت درد ہو رہا ہے۔'' اس نے چہرہ اوپر کیے بہتے آنسوؤں کے ساتھ اسے بتایا۔ چند منٹوں پہلے کا اعتماد اب بھک سے اڑ گیا تھا۔ اسے خوف محسوس ہو رہا تھا کہ اگر چوٹیں واقعی شدید ہوئیں تو کیا ہو گا۔ وہ لمبے چوڑے علاج کی استطاعت رکھتی تھی نہ ہی گھر پر طویل قیام کی۔ وہ شخص اب کچھ پریشان نظر آنے لگا۔

''آپ میرا ہاتھ پکڑ کر کھڑا ہونے کی کوشش کریں۔'' اس نے اپنا ہاتھ کیتھرین کی طرف بڑھایا۔

''میں نہیں کر پاؤں گی۔''

''آپ کوشش تو کریں۔'' اس شخص نے اصرار کرتے ہوئے کیتھرین کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ کیتھرین نے ہاتھ کے بجائے اس کی کلائی پکڑ لی اور اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ درد کی ایک اور ٹیس اس کی کمر میں اٹھی۔ لیکن اسے خوشی ہوئی کہ وہ کھڑی ہونے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اس شخص نے ایک گہرا سانس لیا۔

''اس کا مطلب ہے کم از کم آپ کھڑی ہو سکتی ہیں۔ اب آپ جھک کر اپنے پاؤں کی انگلیوں کو ہاتھ لگائیں۔''

''کیوں؟'' وہ حیران ہوئی کھڑا ہونے کے بعد اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس کے دائیں گھٹنے میں کمر سے زیادہ تکلیف ہے یہ وہ گھٹنا تھا جس پر وہ اپنے پورے وزن سمیت گری تھی۔

''یہ تو پتا چلے کہ ریڑھ کی ہڈی ٹھیک ہے یا نہیں۔''

وہ شخص بڑی سنجیدگی کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

کیتھرین نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا آہستہ آہستہ جھک کر اس نے اپنے پاؤں کی انگلیوں کو چھوا اور پھر اسی طرح سیدھی ہو گئی۔ تھوڑا بہت درد محسوس ہونے کے باوجود اس نے با آسانی انگلیوں کو چھو لیا تھا۔ اس کے سیدھا ہوتے ہی اس شخص نے پوچھا۔

''بہت زیادہ درد ہو رہا ہے؟''

''نہیں۔ بہت زیادہ نہیں۔'' کیتھرین نے اپنے دائیں پاؤں کی صرف انگلیاں زمین پر ٹکائی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنا سارا بوجھ بائیں ٹانگ پر منتقل کر رکھا تھا۔ اس شخص نے اس کا جواب سننے کے بعد اپنا بیگ دائیں کندھے پر منتقل کیا اور اپنا بازو اس کی طرف بڑھا دیا۔

''یہاں سے باہر نکلتے ہی ٹیکسی مل جائے گی، میں آپ کو ہاسپٹل لے جاتا ہوں۔ ڈاکٹر چیک اپ کر لے گا۔'' کیتھرین نہ ہاسپٹل جانا چاہتی تھی اور نہ ہی ٹیکسی کے کرائے پر پیسے خرچ کرنا چاہتی تھی۔ اس کے بازو کا سہارا لے کر چلتے ہوئے اس نے کہا۔

''میں گھر جاؤں گی، میں اب ٹھیک ہوں۔'' وہ شخص خاموش رہا مگر گراؤنڈ سے باہر آتے ہی اس نے سڑک سے گزرتی ہوئی ایک ٹیکسی کو روک لیا۔ کیتھرین کے انکار کے باوجود اس نے زبردستی اسے ٹیکسی میں بٹھا دیا۔

''میں نہیں جانتا۔ آپ اس طرح ضد کیوں کر رہی ہیں؟ آپ کو تفصیلی معائنے کی ضرورت ہے اور شاید ایکسرے کی بھی، مگر آپ ہاسپٹل جانے کے بجائے گھر جانا چاہ رہی ہیں۔''

کیتھرین نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا، اب جب وہ ٹیکسی میں بیٹھ ہی چکی تھی تو اتنی لمبی چوڑی بحث کا کیا فائدہ ہوتا۔

خوش قسمتی سے اس کے جسم میں کہیں بھی کوئی فریکچر نہیں تھا۔ ہاسپٹل سے فارغ ہونے کے بعد وہ ایک بار پھر باہر آ گئے۔ کیتھرین کی شرمندگی اب اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔

''اب میں خود چلی جاؤں گی۔'' اس نے باہر سڑک پر آتے ہی اس سے کہا۔ اس شخص نے اس کے علاقے کے بارے میں پوچھا اور پھر کہا۔

''میں آپ کو ٹیکسی لے دیتا ہوں۔'' اور ایک بار پھر کیتھرین کے انکار کے باوجود اس نے ایک ٹیکسی روک لی۔ کیتھرین جب ٹیکسی میں سوار ہو گئی تو اس نے ڈرائیور کو اس کا پتہ بتاتے ہوئے اپنے والٹ سے چند پاؤنڈز نکال کر اسے تھما دیے۔ کیتھرین نے کچھ کہنا چاہا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کرایہ آپ دیں یا میں۔ اپنا خیال رکھیں۔''

''میں اپنی اس بدتمیزی پر شرمندہ۔'' اس شخص نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی۔

''اس کے بارے میں آپ سے تفصیلی بات ہو گی جب ہم دوبارہ ملیں گے۔ ایک جملے میں نہ آپ اس کی وضاحت پیش کر سکیں گی نہ ہی میں ایک جملے کی معذرت قبول کروں گا۔'' وہ کہتا ہوا کھڑکی سے ہٹ گیا۔ کیتھرین نے حیرانی سے چلتی ہوئی ٹیکسی سے اس شخص کو فٹ پاتھ پر کھڑے دیکھا۔

"اگر اس نے اسے معاف نہیں کیا تھا تو ان ساری عنایات کا کیا مطلب تھا اور اسے یہ یقین کیوں تھا کہ وہ دونوں دوبارہ ملیں گے جبکہ وہ میرا جو نام اور پتا جانتا ہے وہ دونوں غلط ہیں۔"

ہاسپٹل میں اس نے اپنا نام اور پتہ لکھوایا تھا اور اس نے جانتے بوجھتے دونوں باتیں غلط لکھوائی تھیں۔ اس وقت بھی ٹیکسی اسے جہاں لے جا رہی تھی وہ اس کے گھر سے کچھ فاصلے پر موجود دوسری اسٹریٹ تھی۔

اس نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ شخص بہت عجیب تھا اور وہ دوبارہ اس سے ملنا نہیں چاہتی تھی۔

اگلے چند دن وہ گھر پر رہی، جب اس کی چوٹیں کچھ مندمل ہونا شروع ہو گئیں تو وہ ایک بار پھر سٹور جانے لگی۔ کوشش کے باوجود وہ اس شخص کو اپنے ذہن سے نہیں نکال سکی۔

بہت دفعہ اس گراؤنڈ کے سامنے سے گزرتے ہوئے اسے اس شخص کا خیال آتا اور وہ تیزی سے وہاں سے گزر جاتی۔ لیکن ایک دن وہاں سے گزرنے کے بجائے وہ اندر چلی گئی۔ گراؤنڈ میں ہمیشہ کی طرح اکا دکا لوگ مختلف قسم کے کھیلوں میں مصروف تھے اور سیڑھیاں ویران تھیں۔ وہ ایک سیڑھی پر بیٹھ گئی۔ ہاتھ میں پکڑی ہوئی کافی پیتے ہوئے وہ سامنے گراؤنڈ میں چند نوجوانوں کو کرکٹ کھیلتے دیکھنے لگی۔ وہ ان کا کھیل دیکھتے ہوئے خاصی محو ہو گئی اور اس کی وہ محویت اس وقت ختم ہوئی جب نچلی سیڑھی پر ایک شخص یک دم اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

❁

پانچواں باب

سیڑھیوں میں موجود تاریکی آہستہ آہستہ ختم ہونے لگی۔ سیڑھیوں کی گھٹن اور گرمی ختم ہو چکی تھی۔ اس نے اپنے ارد گرد نمودار ہونے والی دھندلی روشنی میں اپنے پیروں کے نیچے موجود سیڑھیوں کو دیکھنے کی کوشش کی۔ اسی دھندلی روشنی میں وہ آخری سیڑھی پر پہنچ گئی۔

❀

ذالعید انڈس ویلی کا گریجویٹ تھا۔ اس کے والد نے دو شادیاں کی تھیں۔ ان کی پہلی بیوی ایک انگریز عورت تھی۔ شادی کے چھ عرصے کے بعد انھوں نے اس عورت کو طلاق دے دی اور ذالعید کو لے کر پاکستان آ گئے۔ پاکستان آ کر انھوں نے نزہت سے دوسری شادی کی۔ نزہت ان کے ایک دوست کی بہن تھی۔

ذالعید شروع کا کچھ عرصہ اپنے دودھیال میں رہا بعد میں بورڈنگ چلا گیا۔ جب وہاں سے فارغ ہوا تو اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لیے کراچی چلا گیا۔ اس کے والد چاہتے تھے کہ وہ بزنس ایڈمنسٹریشن میں تعلیم حاصل کرے مگر ذالعید کو شروع سے ہی آرٹ میں دلچسپی تھی۔ اس کے والد نے کچھ اعتراضات کیے مگر اس کے اصرار پر انھوں نے اسے اجازت دے دی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد اس نے اپنے والد کی ایک ٹیکسٹائل فیکٹری سنبھالنی تھی اور اس نے ان ہی دونوں چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے انڈس ویلی سے ٹیکسٹائل ڈیزائننگ میں گریجویشن کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد اس کے والد نے اسے باقاعدہ طور پر وہ فیکٹری دے دی جسے وہ کچھ عرصہ سے اسے دینے کا کہہ رہے تھے۔ اب وہ اس فیکٹری میں اپنی مرضی کی تبدیلیاں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔

نزہت روایتی سوتیلی ماں ثابت نہیں ہوئی شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اسے ذالعید یا اپنے شوہر کی سابقہ بیوی سے کسی چیلنج کا سامنا نہیں کرنا پڑا نہ ہی ذالعید کی پرورش کرنی پڑی۔ وہ صرف چھٹیوں میں گھر آیا کرتا تھا اور نزہت وہ چند ہفتے بڑے اچھے طریقے سے اس کی دیکھ بھال کیا کرتی۔ اس نے ویسے بھی نزہت یا اپنے دوسرے بہن بھائیوں کے لیے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کیا۔ وہ فطرتاً خاموش طبع تھا اور دوسروں کا احترام کیا کرتا تھا۔ نزہت کو جائیداد کی تقسیم کے معاملہ میں بھی اس کا بڑا بیٹا ہونے کا کوئی خوف نہیں تھا۔ اس کے شوہر نے کئی سال پہلے ہی نزہت کی رضامندی سے اپنی جائیداد کی تقسیم کر دی تھی۔ ذالعید کو ایک فیکٹری کچھ زمین اور دو پلاٹ دیے گئے تھے، ان میں سے ایک پلاٹ ان کے گھر سے کچھ فاصلے پر تھا۔ ذالعید جب کراچی میں اپنی تعلیم مکمل کر رہا تھا تو اس کے والد نے اس کی مرضی سے اس پلاٹ پر گھر تعمیر کروا دیا۔

لاہور واپس آنے کے بعد وہ اپنے والد اور نزہت کے ساتھ رہنے کے بجائے اپنے گھر میں شفٹ ہو گیا۔ اگرچہ ان دونوں نے اس سے کہا تھا کہ وہ شادی ہونے تک ان کے ساتھ ہی رہے، مگر ذالعید نے معذرت کر لی تھی۔ وہ ہمیشہ سے اکیلے رہنے کا عادی تھا۔ اب یک دم ایک بھرے

پرے گھر میں نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کے والد نے کوشش کی تھی کہ اگر وہ شفٹ کرنا چاہتا ہے تو پھر شادی بھی کر لے۔ انھوں نے اس مقصد کے لیے اس سے اپنے خاندان کے علاوہ اپنے ملنے والوں کی بھی بہت سی بیٹیوں کا ذکر کیا تھا۔ مگر ذالعید ابھی فوری طور پر شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ فیکٹری میں تبدیلیاں کرنے کے علاوہ اپنے بزنس کو اور پھیلانا چاہتا تھا اور اس کا خیال تھا شادی اس کام کے لیے بڑی رکاوٹ ثابت ہوگی۔ اس لیے ان دونوں کے اصرار کے باوجود وہ شادی پر تیار نہیں ہوا مگر اس نے صوفیہ میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔

صوفیہ نزہت کی بڑی بہن کی بیٹی تھی۔ وہ بے حد خوبصورت تھی۔ ذالعید سے اس کی زیادہ جان پہچان ان دنوں ہوئی جب انھوں نے کراچی کے ایک فیشن میگزین کے لیے اکٹھے ایک فیشن شوٹ کروایا۔ وہ ذالعید سے زیادہ نامور اور اچھی ماڈل تھی اور اگرچہ ذالعید مختلف فنکشنز میں اس سے ملتا رہتا تھا مگر ان کے درمیان زیادہ بے تکلفی اسی فیشن شو کے دوران پیدا ہوئی۔

ذالعید نے ماڈلنگ ایک ہابی کے طور پر شروع کی تھی۔ انڈس ویلی میں اس کے ایک کلاس فیلو نے اسے ماڈلنگ کی آفر کی جس کا بھائی ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی چلا رہا تھا۔ ذالعید کو یہ آفر خاصی دلچسپ لگی وہ ان دنوں اپنے امتحانات سے فارغ ہو چکا تھا۔ اس لیے اس نے خاصی خوش دلی سے یہ آفر قبول کر لی۔

اس نے بہت سے میگزینز کے لیے ماڈلنگ کی، مگر پھر آہستہ آہستہ اسے احساس ہوتا گیا کہ یہ کام بہت زیادہ وقت مانگتا تھا جبکہ فائدہ کچھ نہیں تھا خاص طور پر میل ماڈلز کے لیے۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد وہ ایک بار پھر اپنی تعلیم میں مصروف ہو گیا اور ماڈلنگ اس کی ترجیحات کی فہرست سے غائب ہو گئی۔

مگر صوفیہ سے ان دنوں ہونے والی دوستی نہ صرف قائم رہی بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہوتا گیا۔ ان دونوں کی بہت سی دلچسپیاں ایک جیسی تھی۔ وہ بھی ذالعید کی طرح این سی اے سے گریجویشن کر رہی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ ماڈلنگ میں بھی اپنا نام بنا چکی تھی۔

شادی کے لیے ذالعید کے سامنے رکھے جانے والے ناموں میں سے ایک نام صوفیہ کا بھی تھا اور اس نام نے ذالعید کی اس میں دلچسپی کو ایک نیا رخ دے دیا تھا۔ وہ اس کی خوبصورتی اور ٹیلنٹ سے پہلے ہی متاثر تھا۔ وہ ایک خوش مزاج اور خوش گفتار لڑکی تھی اور ذالعید کا یہ بھی خیال تھا کہ ان دونوں کی آپس میں اچھی انڈرسٹینڈنگ تھی۔ اس نے صوفیہ کے لیے بھی شادی کی ہامی تو نہیں بھری مگر نزہت سے یہ ضرور کہا کہ چند سال بعد جب وہ شادی کرے گا تو صوفیہ کے بارے میں غور کرے گا۔ باقی لڑکیوں کے بارے میں اس نے انھیں انکار کر دیا۔ نزہت نے یقیناً یہ بات اپنی بہن تک پہنچا دی تھی اور ان کے اطمینان کے لیے یہ کافی تھا۔

خود صوفیہ بھی ذالعید میں بڑی حد تک انٹرسٹڈ تھی۔ اس میں وہ تمام خوبیاں تھیں جو شادی کے لیے کسی بھی مرد میں دیکھی جاتی ہیں۔ نزہت اس سے اور اس کی فیملی کے سامنے اکثر ذالعید کی خود بھی تعریف کیا کرتی تھیں۔

اس دن وہ اپنی ایک پینٹنگ مکمل کرنے میں مصروف تھی جب اسے پیغام ملا کہ پروفیسر عباس اسے اپنے آفس میں بلا رہے تھے۔

وہ تقریباً دس منٹ بعد جب پروفیسر عباس کے آفس میں داخل ہوئی تو وہ جس شخص کے ساتھ باتیں کر رہے تھے اسے دیکھ کر چند لمحوں کے لیے اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی۔

''آیئے مریم! بیٹھئے۔'' پروفیسر عباس نے اس کے اندر آتے ہی کہا۔

''ذالعید یہ مریم ہیں۔ ٹیکسٹائل ڈیزائننگ ان کا بنیادی شعبہ نہیں ہے۔ مگر اس کے باوجود جو تجربہ آپ فیبرک کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں یہ آپ کی اچھی خاصی مدد کر سکتی ہیں۔ ان کے کام میں وہ نفاست ہے جو آپ اپنے ڈیزائنز میں چاہتے ہیں۔

اور مریم یہ ذالعید اوّاب ہیں۔ انڈس ویلی کے گریجویٹ ہیں، ایک ٹیکسٹائل فیکٹری چلا رہے ہیں۔ یہ اپنا فیبرک ایکسپورٹ کر رہے ہیں اور اسی سلسلے میں یہ ای پی بی کے ساتھ مل کر کچھ نمائش اور فیشن شوز کرنا چاہ رہے ہیں مگر یہ...... اپنے کلرز اور ڈیزائنز میں کچھ تجربات کرنا چاہتے ہیں۔ کیا...... یہ آپ ان سے خود پوچھ لیں۔ جہاں تک میری رائے ہے آپ ان کی مدد کر سکتی ہیں۔'' پروفیسر عباس نے ان دونوں کا تعارف کروایا۔

اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھی وہ بے حد نروس تھی۔ اس کی شخصیت واقعی بہت چھا جانے والی تھی۔ ذالعید نے پروفیسر عباس کی بات ختم ہونے کے بعد اس سے چند رسمی باتیں کیں، اور اس کے بعد وہ اپنے اصلی موضوع پر آ گیا۔ وہ بڑی تفصیل سے اسے ان آئیڈیاز کے بارے میں بتا رہا تھا جو اس کے ذہن میں تھے۔ وہ بڑی آسانی سے اس کی بات سمجھ رہی تھی۔ وہ جن چیزوں کو لفظوں کی شکل میں بتا رہا تھا وہ انھیں ذہن کے پردے پر دیکھ رہی تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ اگر یہ پروجیکٹ اسے مل گیا تو اس کے کیریئر کے لیے یہ ایک بہت اچھا Boost ثابت ہو سکتا ہے مگر اس وقت اسے حیرت ہونے لگی جب تقریباً آدھ گھنٹہ بولتے رہنے کے بعد وہ ایک دم چپ ہو گیا۔

اگر آپ میرے آفس آ جائیں تو ہم اس پر زیادہ تفصیل سے بات کر سکتے ہیں کیونکہ میں آپ کو کچھ چیزیں دکھانا چاہ رہا تھا جو یہاں میرے پاس نہیں ہیں۔''

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے ایک بار پھر کہا مگر اس بار مریم کو اس کا لہجہ بہت خشک اور سرد لگا۔

''اگر آپ کچھ پوچھنا چاہ رہی ہوں تو؟'' ذالعید نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

''اس پروجیکٹ کے لیے آپ کیا آفر کریں گے مجھے؟'' مریم کو اپنے سوال پر اس کے چہرے پر بے پناہ حیرت نظر آئی۔

''ویل! ابھی تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا یہ تو آپ کا کام دیکھنے کے بعد ہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ کو کیا آفر کرنی چاہیے۔ اگر کام وہ ہوا جو میں چاہتا ہوں تو پھر آفر وہ ہو گی جو آپ چاہیں گی، مگر یہ تو ابھی خاصی دور کی چیز ہے۔''

مریم کو اس کا لہجہ پہلے سے سرد لگا۔

''ٹھیک ہے۔ میں آپ کے آفس آ جاؤں گی۔'' وہ کچھ الجھتے ہوئے بولی۔ ذالعید نے اپنے والٹ سے ایک کارڈ نکالا اور اسکی طرف بڑھا دیا۔

''کل آ جاؤں؟''

''ٹھیک ہے۔کل آجائیں۔''

''کس وقت؟''

''کسی بھی وقت۔'' کالج کے بعد کسی وقت میں آجاؤں گی۔

''ٹھیک ہے۔'' ذالعید نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

وہ جب پروفیسر عباس کے کمرے سے نکلی تو خاصی پُرجوش تھی۔کام دلچسپ تھا اور اسے ان دنوں روپے کی خاصی ضرورت تھی۔کالج سے گھر جانے کے بعد کھانا کھائے بغیر وہ اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔وہ کل وہاں کچھ ڈیزائنز لے کر جانا چاہتی تھی اور ذالعید کے بتائے ہوئے تمام پوائنٹس اس کے ذہن میں تھے۔وہ مزید ڈسکشن سے پہلے اسے وہ ڈیزائنز دکھانا چاہتی تھی۔جو اس سے گفتگو کے دوران اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے تخیل میں دیکھے تھے۔ماما جان کے اصرار کے باوجود اس نے دوپہر اور رات کا کھانا نہیں کھایا۔کام کے دوران اس کی بھوک اسی طرح ختم ہوجاتی تھی۔ماما جان زبردستی اسے چائے کے ساتھ کچھ بسکٹ دے گئیں اور پانی کے علاوہ یہ وہ واحد چیز تھی جو اس نے سہ پہر تین بجے سے اگلی صبح چار بجے تک کھائی۔

وہ ساری رات جاگ کر کام میں مصروف رہی اور صبح چار بجے وہ اپنا کام مکمل کر کے سونے کے لیے لیٹی۔چند گھنٹے سونے کے بعد جب وہ کالج پہنچی تو بہت مطمئن تھی۔

کالج سے فارغ ہونے کے بعد وہ اس کارڈ پر دیئے گئے پتے پر پہنچ گئی۔

''میری کوئی پراپر اپائنٹمنٹ تو نہیں ہے،ان کے ساتھ لیکن انھوں نے آج کسی بھی وقت مجھے یہاں آنے کے لیے کہا تھا اور میں نے ان سے کہا تھا کہ میں دو بجے کے بعد کسی بھی وقت آجاؤں گی۔''

ریسپشنسٹ نے اس سے کارڈ لیتے ہوئے اس سے اپائنٹمنٹ کے بارے میں پوچھا تھا۔

''مگر وہ تو جاچکے ہیں۔''

''جاچکے ہیں؟'' اسے حیرانی ہوئی۔

''ہاں۔آپ کے آنے سے کچھ دیر پہلے۔''

''کہاں گئے ہیں وہ؟''

''یہ تو نہیں پتا۔''

''واپس تک آئیں گے؟''

''یہ بھی نہیں پتا بعض دفعہ واپس آتے ہیں،بعض دفعہ نہیں۔''

''انھوں نے میرے بارے میں کوئی پیغام چھوڑا ہے......؟''

''میں چیک کر لیتی ہوں۔مگر انھوں نے آپ کے بارے میں کوئی پیغام نہیں دیا این سی اے کے دو اسٹوڈنٹس صبح بھی آئے تھے۔اس

وقت وہ آفس میں ہی تھے اور ان دونوں کے بارے میں انھوں نے کل ہی مجھے پتا دیا تھا۔ آپ کے بارے میں تو کچھ نہیں کہا۔'' ریسپشنسٹ نے ایک ڈائری کے اوراق پلٹتے ہوئے کہا۔

''ہو سکتا ہے ان کے ذہن سے نکل گیا ہو۔ آپ بیٹھ جائیں، میں انھیں موبائل پر رنگ کرتی ہوں۔'' اس نے جیسے مریم کو تسلی دینے کی کوشش کی۔ مریم سامنے پڑے ہوئے صوفہ پر بیٹھ گئی۔ ریسپشنسٹ موبائل کا نمبر ملاتی رہی اور پھر اس نے مریم سے کہا۔

''موبائل آف ہے۔''

''تو پھر......؟'' مریم کو مایوسی ہوئی۔

''آپ انتظار کر لیں اگر انھوں نے آپ سے کہا ہے تو وہ آ جائیں گے۔ آج کل بہت مصروف ہیں۔ اس لیے ہو سکتا ہے۔ وہ مجھے بتانا بھول گئے ہوں۔ میں ابھی تھوڑی دیر تک دوبارہ رنگ کرتی ہوں۔'' مریم نے اس کی بات پر سر ہلا دیا۔ فیکٹری خاصی دور تھی اور اس نے سوچا کہ دوبارہ آنے سے انتظار کر لینا بہتر ہے۔

''ہاں ہو سکتا ہے۔ وہ بھول گیا ہو۔'' اس نے خود کو تسلی دی۔

اگلے تین گھنٹے وہ وہیں بیٹھی انتظار کرتی رہی مگر ذالعید نہیں آیا۔ ریسپشنسٹ وقتاً فوقتاً اس کا نمبر ڈائل کرتی رہی مگر اس کا موبائل ہنوز بند تھا۔ تین گھنٹے کے بعد جب وہ اٹھنے لگی تو ریسپشنسٹ نے ایک آخری کوشش کی اور اس بار خوش قسمتی سے موبائل آف نہیں تھا۔ وہ مریم کے بارے میں ذالعید کو بتاتی رہی پھر اس نے فون بند کر کے مریم سے کہا۔

''ذالعید صاحب کہہ رہے ہیں کہ آج وہ فیکٹری واپس نہیں آئیں گے۔ وہ مصروف ہیں۔ آپ کل آ جائیں۔'' مریم نے ایک اطمینان بھری سانس لے لی۔

''کل کتنے بجے؟''

''یہ تو انھوں نے نہیں بتایا آپ اسی وقت آ جائیں میں صبح ان کو یاد کروا دوں گی۔''

''کیا آپ مجھے ان کے گھر کا ایڈریس دے سکتی ہیں میں کل صبح ان سے وہاں مل لوں گی، کتنے بجے یہاں آتے ہیں وہ؟''

''تقریباً دس بجے...... میں آپ کو ایڈریس دے دیتی ہوں۔'' اس نے ایک کاغذ پر ایڈریس لکھ کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

❁

اگلے دن وہ صبح کالج جانے کے بجائے اس ایڈریس پر چلی گئی۔ فیکٹری بہت دور تھی۔ مریم نے سوچا تھا کہ وہ اسے ڈیزائنز دینے کے بعد اس سے باقاعدہ اپائنٹمنٹ لے گی اور پھر اس کے آفس چلی جائے گی۔ وہ نو بجے کے قریب اس کے گھر پہنچی بیل بجا کر آنے والے چوکیدار سے اس نے اپنا تعارف کروایا۔

''میں آپ کے صاحب سے ملنا چاہتی ہوں۔'' چوکیدار اسے وہیں کھڑا کر کے واپس چلا گیا۔ اس کی واپسی خاصی جلدی ہوئی۔

''صاحب بہت ناراض ہو رہے ہیں، وہ کہہ رہے ہیں اگر میں نے آپ کو آفس میں آنے کے لیے کہا ہے تو آپ آفس میں ہی آئیں۔ وہ گھر پر آپ سے نہیں ملیں گے۔''

اس کی بات پر مریم پر جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا۔ خفت سے سرخ پڑتے ہوئے چہرے کے ساتھ اس نے چوکیدار سے کہا۔

''ٹھیک ہے میں ان سے آفس میں مل لوں گی۔ آپ یہ فائل ان کو دے دیں۔'' اس نے ڈیزائنز والا فولڈر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ چوکیدار نے خاصے بگڑے تیوروں کے ساتھ فولڈر لیا اور کھٹاک سے گیٹ بند کر دیا۔

وہاں سے پیدل مین روڈ تک آتے آتے وہ مسلسل اس وقت کو کوستی رہی جب اس نے وہاں آنے کا فیصلہ کیا تھا۔

اس نے آفس بلایا تھا تو مجھے آفس ہی جانا چاہیے تھا وہ کیا سوچ رہا ہوگا کہ میں اس طرح صبح صبح اس کے گھر پہنچ گئی۔ کالج تک جاتے جاتے اس کی افسردگی اور شرمندگی اپنی انتہا کو چھونے لگی۔

دو بجے کالج سے فارغ ہونے کے بعد وہ سیدھی فیکٹری چلی گئی۔

ریسپشنسٹ اسے دیکھ کر مسکرائی۔

''ذالعید صاحب یہیں ہیں مگر اس وقت ان کی اپائنٹمنٹ ہے کسی کے ساتھ۔'' اس نے مریم کو دیکھتے ہی بتایا۔

''میری بھی ان کے ساتھ اپائنٹمنٹ ہے۔'' مریم نے کہا۔

''آپ کی اپائنٹمنٹ انھوں نے طے نہیں کی۔ میں نے انھیں آپ کے بارے میں یاد دلایا تھا۔ این سی اے کے آج بھی کچھ اور سٹوڈنٹس آئے تھے اور صبح میں نے آپ کے بارے میں بتایا تو انھوں نے کچھ نہیں کہا۔ بس یہ کہا کہ میں ان سٹوڈنٹس کے نام نوٹ کر لوں۔''

مریم کو شدید بے عزتی کا احساس ہوا وہ شخص اس کے ساتھ کیا کر رہا تھا۔

''آپ انھیں انٹرکام پر بتائیں کہ میں یہاں آئی ہوں۔''

''وہ کسی سے ملاقات کر رہے ہیں، اس وقت میں انھیں ڈسٹرب نہیں کر سکتی۔''

''پلیز، آپ انھیں میرے بارے میں بتائیں اگر وہ نہیں ملنا چاہتے تو میں خوامخواہ انتظار کرنے کے بجائے گھر جانا چاہتی ہوں۔''

ریسپشنسٹ کو اس پر ترس آ گیا۔ اس نے ریسیور اٹھانے کے بجائے سپیکر فون کا بٹن پریس کرتے ہوئے ذالعید سے رابطہ کیا۔

''سر! مس مریم آئی ہیں۔''

''ناٹ اگین۔ کیا مصیبت گلے پڑ گئی ہے۔'' اس کی جھنجلائی ہوئی آواز کمرے میں گونجی، مریم کا رنگ فق ہو گیا۔

''یار! وہ پھر آ گئی ہے، میں اس سے کام نہیں کروانا چاہتا میرا نہیں خیال کہ وہ اتنی قابل ہے اور میں اس کو فیس بھی نہیں کرنا چاہ رہا۔ اب بتاؤ کیا کروں۔'' وہ اب اندر کسی سے بات کر رہا تھا مگر اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھنے کا تکلف نہیں کیا۔ شاید اسے توقع نہیں تھی کہ اس کی باتیں باہر سنی جائیں گی۔ اس کے دوست نے اس سے کچھ کہا اور ذالعید نے ریسپشنسٹ سے کہا۔

''مس درخشاں! آپ ان سے کہیں، وہ چند دن بعد آئیں میں مصروف ہوں۔''

''یس سر۔'' درخشاں نے رابطہ ختم کرتے ہوئے کہا۔

''تھینک یو۔'' مریم نے اس کے کچھ بھی کہنے سے پہلے کہا اور ہونٹ کاٹتے ہوئے وہاں سے نکل آئی۔ اس نے زندگی میں پہلی بار اس طرح کی بے عزتی کا سامنا کیا تھا اور وہ اس وقت غم و غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔

گھر پہنچنے کے بعد اس نے اپنی ساری چیزیں بڑے زور سے کمرے میں اچھال دیں اور خود اوندھے منہ بستر پر لیٹ گئی۔

ماما جان جس وقت کمرے میں آئیں وہ اسی طرح اوندھے منہ لیٹی ہوئی تھی۔

''کیا ہوا مریم؟'' ماما جان کو تشویش ہوئی۔ انھوں نے جھکتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور وہ جیسے کرنٹ کھا کر اٹھی۔

''آپ کی وجہ سے میں ساری زندگی یونہی دھکے کھاتی رہوں گی۔ صرف آپ کی وجہ سے۔'' وہ بھیگے ہوئے چہرے کے ساتھ بلند آواز میں کہہ رہی تھی۔

''مریم ہوا کیا؟''

''کچھ نہیں ہوا؟'' وہ چلائی۔ ''آپ میرے لیے کبھی کچھ نہیں کریں گی، کبھی بھی نہیں اور آپ دیکھ لینا، میں ایک دن یہاں سے بھاگ جاؤں گی۔'' وہ ایک بار پھر اوندھے منہ لیٹ گئی۔

''تمھارے کام کا کیا ہوا؟'' انھیں اس نے اس پروجیکٹ کے بارے میں دو دن پہلے بڑے پُر جوش انداز میں بتایا تھا اور اس وقت انھیں اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کے رونے کی وجہ وہی تھی۔

''جہنم میں جائے وہ کام، یہ بورژوا کلاس خود کو کیا سمجھتی ہے ان کو بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔ لوگ ان کے پاس کام لینے نہیں بھیک لینے جاتے ہیں۔'' وہ اسی طرح اوندھے منہ لیٹی لیٹی چلائی۔

''تم جانے دو تم کو اس سے بہتر کام مل جائے گا۔'' ماما جان نے اس کے کاندھے پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''کہاں سے مل جائے گا، میرے جیسے آرٹسٹ رلتے پھرتے ہیں یہاں۔ کوئی بیک نہیں ہے میری، کوئی سفارش نہیں ہے میرے پاس۔ مجھے لگتا ہے میں Wasteland میں آ گئی ہوں۔ نام اور شہرت کمانے کے لیے وسائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ خاندان کا نام چاہیے، روپیہ چاہیے میرے پاس کیا ہے؟ اور یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔

آج میرے پاس برٹش نیشنلٹی ہوتی پھر میں دیکھتی اس کتے کو۔'' وہ ہچکیوں سے روتے ہوئے بول رہی تھی۔

''مریم! گالی نہیں دیتے۔'' ماما جان کو شاک لگا، وہ پہلی بار اس کے منہ سے گالی سن رہی تھیں۔

''کیوں نہیں دیتے؟ دیتے ہیں، آپ کے پاس نصیحتوں کے علاوہ اور ہے کیا۔ یہ نہیں کرتے، وہ نہیں کرتے۔ ماما جان! دنیا میں رہنے کے لیے سب کچھ کرنا پڑتا ہے، سب کچھ آنا چاہیے، گالیاں دینا بھی آنا چاہیے۔''

وہ کس قدر ہرٹ ہوئی تھی، ماما جان اس کا اندازہ نہیں کر سکتی تھیں۔ مگر کوئی غیر معمولی بات ضرور ہوئی تھی، جس نے اسے اس طرح رونے پر مجبور کر دیا تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ تم گالیاں دے لینا مگر ابھی تو اٹھ کر کھانا کھاؤ۔ تمھارے لیے میں نے آج کھیر بنائی ہے۔'' وہ اس کا کندھا تھپکتے ہوئے بچوں کی طرح اسے بہلانے لگیں مگر مریم بدستور روتی رہی۔
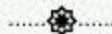
چھٹا باب

اس نے چونک کر سر اٹھایا اور ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔

''ہیلو کیسی ہیں آپ؟'' اسی مدھم اور شستہ لہجے میں وہ اس سے مخاطب تھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' ''آپ کیسے ہیں؟'' اس نے مسکرا کر جواباً کہا۔

''میں بھی ٹھیک ہوں، بیٹھ سکتا ہوں؟'' وہ سیڑھی کی طرف اشارا کرتے ہوئے بولا۔

''ہاں، کیوں نہیں۔'' اس نے خوش دلی سے کہا۔

''شکریہ۔'' وہ اس کے بالکل ساتھ بیٹھنے کے بجائے دو فٹ کے فاصلے پر بیٹھ گیا۔ کیتھرین نے کچھ حیران ہو کر اپنے اور اس کے درمیان چھوڑی جانے والی جگہ کو دیکھا۔

''آپ کی چوٹیں ٹھیک ہوگئی ہیں؟'' اس نے یک دم بات شروع کی۔

''ہاں تقریباً۔''

''میں بہت دنوں سے آپ کا انتظار کر رہا تھا۔ میرا خیال تھا آپ روز یہاں آتی ہیں مگر پچھلے دو ہفتے سے میں نے آپ کو یہاں نہیں دیکھا۔

''نہیں۔ میں روز یہاں نہیں آتی، کبھی کبھار کافی لے کر یہاں آتی ہوں۔ ایک دو گھنٹے بیٹھنے کے بعد چلی جاتی ہوں۔'' وہ مسکرایا۔

Bad guessing (غلط قیاس) اس نے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ کیتھرین کو احساس ہوا کہ اس کی آنکھیں بہت چمک دار تھیں۔ میں آپ کی خیریت دریافت کرنا چاہتا تھا لیکن آپ نے اس دن غلط نام اور ایڈریس بتایا تھا، تو ظاہر ہے یہ ممکن نہیں تھا۔'' کیتھرین کا چہرہ ایک لحظہ کے لیے سرخ ہوا۔

''آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں نے غلط نام اور ایڈریس بتایا تھا؟''

''آپ بہت وقت لے رہی تھیں، نام پتا بتانے میں۔ اصلی ہوتا تو فوراً بتا دیتیں۔''

کیتھرین نے اپنی شرمندگی چھپانے کے لیے نظر گراؤنڈ کی طرف کر لی۔

''میرا نام مظہر ہے۔ میں یہاں قانون کی تعلیم حاصل کر رہا ہوں۔ آخری سال ہے میرا۔ آپ کا نام جان سکتا ہوں، اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو؟'' اس نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

''میرا نام کیتھرین براؤن ہے۔'' کیتھرین کو اندازہ ہوا اس کے پاس تعارف کروانے کے لیے نام کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔

''پڑھتی ہیں آپ؟''

''نہیں...... میں ایک سٹور میں کام کرتی ہوں۔'' مظہر نے مزید کچھ نہیں پوچھا، کچھ دیر خاموشی رہی۔

''اس دن جو بھی ہوا وہ میں بالکل سمجھ نہیں سکی، میں نہیں جانتی میں نے ایسا کیوں کیا۔ بعد میں مجھے بہت افسوس ہوا۔'' کیتھرین نے کچھ سوچنے کے بعد بات شروع کرتے ہوئے کہا۔

''میں آپ سے ایکسکیوز کرتی ہوں، میں نے زندگی میں پہلی دفعہ ایسی حرکت کی۔''

''آپ نے واقعی بہت بری حرکت کی تھی اور میرے ساتھ بھی زندگی میں پہلی ہی دفعہ ایسا ہوا۔ آپ نے ایسا کیوں کیا اور میرے ساتھ ہی کیوں؟ میں تو بہت مہذب طریقے سے بات کر رہا تھا آپ سے اور صرف یہ کہہ دینا کہ مجھے افسوس ہے، یہ تو کافی نہیں ہے۔'' مظہر نے انتہائی صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔ وہ کپ دونوں ہاتھوں کے درمیان گھماتے ہوئے سر جھکائے بیٹھی رہی۔

''آخر اتنا غصہ کس بات پر آیا آپ کو؟'' وہ اب پوچھ رہا تھا۔

''میرا باپ پاکستانی تھا۔'' کیتھرین نے سر اٹھا کر اس سے کہا۔ ''میری پیدائش سے پہلے ہی وہ میری ماں کو چھوڑ گیا دوبارہ کبھی نہیں آیا۔''

''لیکن میرا آپ کے باپ سے کیا تعلق ہے؟''

''آپ بھی پاکستانی ہیں۔''

''سوری لیکن آپ کی لاجک میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اگر آپ کے والد آپ کو چھوڑ گئے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ آپ ہر پاکستانی پر تھوکیں اور اسے گالیاں دیں۔'' وہ دوٹوک انداز میں کسی لگی لپٹی کے بغیر کہہ رہا تھا۔ ''یہاں کا کوئی شخص بھی چھوڑ کر جا سکتا تھا آپ کی ماں کو پھر کیا آپ سڑک پر چلنے والے ہر شخص پر تھوکنا شروع کر دیں گی؟'' وہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔

ویسے بھی یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے۔ یہاں اس سوسائٹی میں اکثر بوائے فرینڈز اپنی گرل فرینڈز اور اولاد چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور بعض دفعہ شوہر بھی، پھر اس میں اتنا تلخ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟''

وہ اس کی بات کاٹ دینا چاہتی تھی۔ اسے بتانا چاہتی تھی کہ اس کے باپ کے اس طرح چلے جانے نے اس کی ماں اور اس کی زندگی کو کس طرح تباہ کر دیا تھا۔

ایک سے زندگی چھینی تھی اور دوسرے سے عزت مگر پھر اسے یاد آیا دو ہفتے پہلے اس شخص نے اس پر کتنی عنایات کی تھیں۔ اس کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا وہ مسلسل بول رہا تھا۔

''اچھے برے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں۔ کوئی بھی معاشرہ صرف اچھے یا صرف برے لوگوں پر مشتمل نہیں ہوتا اور یہ تو کبھی نہیں ہو سکتا کہ آپ ایک شخص کی برائی کی سزا پورے معاشرے کو دینا شروع کر دیں۔''

بولتے بولتے مظہر کو خیال آیا، وہ بہت دیر سے خاموش ہے۔ وہ بھی یک دم خاموش ہو گیا اسے احساس ہونے لگا شاید وہ ضرورت سے

زیادہ بول گیا تھا۔ ان دونوں کے درمیان خاموشی کا ایک طویل وقفہ آیا پھر مظہر نے پوچھا۔

''آپ کی ماں نے دوسری شادی نہیں کی؟''

''نہیں۔''

''کوئی بہن بھائی ہیں آپ کے۔''

''نہیں۔''

''آپ لوگوں نے ایمبیسی کے ذریعے انھیں ڈھونڈنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟''

''میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتی میں نے کبھی اپنی ماں سے اس بارے میں بات نہیں کی۔''

''اگر آپ کی ماں چاہیں تو میں اس سلسلے میں آپ لوگوں کی مدد کر سکتا ہوں۔''

''اب اس کی ضرورت نہیں۔''

''کیوں؟''

''پچھلے سال ان کا انتقال ہو گیا۔'' وہ چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ کیتھرین کا چہرہ بے تاثر تھا۔

''آپ کس کے ساتھ رہتی ہیں؟''

''میں اکیلی رہتی ہوں۔'' وہ گراؤنڈ میں کھیلتے ہوئے لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ مظہر بھی گراؤنڈ کی طرف دیکھنے لگا۔

''کرکٹ میں دلچسپی ہے آپ کو؟'' مظہر نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بات کا موضوع بدل دیا۔

''صرف دیکھنے کی حد تک۔'' وہ مسکرائی۔

''میں کھیلتا ہوں مگر اچھا کھلاڑی نہیں ہوں۔ سامنے گراؤنڈ میں میرے دوست کھیل رہے ہیں ہم ہر روز یہاں آتے ہیں۔ جس جگہ ہم رہتے ہیں وہ پاس ہی ہے۔ یہ لوگ یہاں کھیلتے ہیں۔ میں زیادہ تر دیکھتا رہتا ہوں۔ پانچویں بال پر آؤٹ ہونے کے بعد دوسروں کی سنچریز کے لیے اگلے دو گھنٹے فیلڈنگ کرتے رہنا خاصا مشکل کام ہے۔ اس لیے ان کے اصرار کے باوجود میں کھیل میں حصہ نہیں لیتا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بتا رہا تھا۔ ایک بار پھر وہ دونوں خاموش ہو گئے بعض دفعہ بات شروع کرنے سے زیادہ بات جاری رکھنا مشکل ہوتا ہے اور وہ دونوں بھی اس وقت اسی مشکل کا سامنا کر رہے تھے۔

''آپ یہاں روز کیوں نہیں آتیں؟'' وہ سمجھ نہیں سکی۔ اس نے سوال کیا تھا یا مطالبہ اس لیے وہ صرف مسکرائی۔

وہ کچھ دیر اور خاموشی سے گراؤنڈ میں کھیل دیکھتے رہے پھر کیتھرین نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے اب جانا ہے۔'' وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''میں آپ کو سڑک تک چھوڑ آتا ہوں۔'' مظہر نے کہا اور وہ بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کیتھرین نے انکار نہیں کیا۔ وہ دونوں خاموشی سے ٹہلتے

ہوئے سڑک تک آ گئے۔

''کیا میں کل آپ کا انتظار کروں؟''مظہر نے واپس مڑنے سے پہلے کہا۔ وہ ایک بار پھر مسکرا دی۔

''شکریہ۔''اس نے کیتھرین کی مسکراہٹ سے جواب اخذ کر لیا اور کمال اعتماد کے ساتھ واپس مڑ گیا۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑے اسے جاتا دیکھتی رہی پھر خود بھی سڑک کنارے فٹ پاتھ پر چلنے لگی۔

........❁........

دوسرے دن وہ گراؤنڈ میں سیڑھیوں پر اسی جگہ اس کا منتظر تھا۔ کیتھرین کے پاس آنے پر وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ہیلو ہائے کے بعد اس نے کیتھرین کے بیٹھنے کا انتظار کیا اور جب وہ بیٹھ گئی تو وہ ایک بار پھر اس سے چند فٹ کے فاصلے پر بیٹھ گیا۔

اس دن بھی دونوں ایک گھنٹے تک وہاں رہے۔ آدھے سے زیادہ وقت انھوں نے خاموشی سے گزارا اور پھر اسی طرح وہ اسے سڑک تک چھوڑنے آیا۔ واپس مڑنے سے پہلے اس نے ایک بار پھر وہی سوال کیا۔ کیتھرین نے اسی مسکراہٹ کے ذریعے جواب دیا اور پھر وہ دونوں اپنے اپنے راستے پر چلنے لگے۔

پھر یہ ایک روٹین بننے لگی تھی۔ وہ دونوں روزانہ اس گراؤنڈ کی سیڑھیوں میں ایک گھنٹے کے لیے ملتے۔ کبھی باتیں کرتے کبھی خاموش رہتے اور پھر الگ ہو جاتے۔

رفتہ رفتہ ان کے ملنے کی جگہ اور وقت بدلنے لگا اب وہ اکثر شام میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ گزارنے لگے۔ بعض دفعہ وہ کوئی فلم دیکھتے بعض دفعہ کسی پارک میں چلے جاتے اور بعض دفعہ ٹیمز کے کنارے پھرتے رہتے۔

مظہر کے ساتھ گھومتے ہوئے کیتھرین کو کبھی خوف محسوس نہیں ہوا۔ اسے اس کے پاس ایک عجیب سے تحفظ کا احساس ہوتا۔ وہ جو پہلے اس شہر کو چھوڑ جانا چاہتی تھی، اب صرف مظہر کی وجہ سے ایک ایسی نوکری کر کے بھی خوش تھی جس سے وہ بمشکل کھینچ تان کر اپنا وقت گزار رہی تھی۔ وہ جانتی تھی اس آمدنی میں وہ اب کبھی اس بوسیدہ عمارت سے جان نہیں چھڑا سکتی جہاں وہ رہتی تھی مگر اس کے باوجود اب شہر چھوڑنے کا تصور بھی اس کے لیے ہولناک تھا۔ وہ ہر صورت میں وہیں رہنا چاہتی تھی۔

اگر وہ دونوں شام کے وقت کہیں باہر گھوم رہے ہوتے تو مظہر ایک مخصوص وقت پر مغرب کی نماز کی ادائیگی کے لیے کسی نہ کسی مسجد میں ضرور چلا جاتا۔ کیتھرین مسجد کی سیڑھیوں میں بیٹھ کر یا فٹ پاتھ پر ٹہلتے ہوئے اس کا انتظار کرتی رہتی۔ وہ بہت زیادہ مذہبی تھا، اس کا اندازہ اسے شروع کی چند ملاقاتوں کے بعد ہی ہو گیا تھا۔ مگر اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ عملی طور پر بھی مسلمان ہے۔ پھر جب ساتھ گھومتے پھرتے نماز کے اوقات میں وہ مسجد کی تلاش شروع کرتا یا پھر پارک کے کسی سنسان گوشے میں نماز پڑھنے لگتا تو کیتھرین کو اس کی ترجیحات کا بہت اچھی طرح اندازہ ہونے لگا۔ وہ نماز میں اس کا انہماک دیکھ کر حیران ہوتی۔ اگر کبھی وہ پارک میں نماز ادا کرنے لگتا تو وہ مسلسل اس پر نظریں مرکوز رکھتی۔ اس وقت پارک میں ادھر ادھر گھومنے کے بجائے، وہ اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھی اسے دیکھتی رہتی۔ اسے اس شخص کا سکون متاثر کرتا تھا۔

اس میں وہ اضطراب اور بے چینی نہیں تھی جو وہ اس سے پہلے ملنے والے تمام مردوں میں دیکھ چکی تھی۔ ایک عجیب سا ٹھہراؤ اور وقار تھا اس کے انداز میں۔ ''شاید اس کا تعلق اس عبادت سے ہے جو یہ باقاعدگی سے ادا کرتا ہے۔'' وہ بعض دفعہ بیٹھے بیٹھے نتائج اخذ کرنے لگتی۔

دونوں کے درمیان ابھی تک کسی قسم کا اظہار محبت بھی نہیں ہوا تھا۔ نہ مظہر نے کبھی اس سے یہ کہا تھا کہ وہ اس سے شدید قسم کی محبت کرتا ہے اور نہ ہی کیتھرین نے کبھی اس سے یہ کہا تھا کہ وہ دن کے کسی بھی وقت اس کے خیال کو اپنے ذہن سے نکال نہیں پاتی۔ اظہار محبت نہ کرنے کے باوجود وہ کیتھرین کا بہت خیال رکھتا تھا۔ اگر کبھی رات کو گھومتے پھرتے انہیں دیر ہو جاتی تو وہ کیتھرین کے انکار کرنے کے باوجود اس کے گھر تک چھوڑنے جاتا اور اس وقت تک واپس نہ جاتا جب تک وہ بلڈنگ میں داخل نہ ہو جاتی۔ رات کے وقت وہ اسے اکیلا ٹیکسی پر بھی نہیں بھیجتا تھا۔ کیتھرین کے ساتھ بس یا ٹرین کا سفر کرتے ہوئے بھی وہ اس بات کا خیال رکھتا تھا کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ کیتھرین سے نہ چھوئے۔ وہ یہ کوشش بھی کرتا تھا کہ کیتھرین کو کوئی ایسی سیٹ نہ ملے، جہاں کوئی دوسرا مرد بیٹھا ہے۔ فٹ پاتھ سے گزرتے ہوئے وہ ہمیشہ اسے اس سائیڈ پر چلنے کے لیے کہتا، جہاں دوسرے لوگ نہ گزر رہے ہوں۔ سڑک کراس کرتے ہوئے وہ بڑی احتیاط کے ساتھ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ سڑک پار کرواتا اور یہ واحد موقع ہوتا تھا جب وہ کچھ کہے بغیر بے جھجک اس کا ہاتھ پکڑ لیا کرتا تھا۔

کیتھرین کو اس کے ساتھ باہر جاتے ہوئے کبھی بھی کوئی ادائیگی نہیں کرنی پڑتی تھی۔ سینما کے ٹکٹ سے ٹیکسی کے کرایہ تک اور ریستوران کے بل سے لے کر سڑک پر خریدے جانے والے کافی کے کپ تک۔ وہ ہر بل خود ادا کرتا تھا۔ کیتھرین کے لیے یہ سب کچھ بہت نیا اور عجیب تھا۔ وہ مردوں سے ملنے والی اس عزت کی عادی نہیں تھی۔

''ہمارے کلچر میں اگر عورت مرد کے ساتھ کہیں جائے تو پھر اس مرد کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اسے حفاظت سے رکھے اور پھر اسی حفاظت کے ساتھ گھر پہنچائے۔ جہاں تک اپنا بل خود ادا کرنے کی بات ہے تو مرد اسے اپنے منہ پر طمانچے کے برابر سمجھتا ہے۔''

اس نے ایک بار کیتھرین کے استفسار پر اسے مسکراتے ہوئے بتایا تھا۔

''آپ مغرب کی عورت ہیں، لیکن میرے لیے عورت ہی ہیں۔ میں آپ کو اسی طرح ٹریٹ کروں گا جس طرح اپنے معاشرے کی عورت کو کرتا ہوں۔'' وہ اس کے ساتھ رہ کر زندگی کے ایک نئے مفہوم سے آشنا ہو رہی تھی یا شاید پہلی بار زندگی سے شناسائی حاصل کر رہی تھی۔

''اگر آپ کے والد مسلمان تھے تو پھر آپ کو بھی مسلمان ہی ہونا چاہیے۔ اولاد باپ کے مذہب ہی پر چلتی ہے۔ کبھی اس بارے میں سوچا آپ نے؟'' کئی ماہ بعد ایک دن اس نے کیتھرین سے پوچھا۔

وہ صرف اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئی۔

''ٹھیک ہے۔ آپ کا باپ جیسا بھی تھا مگر آپ کو اپنے مذہب اور کلچر کا پتا ہونا چاہیے۔ زندگی مذہب سے بے خبری کے عالم میں تو نہیں گزاری جا سکتی۔'' وہ بڑی سنجیدگی کے ساتھ بات کر رہا تھا۔

''اگر آپ چاہیں تو میں اسلام کا مطالعہ کرنے میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں مگر یہ کوئی زبردستی نہیں ہے۔ آپ کی خواہش پر منحصر ہے۔''

کیتھرین نے کسی ہچکچاہٹ نے بعد اس کی آفر قبول کر لی۔

پھر وہ ہر اتوار کو اسے اسلامک سینٹر لے جانے لگا۔ ہر روز شام کو ساتھ گھومتے وہ اسے مذہب کے بارے میں کچھ نہ کچھ بتاتا رہتا۔ وہ آہستہ آہستہ اثر قبول کر رہی تھی اور اس اثر نے پہلی تبدیلی اس کے لباس میں کی تھی۔ شام کے وقت مظہر سے ملاقات کے لیے جاتے وقت وہ ایک ڈھیلا ڈھالا اسکارف سر پر اوڑھنے لگی۔ وہ زیادہ تر لانگ اسکرٹس پہننے لگی۔ اگر وہ لانگ کوٹ یا جیکٹ میں ملبوس نہ ہوتی تو اپنی شرٹ کو ٹراوزرز سے باہر ہی رکھتی۔ اسکن ٹائٹ بلاوز کے بجائے وہ کاٹن یا سلک کی ڈھیلی ڈھالی شرٹس پہنتی۔

مظہر ہر نئی تبدیلی پر اسے بہت زیادہ سراہتا تھا اور شاید یہ ستائش بھی اس میں آنے والی تبدیلیوں کی رفتار بڑھا رہی تھی۔

٭٭٭

ساتواں باب

اس نے آخری سیڑھی پر پہنچ کر اپنے سامنے دیکھا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی چھت پر تھی، کسی بلندی پر۔ ہوا کے خوشگوار جھونکے اس کے جسم کو سہلا رہے تھے۔

پروفیسر عباس کے کمرے میں اس دن مریم سے بات شروع کرتے ہوئے ذالعید کو اس سے جو توقعات تھیں، وہ گفتگو کے دوران ختم ہو گئیں۔ پروفیسر عباس نے اس کی باتیں اور پروجیکٹ کی کچھ تفصیلات سننے کے فوراً بعد مریم کا نام اس کے سامنے لیا۔ ذالعید کا خیال تھا کہ انھوں نے کسی بہت ہی قابل اور آؤٹ سٹینڈنگ سٹوڈنٹ کا نام لیا ہوگا مگر مریم سے بات کرتے ہوئے وہ مسلسل مایوسی کا شکار ہو رہا تھا۔ اسے یہ بھی اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ وہ اس کی بات ٹھیک سے سن رہی ہے یا نہیں۔ سمجھنا تو دور کی بات تھی، وہ اس کی بات سنتے ہوئے کبھی کبھار اس کے چہرے پر نظر دوڑا لیتی، ورنہ زیادہ تر وقت وہ اپنے سامنے پڑی میز کی شفاف سطح پر انگلیاں پھیرتی رہی۔ وہاں سے اس کا دھیان ہٹتا تو وہ کرسی کے ہتھے کو اپنے ہاتھ کے انگوٹھے سے کھرچنے لگتی اور پھر یک دم دیوار پر لگی ہوئی ایک پینٹنگ کی طرف متوجہ ہو جاتی۔ اس کی نظریں اس آدھ گھنٹہ کے دوران کسی ایک چیز پر مرکوز نہیں رہیں۔

ذالعید کو یوں محسوس ہوا جیسے کمرے میں موجود ہر چیز اسے ذالعید اور اس کے پروجیکٹ سے زیادہ دلچسپ محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا خیال تھا وہ بات شروع کرے گا تو وہ اپنا Concept واضح کرنے کے لیے اس سے سوال کرتی جائے گی۔ مگر وہ بالکل گونگی بنی بیٹھی رہی۔ ذالعید کی پوری گفتگو کے دوران اس نے ہوں ہاں تک نہیں کی۔ ذالعید نے اس کے انداز کو پسند نہیں کیا۔

''ارتکاز توجہ کی کمی۔'' ذالعید کی اس کے بارے میں یہ رائے تھی۔

''اور Concentration کے بغیر یہ کام کیسے کرے گی۔ کم از کم اس طرح کا کام تو یہ نہیں کر پائے گی جو میں چاہتا ہوں۔ ایک ڈیزائن میں اگر اتنی دفعہ میں نے تبدیلی کروائی اور اسے آٹھ گھنٹے لگاتار بیٹھ کر کام کرنا پڑا تو یہ تو سب کچھ بیچ میں چھوڑ کر بھاگ جائے گی اور بات سنتے ہوئے جس کا دھیان میری طرف نہیں ہے کام کے دوران کیسے ہوگا۔'' وہ اپنی بات ختم کرنے تک یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ وہ اس کام کے لیے موزوں نہیں ہے مگر اسے دقت یہ ہو رہی تھی کہ اس نے پروفیسر عباس سے اس معاملے میں کسی اسٹوڈنٹ کا نام دینے کے لیے کہا تھا اور انھوں نے اس کا نام دیا تھا۔

ان کے سامنے بیٹھے ہوئے وہ اس سے صاف صاف یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ اس سے مایوس ہوا ہے اور اس سے کام کروانا نہیں چاہتا۔ کام نہ کروانے کے بارے میں اس کا فیصلہ اس وقت اور حتمی ہو گیا جب اس نے مریم کو کوئی سوال پوچھنے کے لیے کہا اور بجائے اس کے کہ وہ اس کام کے حوالے

سے کوئی سوال کرتی اس نے ڈائریکٹ معاوضہ کے بارے میں پوچھا۔ ذالعید بہت جھنجھلایا...... ایسا نہیں تھا کہ وہ مفت میں کام کروانا چاہتا تھا یا اس سلسلے میں بات کرنے پر تیار نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا وہ این سی اے سے جس کو بھی ہائر کرے گا وہ بہت اچھا معاوضہ ڈیمانڈ کرے گا اور اسے ایسی کسی ڈیمانڈ پر کوئی اعتراض بھی نہیں تھا مگر سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی نے کام کے بارے میں ایک لفظ بھی پوچھنے کے بجائے صرف معاوضے کے بارے میں پوچھا تھا۔

''کام کی طرف جس کی پروفیشنل اپروچ یہ ہو اس کے لیے Job satisfaction (کام سے ملنے والی تسکین) کیا معنی رکھتی ہوگی؟ وہ اور مایوس ہوا اور ایسا شخص کس حد تک مخلص ہو کر کام کر سکتا ہے؟''

ذالعید نے اسے اپنے آفس کا کارڈ ضرور دے دیا مگر وہ اس سے نہ ملنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ وہ خواہ مخواہ اس سے ایک ملاقات اور کر کے اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ خاص طور پر اس صورت میں جب وہ اس کو ہائر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے جانے کے بعد اس نے پروفیسر عباس کو کچھ اور اسٹوڈنٹس سے ملوانے کے لیے بھی کہا۔

''ذالعید تم پہلے مریم کا کام دیکھ لو۔ مجھے امید ہے، تمھیں کسی اور کو تلاش نہیں کرنا پڑے گا۔'' اسے مریم پر ان کے اعتماد پر حیرت ہوئی۔

''سر! میں ان کا کام دیکھ لوں گا مگر میں چاہتا ہوں کہ میں ساتھ ہی کچھ اور لوگوں سے بھی مل لوں۔ کیونکہ میرے پاس وقت زیادہ نہیں ہے۔ اگر مجھے مریم کا کام پسند نہیں آیا تو مجھے ایک بار پھر سے یہ تلاش شروع کرنی پڑے گی۔ میں اس چیز سے بچنا چاہتا ہوں۔'' اس نے ان کے سامنے توجیہہ پیش کی۔

''مجھے یقین ہے کہ تمھیں مریم کا کام پسند آ جائے گا۔ مگر ٹھیک ہے میں تمھیں کچھ اور لوگوں سے بھی ملوا دیتا ہوں۔''

پروفیسر عباس نے باری باری اسے چھ سات دوسرے اسٹوڈنٹس سے بھی ملوایا۔ ذالعید ان لوگوں سے بات کر کے خاصا مطمئن ہوا۔ اس نے ان لوگوں کے ساتھ اپائنٹمنٹس طے کر لی تھیں۔ اگلے دو تین دن میں وہ اس کام سے فارغ ہو جانا چاہتا تھا۔

دوسرے دن مریم کے آفس میں آنے سے پہلے وہ وہاں سے چلا گیا۔ وہ اب اسے کسی نہ کسی طرح ٹالنا چاہتا تھا اور اس وقت مریم کے لیے اس کی ناپسندیدگی اور بڑھ گئی۔ جب تیسرے دن وہ صبح صبح اس کے گھر پہنچ گئی۔

وہ اس وقت نہا کر نکلا تھا جب ملازم نے اسے مریم نامی ایک لڑکی کے آنے کی اطلاع دی۔ اسے بے اختیار غصہ آیا۔

''کس طرح کی فیملی سے تعلق رکھتی ہے، یہ منہ اٹھا کر صبح صبح گھر پہنچ گئی۔ اسے دعوت کس نے دی ہے یہاں آنے کی۔'' وہ اب اس سے چڑنے لگا تھا۔

''اس سے جا کر کہہ دو کہ اس کو آفس میں بلایا ہے، وہیں آئے۔ یہاں گھر پر میں اس سے نہیں ملوں گا'' اس نے تمام مینرز کو بالائے طاق رکھتے ہوئے انتہائی درشت آواز میں ملازم کو ہدایت دی۔

فیکٹری پہنچنے کے بعد بھی درخشاں کے یاد دلانے کے باوجود اس نے مریم کے لیے کوئی اپائنٹمنٹ نہیں رکھی۔ اس کا خیال تھا کہ صبح کے رویے کے بعد وہ فیکٹری نہیں آئے گی اور وہ اس سے جان چھڑانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ مگر وہ ایک بار پھر وہاں آ گئی۔ اس وقت ولید اس کے

پاس بیٹھا ہوا تھا، جب درخشاں نے اسے اس کی آمد کے بارے میں اطلاع دی اور ولید کو وہ این سی اے کے ان تمام لوگوں سے ملاقات کے بارے میں بتاتا رہا تھا۔ وہ مریم کے بارے میں بھی جانتا تھا۔

''تم اس سے کہہ دو کہ چند دن بعد آئے اور چند دن بعد جب وہ آئے تو تم اسے بتا دینا کہ تم کسی کو ہائر کر چکے ہو۔'' ولید نے اسے مشورہ دیا اور اس نے اس پر عمل کیا۔ اسے یقین تھا یہ مشورہ کارگر ثابت ہوگا۔

اگلے دن وہ ایک لوکل آرٹ گیلری میں این سی اے کے کچھ سٹوڈنٹس کی پینٹنگ کی نمائش دیکھنے گیا۔ صوفیہ کی کچھ پینٹنگز بھی نمائش میں رکھی ہوئی تھیں اور وہ اس کی دعوت پر اس کے ساتھ گیا تھا۔ اس کا خیال تھا، وہ اپنے آفس اور ایڈمنسٹریٹو بلاک کے لیے کچھ پینٹنگ خریدے گا۔ نمائش میں شام کے وقت خاصے لوگ موجود تھے۔ زیادہ تر این سی اے کے اسٹوڈنٹس ان کے فرینڈز اور فیملی ممبرز تھے یا پھر لاہور کے کچھ دوسرے اداروں کے فائن آرٹس ڈیپارٹمنٹ کے سٹوڈنٹس...... وہ ایسی نمائشوں میں آتا جاتا رہتا تھا۔ اس لیے ان حلقوں میں کافی لوگوں سے اس کی شناسائی تھی۔ صوفیہ کچھ دیر وہاں اس کے ساتھ رہی پھر وہ اپنے کچھ جاننے والوں کے پاس چلی گئی۔ جبکہ ذالعید گھوم پھر کر تصویریں دیکھنے لگا۔ ہر اسٹوڈنٹ کی سات آٹھ سے زیادہ تصویریں نہیں تھیں اور اگرچہ یہ تین دن پر مشتمل نمائش کا پہلا دن تھا، مگر پھر بھی بہت ساری تصویروں کے نیچے Sold (فروخت شدہ) کے ٹیگز لگ چکے تھے۔

صوفیہ کی ایک تصویر سمیت اس نے بھی کچھ تصویروں کا انتخاب کیا جنہیں وہ خریدنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ گیلری کا اب صرف ایک کونہ رہ گیا تھا۔ جہاں وہ نہیں گیا کیونکہ وہاں اس نے بہت زیادہ رش دیکھا تھا اور اس کا خیال تھا کہ جب رش کچھ کم ہوگا تو پھر وہ ادھر جائے گا۔ مگر اسے حیرت ہوئی کہ وہاں اس پورے عرصہ کے دوران رش کم نہیں ہوا۔

وہ جس وقت ادھر گیا، اس وقت بھی وہاں خاصا رش تھا اور ذالعید کو توقع تھی کہ وہاں کسی اچھے آرٹسٹ کا کام ہوگا مگر پہلی تصویر پر نظر ڈالتے ہی وہ ساکت رہ گیا۔ "UM-ME" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔ وہ آرٹسٹ کا نام دیکھے بغیر جان گیا تھا کہ وہ کس کا کام ہے۔ ایک سال پہلے خریدی گئی ان دو تصویروں نے اسے اس آرٹسٹ کے کام اور سٹائل کے بارے میں اچھی خاصی شناسائی دے دی تھی۔ اس نے ایک دم آگے بڑھ کر تصویر پر آرٹسٹ کا نام ڈھونڈا۔ وہ اپنے اندازے کی تصدیق کرنا چاہتا تھا اور اس کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ ابھری۔ اس کا اندازہ ٹھیک تھا۔

دیوار پر ایک ہی رو میں آٹھ تصویریں لگی ہوئی تھیں اور ان میں سے کچھ تصویروں پر وہاں اچھی خاصی ڈسکشن ہو رہی تھی۔

''میں اس آرٹسٹ سے ملنا چاہتا ہوں۔ عباد! یہ کون ہے۔'' ذالعید نے ایک نظر ان تمام تصویروں پر ڈالنے کے بعد وہاں موجود این سی اے کے ایک شناسا اسٹوڈنٹ سے کہا۔

''یہ اُمّ مریم کی تصویریں ہیں...... این سی اے کی سٹوڈنٹ ہیں۔ آج تو آئی نہیں ہیں۔'' عباد نے اسے بتایا۔

''اُمّ مریم! ذالعید نے نام دہرایا۔

''بہت آؤٹ سٹینڈنگ کام ہے مگر پہلے کبھی میں نے نمائش میں ان کی تصویریں نہیں دیکھیں۔'' ذالعید نے کچھ تجسس سے پوچھا۔

''ہاں پہلی بار انھوں نے اپنی تصویریں اس طرح نمائش کی ہیں۔ پتا نہیں پہلے کبھی انھوں نے کیوں نہیں کی۔ حالانکہ ان کا کام اتنا اچھا ہے اور اس میں اتنی ویری ایشن ہے کہ یہ تو اپنی تنہا نمائش بھی کرواسکتی ہے۔ این سی اے کے بہترین اسٹوڈنٹس میں سے ہیں یہ...... دو چار اسٹوڈنٹس جن کے بارے میں ہمارے پروفیسرز بہت پُر امید ہیں کہ یہ آگے چل کر اپنی فیلڈ کا ایک بڑا نام ہوں گے ان میں سے ایک یہ بھی ہیں۔ پینٹنگ ہی ان کا میجر سبجیکٹ ہے اور منی ایچرائز سبجیکٹ ہے اسی لیے ان کی پینٹنگز میں ہر چیز بہت Detail میں ہے۔ آپ نے اپنے پروجیکٹ کے سلسلے میں ان سے بات کیوں نہیں کی؟ یہ تو پچھلے دو تین سال میں اچھا خاصا کام کر چکی ہیں۔ پروجیکٹس کے حوالے سے بہت اچھی شہرت ہے ان کی۔''

عباد نے اس کے بارے میں کافی تفصیل سے بتانا شروع کر دیا۔ ذالعید کو یک دم بہت زیادہ خوشی اور اطمینان کا احساس ہوا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ واقعی اپنا پروجیکٹ اسی لڑکی سے کروانا چاہتا تھا اور اس کو اس سے ملے بغیر بھی یہ یقین تھا کہ وہ اس کے آئیڈیاز کو سمجھ سکتی ہے۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ وہاں موجود اس کی تمام تصویریں خرید لے مگر انکوائری پر اس کو پتا چلا کہ اس کی چار تصویریں بک چکی ہیں۔ اسے یہ جان کر تسلی ہوئی کہ چار عناصر کی سیریز ابھی نہیں بکی تھی۔ زمین، آگ، ہوا، پانی...... اس نے ان چاروں تصویروں کے لیے ادائیگی کر دی۔

صوفیہ جب مقررہ وقت پر اس کے ساتھ واپس جانے کے لیے باہر پارکنگ کی طرف آئی تو اس نے ذالعید کو خاصا مسرور پایا۔

''کیسا لگا تمھیں میرا کام؟'' اس نے ساتھ چلتے ہوئے ذالعید سے پوچھا۔

''بہت اچھا...... میں نے تمہاری ایک تصویر خریدی ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے صوفیہ کو بتایا۔ وہ دلکش انداز میں ہنسی۔

''میری ساری تصویریں بک گئی ہیں، مگر تمھیں خریدنے کی کیا ضرورت تھی، تم بتا دیتے۔ میں تمھیں یہ تصویر گفٹ کر دیتی۔''

''تھینک یو ویری مچ...... اگلی دفعہ تم مجھے گفٹ کر دینا۔ اس بار تو میں ادائیگی کر چکا ہوں۔'' ذالعید نے خوش دلی سے کہا۔

''اور کتنی پینٹنگز...... خریدی ہیں تم نے؟''

صوفیہ نے دلچسپی سے پوچھا۔ وہ اب گاڑی میں بیٹھ گئے تھے۔

''چھ اور خریدی ہیں...... چار ایک آرٹسٹ کی اور دو دوسرے دو آرٹسٹوں کی۔'' ذالعید نے گاڑی پارکنگ سے نکالتے ہوئے کہا۔

''یہ خوش نصیب آرٹسٹ کون ہے، جس کی تم نے چار پینٹنگز خرید ڈالیں؟'' صوفیہ کو تجسس ہوا۔

''میں تو آٹھ کی آٹھ خریدنا چاہ رہا تھا مگر چار پہلے ہی بک چکی تھیں۔ ام مریم کی۔''

''اوہ......'' صوفیہ کے منہ سے نکلا۔

''اس کے کام نے وہاں موجود سارے کام کو آؤٹ کلاس کر دیا ہے۔ کم از کم میں نے پچھلے پانچ سال میں کئی نئے آرٹسٹ کے کام میں اتنی گہرائی اور پرفیکشن نہیں دیکھی۔ ذالعید نے بڑے صاف لفظوں میں اس کو سراہا اور صوفیہ کے چہرے پر کچھ دیر پہلے موجود مسکراہٹ غائب ہوگئی۔

''خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے وہ اچھا کام کرتی ہے مگر وہاں موجود باقی لوگوں نے بھی اچھا کام کیا ہے۔'' اس نے کچھ سرد لہجے میں کہا۔

''نہیں۔ مجھے باقی لوگوں کا نام Run-of-the-mill لگا ہے۔ پینٹنگ بنا لینا کوئی بڑا کام نہیں ہوتا مگر بڑا کام یہ ہے کہ کلرز اور تھیم کے

ساتھ تجربے کیے جائیں، کچھ نئی چیزیں سامنے لائی جائیں اور اس کے کام میں وہ نیا پن ہے۔''

''ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ میرا کام اچھا ہے......'' ذالعید نے اس کی بات کاٹ دی۔

''ہاں، تمہارا کام اچھا ہے مگر اُمّ مریم She is matchless (اس کا کوئی ثانی نہیں)'' ذالعید نے حتمی لہجے میں کہا۔

اس کی تصویر دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ یہ پیور ٹیلنٹ ہے۔ وہ کہتے ہیں نا کہ پیدائشی فنکار مجھے یہ نہیں پتا کہ وہ اپنی پینٹنگز پر محنت کتنی کرتی ہے مگر مجھے یقین ہے کہ محنت کے بغیر بھی وہ بہت اچھا کام کر سکتی ہے، کیونکہ اس کی صلاحیت خداداد ہے۔'' صوفیہ نے اس بار کچھ نہیں کہا وہ بالکل خاموش رہی۔

''صوفیہ! میں سوچ رہا ہوں کہ میں اپنا پروجیکٹ اس سے کرواؤں مجھے احساس ہو رہا ہے کہ یہ وہ چیز ویژولائز کر سکتی ہے جو میرے ذہن میں ہے۔''

''مگر ٹیکسٹائل ڈیزائننگ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''کوئی بات نہیں۔ وہ آرٹسٹ تو ہے۔ پیٹرن بنانا اس کے لیے کیک واک ہوگی اور کلرز کے جو شیڈز یہ استعمال کرتی ہے مجھے یہی چاہیے۔ میں چاہتا ہوں تم میرا اس سے کانٹیکٹ کرواؤ فون نمبر لے دو یا ملوا دو تم تو جانتی ہوگی اسے۔''

''ہاں میں جانتی ہوں...... اچھا کام کرتی ہے مگر خاصا نخرا ہے اس میں بلکہ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ اپنے کام کے حوالے سے اس کی گردن میں خاصا سریا ہے...... تمہاری طرح پروفیسرز بھی اسے اچھا خاصا چڑھاتے رہتے ہیں اور اسے یہ گمان ہو چکا ہے کہ اس کے علاوہ این سی اے میں کوئی اچھا کام نہیں کرتا۔ خوش اخلاقی یا مروت ٹائپ کی کوئی چیز نہیں ہے اس میں۔''

صوفیہ نے اس کے بارے میں اپنے خیالات کا بڑی صاف گوئی سے اظہار کیا۔ ذالعید بے اختیار مسکرایا۔

''یار قدرتی بات ہے جو بھی اچھا آرٹسٹ ہوگا چاہے وہ ایکٹر ہو، سنگر ہو یا پھر پینٹر اس میں تھوڑا بہت نخرا تو ہوگا اور میرا خیال ہے کہ یہ نخرا اٹھانا چاہیے۔ پوری دنیا میں اچھے آرٹسٹ کے ناز اٹھائے جاتے ہیں اور مجھ میں خاصی برداشت ہے میں اسے اچھی طرح ڈیل کر لوں گا۔''

''وہ ابھی اتنی بڑی آرٹسٹ نہیں ہے کہ لوگ اس کے نخرے اٹھائیں۔ این سی اے سے باہر ابھی کون جانتا ہے اسے...... اس جیسے لاکھوں ہوتے ہیں اب کیا بندہ لاکھوں کے نخرے اٹھائے۔''

''اچھا یار! تم میرا اس سے کانٹیکٹ تو کرواؤ...... پھر دیکھیں گے کہ کیا صورت حال بنتی ہے۔

ذالعید نے موضوع بدلتے ہوئے کہا، اسے صوفیہ کی خفگی کا اندازہ ہونے لگا تھا۔

''میں رابطہ کروا دوں گی مگر چند ہفتے پہلے ایک دن اس کے سامنے میں نے اس کی کچھ فرینڈز کے ساتھ تمہارے اس پروجیکٹ کے بارے میں بات کی تھی۔ اس وقت مریم نے کوئی دلچسپی نہیں دکھائی۔ ہو سکتا ہے وہ انٹرسٹڈ نہ ہو۔'' صوفیہ کو چند ہفتے پہلے آئزہ اور مریا کے ساتھ ہونے والی گفتگو یاد آئی۔

''پھر بھی ایک بار باقاعدہ طور پر بات کرنے میں کیا حرج ہے۔ میں صبح این سی اے آجاؤں؟''

''ہاں ٹھیک ہے، آجانا میں تمہارا انتظار کروں گی۔''

مگر اگلے دن جب وہ این سی اے گیا تو صوفیہ نے اسے بتایا کہ اُمّ مریم تین دن کی چھٹی پر ہے۔ ذالعید کو کچھ مایوسی ہوئی۔

''اس کا فون نمبر اگر مل جائے تو میں اس سے فون پر بات کر لیتا ہوں۔'' اس نے صوفیہ سے کہا۔

''میں نے اس کی فرینڈز سے اس کا فون نمبر پوچھا تھا مگر انھیں پتا نہیں ہے۔'' ذالعید سوچ میں پڑ گیا۔

''تمہارا کیا خیال ہے آج وہاں نمائش میں آنے کا کوئی امکان ہے اس کا؟''

''مجھے نہیں پتا...... شاید......'' صوفیہ نے کندھے اچکائے۔

''تم تو جا رہی ہو وہاں، اگر وہ وہاں آئے تو پھر تم مجھے رنگ کر دینا۔ میں آجاؤں گا۔'' ذالعید نے اس سے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' صوفیہ نے ہامی بھری۔

مگر وہ اس دن نمائش میں بھی نہیں آئی۔ تیسرے دن رات کو ذالعید نمائش سے اپنی خریدی ہوئی تصویریں لینے گیا۔ وہ تمام تصویروں کی ادائیگی پہلے ہی کر چکا تھا اب نمائش کے اختتام پر اسے اپنی تصویریں لینی تھیں، مگر اس وقت اسے شاک لگا جب سات تصویروں کے بجائے اسے صرف تین تصویریں دی گئیں۔ ان میں اُمّ مریم کی چاروں تصویریں نہیں تھیں۔

''اس میں اُمّ مریم کی تصویریں نہیں ہیں۔'' اس نے اس آدمی کو یاد دلایا۔

''ہاں وہ کسی اور نے خرید لی ہیں۔''

''کیا مطلب...... میں ان تصویروں کی قیمت ادا کر چکا ہوں۔'' وہ چونکا۔

''وہ رقم میں آپ کو دے دیتا ہوں۔ وہ میرے پاس ہے۔'' اس آدمی نے میز کی دراز سے ایک لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ ذالعید نے وہ لفافہ نہیں لیا۔

''مجھے یہ رقم نہیں چاہیے، مجھے وہ تصویریں چاہئیں...... میری خریدی ہوئی تصویریں آپ کسی دوسرے کو کیسے دے سکتے ہیں۔'' اس نے خشک لہجے میں اس آدمی سے کہا۔

''ہم نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔ اُمّ مریم نے کل فون پر ہم سے اپنی تصویروں کے بارے میں پوچھا تھا۔ ہم نے انھیں بتا دیا کہ ان کی تمام تصویریں بک گئی ہیں اور ہم نے یہ بھی بتایا کہ چار تصویریں ایک ہی آدمی نے خریدی ہیں۔ انھوں نے نام پوچھا تو ہم نے آپ کا نام بتا دیا۔ انھوں نے کہا کہ وہ آپ کو تصویریں بیچنا نہیں چاہتیں۔ ہم آپ کے بجائے کسی اور کو وہ تصویریں بیچ دیں چاہے کم قیمت پر ہی...... اور اگر کسی نے نہ خریدیں تو پھر وہ ان تصویروں کو واپس لے جائیں گی اس لیے کل ہم نے سولڈ کے ٹیگز اتار دیے اور کل ہی وہ چاروں تصویریں بک گئیں۔ آج وہ لوگ

اپنی تصویریں لے گئے۔''

وہ ہکا بکا اس شخص کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''آپ نے میرا نام بتایا اور انھوں نے کہا کہ وہ مجھے تصویریں بیچنا نہیں چاہتیں؟'' ذالعید نے بے یقینی سے کہا۔

''ہاں۔ ایسا ہی ہوا تھا۔'' اس آدمی نے لفافہ میز پر اس کی طرف کھسکایا۔

''آپ مجھے ان کا کانٹیکٹ نمبر دے سکتے ہیں؟''

''نہیں ان کا کانٹیکٹ نمبر نہیں ہے انھوں نے خود فون کیا تھا۔'' ذالعید بے حد حیرت کے عالم میں وہ لفافہ اور تصویریں اٹھا کر باہر آ گیا۔ وہ اُمّ مریم کو نہیں جانتا تھا پھر اسے کیا پرخاش ہو سکتی تھی اس سے کہ اس نے تصویریں اسے نہیں دیں۔ وہ بے حد الجھ گیا۔ ''کیا وہ مجھے جانتی ہے؟ کسی ایسے حوالے سے جو اس کے لیے ناپسندیدہ ہو؟'' اس کا ذہن اسی ادھیڑ بن میں لگا ہوا تھا۔

باہر پارکنگ میں آ کر اس نے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا اور تصویریں پچھلی سیٹ پر رکھ دیں اور تب ہی اس کی نظر پچھلی کھڑکی کے پاس پڑے ہوئے ایک فولڈر پر پڑی۔ اس نے کچھ تجسس کے عالم میں اسے باہر نکالتے ہوئے گاڑی کا دروازہ بند کر دیا۔ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر وہ اندر بیٹھ گیا مگر گاڑی اسٹارٹ کرنے کے بجائے اس نے وہ فولڈر کھول لیا اور پھر خاصی دیر تک وہ فولڈر کھولے بیٹھا رہا۔ وہ وہی پیٹرن تھے، ان ہی شیڈز میں جنھیں وہ بنوانا چاہتا تھا...... اس سے زیادہ بہتر اور مکمل حالت میں جس میں وہ انھیں سوچ رہا تھا۔ وہ ایک کے بعد ایک کاغذ الٹتا گیا اور پورا فولڈر دیکھنے کے بعد ایک گہرا سانس لے کر اس نے وہ فولڈر ساتھ والی سیٹ پر رکھ دیا۔ وہ فولڈر کس کا تھا؟ کہاں سے آیا تھا؟ وہ یہ نہیں جانتا تھا، مگر یہ ضرور جانتا تھا کہ وہ وہی کام تھا جو وہ کروانا چاہ رہا تھا۔ اب اسے اس فولڈر والے کی تلاش تھی۔ صوفیہ کے علاوہ اس نے پچھلے کچھ دنوں میں کسی کو لفٹ نہیں دی تھی اور وہ کام صوفیہ کا نہیں ہو سکتا تھا ورنہ وہ اس سے بات ضرور کرتی۔

گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ بری طرح الجھا ہوا تھا۔ مگر گھر کے اندر آتے ہی اسے خیال آیا کہ ہو سکتا ہے یہ فولڈر ملازم نے کار کے اندر رکھا ہو۔ وہ فولڈر لیے سیدھا اندر چلا گیا۔

''ہاں، یہ میں نے کچھ دن پہلے آپ کی گاڑی میں رکھا تھا لیکن مجھے بتانا یاد نہیں رہا۔'' ملازم نے اس کی انکوائری پر بڑی سادگی سے کہا۔

''کس نے دیا تھا یہ؟''

''یہ...... وہ اس دن جو صبح لڑکی آئی تھی، اس نے چوکیدار کو دیا تھا۔''

''کون لڑکی......؟'' ذالعید الجھا...... پھر اس کے ذہن میں جیسے جھماکا ہوا۔

''وہ جنھیں میں نے کہا تھا کہ آفس میں مجھ سے ملیں۔ میں گھر پر نہیں ملوں گا۔ مریم؟''

''ہاں جی وہ ہیں۔'' ملازم نے کہا۔

''مریم...... اُمّ مریم...... My God'' وہ بڑبڑاتے ہوئے بے اختیار سر ہلانے لگا۔ سارے تار جڑتے جا رہے تھے۔ وہ چپ چاپ

صوفہ پر بیٹھ گیا۔ وہ اب جانتا تھا اُمّ مریم کون تھی؟ اس نے اسے تصویریں کیوں نہیں دیں؟ پروفیسر عباس کیوں اس کی اتنی تعریف کر رہے تھے؟ وہ جسے ارتکازِ توجہ کی کمی سمجھ رہا تھا، وہ اس کا انداز تھا۔ اس نے اس کی ہر بات نہ صرف سنی تھی بلکہ سمجھ بھی لی تھی...... کسی سوال کے بغیر اور اس کا ثبوت وہ ڈیزائن تھے جو وہ اگلے ہی دن لے آئی تھی اور یقیناً اسے اپنے کام پر اتنا اعتماد تھا کہ سوال کرنے کے بجائے اس نے صرف معاوضہ طے کرنا چاہا تھا۔

''بہت برا ہوا...... بہت برا ہوا......'' وہ سب کچھ سوچتے ہوئے بڑبڑاتا رہا۔

''آپ ایک بہت بڑے احمق ہیں ذالعید۔'' وہ اپنے چہرے پر ایک نادم مسکراہٹ لیے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

......❀......

آٹھواں باب

''میں پاکستان جا رہا ہوں۔'' کیتھرین کافی کا سپ لینا بھول گئی۔ مظہر کے پیپرز ہو رہے تھے اور آج وہ بہت دنوں کے بعد ملے تھے۔

''پاکستان؟''

وہ مسکرایا۔ ''ہمیشہ کے لیے نہیں جا رہا۔ چند ماہ کے لیے جا رہا ہوں پھر واپس آ جاؤں گا۔'' وہ اب بھی مطمئن نہیں ہوئی تھی۔

''مگر کیوں؟''

''بہت سارے کام نمٹانے ہیں وہاں......'' وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''اپنی شادی کے بارے میں بھی کچھ فیصلے کرنے ہیں۔'' وہ اب کچھ سوچ رہا تھا۔ کیتھرین کو محسوس ہوا بعض دفعہ صرف سانس لینا بھی خاصا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسے پہلے سے زیادہ سردی لگنے لگی۔ اس نے مظہر کے چہرے سے نظر ہٹا لی۔ کافی کا کپ اس نے بینچ پر رکھ دیا۔ وہ نہیں چاہتی تھی، مظہر اس کے ہاتھوں کی لرزش دیکھے۔ اسے یاد آیا۔ مظہر نے کبھی اس کو پرپوز نہیں کیا تھا۔ پھر اب اگر وہ اپنی شادی کے بارے میں...... ''مجھے یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے تھی کہ وہ مجھ سے شادی بھی کرے گا۔'' وہ ایک کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے خیال کو ذہن سے جھٹک رہی تھی۔ پھر اسے یاد آیا اسے مظہر کو مبارکباد دینی چاہیے۔

"Congrats" (مبارک ہو) اس نے مدھم آواز میں مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''کس لیے؟'' وہ حیران ہوا۔

''آپ پاکستان شادی کے لیے جا رہے ہیں۔'' وہ ہکا بکا رہ گیا۔ پلکیں جھپکائے اور کچھ کہے بغیر وہ اسے دیکھتا رہا۔ کیتھرین اس کے تاثرات پر کچھ پریشان ہوئی۔ اس نے اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ اس کے جملے میں کس چیز نے اسے پریشان کیا تھا۔ ایک طویل خاموشی کے بعد اس نے کیتھرین سے پوچھا۔

''آپ سے یہ کس نے کہا کہ میں پاکستان شادی کے لیے جا رہا ہوں؟''

''آپ نے خود کہا کہ آپ کو اپنی شادی کے بارے میں کچھ فیصلے کرنے ہیں۔'' کیتھرین نے وضاحت کی۔

''فیصلے میں اور شادی میں بڑا فرق ہوتا ہے مس کیتھرین الیگزینڈر براؤن......'' اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''کیا آپ ابھی بھی یہ اندازہ نہیں کر سکیں کہ میں آپ سے شادی کے بارے میں اپنے والدین سے بات کرنے جا رہا ہوں۔'' وہ دم بخود اسے دیکھتی رہی۔ فوری طور پر اسے کس ردعمل کا اظہار کرنا چاہیے، وہ اندازہ نہیں کر سکی۔

''ویل!'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد ایک گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے اپنے اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کی۔

''ویل!'' مظہر نے وہی لفظ استفہامیہ انداز میں دہراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''میں یہ اندازہ کیسے لگا سکتی تھی۔ آپ نے باقاعدہ طور پر مجھے کبھی پرپوز نہیں کیا۔'' وہ اس کی بات پر حیران ہوا۔

''باقاعدہ طور پر کبھی پرپوز نہیں کیا؟ اوکے۔'' وہ یک دم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیا آپ میرڈ ہیں؟'' اس نے کیتھرین کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔'' وہ اس کے سوال اور انداز پر حیران ہوئی۔

''کیا آپ انگیجڈ ہیں؟''

''نہیں۔'' مظہر نے اس کے بالکل سامنے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنا ایک گھٹنا زمین پر ٹیک دیا۔ ایک بازو اس نے کمر کے پیچھے باندھا۔ دوسرا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے کہا۔

''کیا میں آپ سے شادی کی درخواست کر سکتا ہوں۔ مس کیتھرین الیگزینڈر براؤن؟'' وہ چند لمحوں کے لیے دم بخود اسے دیکھتی رہی پھر وہ بے اختیار کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ واضح طور پر وہ اس ساری صورت حال سے بہت محظوظ ہوئی تھی۔ مظہر کی سنجیدگی پر اس کی ہنسی نے کوئی اثر نہیں کیا تھا۔

''کیا میں اپنی درخواست دہرا سکتا ہوں؟'' وہ ایک بار پھر پوچھ رہا تھا۔ کیتھرین کو اور ہنسی آئی۔ اس کی آنکھوں سے اب پانی نکلنا شروع ہو گیا تھا۔ مظہر کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تک نہیں ابھری تھی۔

''میڈم! میں آپ سے بات کر رہا ہوں۔ کیا میں آپ کا ہاتھ مانگ سکتا ہوں؟'' وہ اب بھی اسی سنجیدگی کے ساتھ اپنا ہاتھ آگے بڑھائے ہوئے تھا۔ کیتھرین نے ہنستے ہنستے چند لمحوں کے لیے ایک ہاتھ ہونٹوں پر رکھ کر اپنی ہنسی پر قابو پایا اور دوسرا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''اوہ یس مائی لارڈ۔'' مظہر نے بڑی نرمی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے ہاتھ کی پشت کو چوما۔ "I'm honoured my most gracious lady" اس نے سترھویں صدی کے کسی نائٹ کی طرح کہا اور کیتھرین اپنا ہاتھ کھینچ کر ایک بار پھر اسی طرح ہنسنے لگی۔

مظہر اب زمین سے اٹھ کر دوبارہ بینچ پر بیٹھ چکا تھا۔ اس بار اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

''اتنی ہنسی کیوں آ رہی ہے آپ کو؟''

''میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ.....'' مظہر نے اس کی بات کاٹ دی۔

''آپ نے کہا تھا میں نے آپ کو باقاعدہ طور پر پرپوز نہیں کیا۔ باقاعدہ طور پر تو پھر اسی طرح پرپوز کیا جاتا ہے..... حیران کن بات ہے پچھلے آٹھ ماہ سے میں جس طرح ہر وقت آپ کو ساتھ لیے پھر رہا ہوں، کیا اس کے بعد بھی یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میرا خیال تھا، آپ یہ بات سمجھ چکی ہوں گی مگر.....'' وہ بات کرتے کرتے رک گیا۔ کیتھرین ہنسنا بند کر چکی تھی۔ ''میں نے پہلی بار تمہیں اس طرح ہنستے دیکھا ہے، بہت اچھی لگی ہو۔''

اس نے یک دم بات کا موضوع بدل دیا۔

اس رات پہلی بار گھر جاتے ہوئے کیتھرین کو رستے میں موجود ہر چیز اچھی لگ رہی تھی۔ گندگی کے ڈھیر...... گٹار بجاتے ہوئے ہپی...... لین کے سرے پر کھڑے گالیاں بکتے ہوئے ٹین ایجرز...... بھکاری...... عمارت کی ٹوٹی ہوئی تاریک سیڑھیاں...... اپنے فلیٹ کے ٹوٹے شیشوں والے روشن دان اور کھڑکیاں...... شدید سردی میں باتھ روم میں آنے والا سرد پانی...... کم از کم اس رات اسے کچھ بھی برا نہیں لگا تھا نہ ہی کسی چیز سے گھن آئی تھی۔

''بہت جلد میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔ ایک بہتر اور اچھی جگہ پر جہاں مظہر ہوگا...... پھر ہم ساری عمر اکٹھے گزاریں گے......'' اس نے خواب بننے شروع کر دیے۔

❁

مظہر تین چار دن بعد پاکستان چلا گیا۔ وہ اسے چھوڑنے ایئر پورٹ گئی تھی۔

''میں آپ کو مس کروں گی۔'' اس نے بھیگی آنکھوں کے ساتھ اس سے کہا۔

''میں نہیں کروں گا...... تم وہاں بھی میرے ساتھ ہی ہوگی۔'' وہ کہتے ہوئے مڑ گیا۔ کیتھرین تب تک اسے دیکھتی رہی جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔

مظہر کو پاکستان گئے دو ماہ ہو گئے تھے۔ ان دونوں کا آپس میں کوئی تحریری رابطہ نہیں تھا۔ مظہر اس بلڈنگ سے ضرور واقف تھا جہاں وہ رہتی تھی مگر وہ کبھی اندر اس کے فلیٹ تک نہیں آیا تھا۔ کیتھرین لندن میں اس کی رہائش گاہ سے واقف تھی مگر پاکستان میں نہیں۔ وہ اس کی فیملی کے بارے میں بھی زیادہ نہیں جانتی تھی سوائے اس کے کہ وہ ایک پٹھان گھرانے سے تعلق رکھتا تھا جو کراچی میں رہائش پذیر تھا اور اس کی فیملی بہت جلد سندھ سے پنجاب منتقل ہونے والی تھی۔ اس کے والد کا تعلق قانون کے پیشے سے تھا اور وہ ان ہی کی خواہش پر قانون کی تعلیم حاصل کرنے لندن آیا تھا۔

کوئی رابطہ نہ ہونے کے باوجود اسے کوئی پریشانی نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی مظہر اگرچہ تین ماہ کا کہہ کر گیا ہے مگر اسے تین ماہ سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔ اس کے لیے صرف اتنا کافی تھا کہ وہ واپس آ جائے گا۔

سال ختم ہو رہا تھا۔ کرسمس کا تہوار قریب آ رہا تھا اور زندگی میں پہلی بار اسے اس تہوار سے کوئی تعلق محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے ابھی تک باقاعدہ طور پر اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ وہ مظہر کے آنے کے بعد اس کے ساتھ جا کر یہ کام کرنا چاہتی تھی لیکن اس کے باوجود وہ پہلے کی طرح ہر اتوار کو اسلامک سینٹر جایا کرتی تھی۔

کرسمس سے ایک دن پہلے وہ سارا دن ان جگہوں پر پھرتی رہی جہاں وہ مظہر کے ساتھ جایا کرتی تھی۔ اسے عجیب سی خوشی کا احساس ہو رہا تھا۔ ہر جگہ سے ان کی بہت سی یادیں وابستہ تھیں اور وہ تمام یادوں کو جیسے مجسم اپنے سامنے دیکھنا چاہ رہی تھی۔ وہ تمام جگہیں جو پہلے زیادہ تر سنسان ہوتی تھیں، اس دن لوگوں سے بھری ہوئی تھیں۔ ہر جگہ بہت زیادہ رش تھا۔ ہر جگہ روشنی اور رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ وہ ونڈو شاپنگ کرتے ہوئے

دکانوں میں سجائے جانے والے کرسمس ٹری دیکھتی رہی۔

صبح سے ہونے والی برف باری رات تک جاری رہی تھی مگر برف سے اٹی ہوئی سڑکوں نے بھی لوگوں کے جوش وخروش میں کوئی کمی نہیں کی۔ برف صاف کرنے والی گاڑیاں مسلسل سڑکوں سے برف صاف کرنے میں مصروف تھیں اور ماں باپ کے ساتھ شاپنگ یا تفریح کے لیے آئے ہوئے بچے برف کو اپنی ٹھوکروں سے اڑا رہے تھے۔ کچھ بچے برف کے گولے بنا کر راہ گیروں پر پھینک رہے تھے اور ہر غصیلی نظر پر وہ میری کرسمس کا نعرہ لگاتے دور بھاگ جاتے۔

اپنی لین میں داخل ہوتے ہی اس نے کیرل سنگرز کی ایک ٹولی کو کیرلز گاتے ہوئے گھر گھر جاتے دیکھا۔

بلند آواز سے گائی جانے والی کرسمس کیرل نے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دی۔

''اگر آج سانتا کلاز میرے گھر آئیں تو میں ان سے کہوں گی کہ وہ مظہر کو اسی وقت یہاں لے آئیں میری آنکھوں کے سامنے۔'' وہ اپنے خیال پر بچوں کی طرح کھلکھلائی۔

دس بج کر بیس منٹ پر اس نے اپنے فلیٹ کی واحد کھڑکی بند کر دی۔ وہ اب باہر جھانکتے ہوئے تھک چکی تھی۔ کافی کے ساتھ چند اسنیکس لینے کے بعد جس وقت وہ سونے کے لیے بیڈ پر لیٹی اس وقت گیارہ بج چکے تھے سونے سے پہلے اس نے ان چند لفظوں کو ہمیشہ کی طرح دہرایا جو اس نے اسلامک سینٹر میں سیکھے تھے۔

دوبارہ اس کی آنکھ فائرنگ کی آواز سے کھلی تھی۔ چند لمحے وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے اپنے بیڈ پر ہی لیٹی رہی۔ فائر دوبارہ نہیں ہوا۔ ''شاید یہ کوئی کریکر ہوگا۔ کرسمس کی تقریبات اس وقت شروع ہو چکی ہوں گی۔'' اس نے اندازہ لگانے کی کوشش کی۔ آدھی رات سے زیادہ وقت گزر چکا تھا۔

دوبارہ آنکھیں بند کرنے کی کوشش کرتے ہی وہ ایک بار پھر چونک گئی۔ عمارت میں کہیں دور بہت سے بھاری بوٹوں کی آوازیں آ رہی تھیں پھر کچھ دروازے دھڑ دھڑائے جانے لگے۔ وہ ان بوٹوں کی مخصوص آواز کو بہت اچھی طرح پہچانتی تھی۔ وہ ایک سال جو اس نے ایک Hooker کے طور پر گزارا تھا، اس نے اسے بہت سی چیزوں سے آشنا کر دیا تھا۔

دھڑکتے دل کے ساتھ وہ اپنے بیڈ پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ آوازیں اب اور قریب آتی جا رہی تھیں پھر اس کا دروازہ بھی بلند آواز میں بجایا گیا۔

''کون ہے؟'' وہ اس سوال کا جواب بخوبی جانتی تھی۔ ''اسکاٹ لینڈ یارڈ'' بہت درشت لہجے میں باہر سے جواب دیا گیا تھا۔ اسے اپنا خون اپنی رگوں میں منجمد ہوتا محسوس ہوا۔

نواں باب

اس نے سر اٹھا کر اوپر آسمان کی طرف دیکھا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ اگر وہ ہاتھ بڑھائے تو انھیں چھو سکتی ہے۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی...... وہ آخری سیڑھی سے چند قدم آگے بڑھ آئی۔

❁

مریم پروفیسر عباس کے کمرے میں داخل ہوئی تو اس نے پہلے کی طرح ایک کرسی پر ذالعید کو براجمان پایا۔

''آیئے مریم! میں نے آپ کو بلوایا ہے۔'' پروفیسر عباس نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ایک سرسری نظر وہ ذالعید پر ڈال کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

''میں نے آپ کے ڈیزائنز دیکھے ہیں اور میں آپ کے کام سے خاصا متاثر ہوا ہوں۔ میں چاہتا ہوں، آپ میرے لیے کام کریں۔''

ذالعید نے اس کے بیٹھتے ہی کسی تمہید کے بغیر کہا، وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔ وہ خاموش ہوا تو اس نے کہا۔

''میں آپ کے لیے کام نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ خاموش ہوا تو اس نے اسی سپاٹ چہرے کے ساتھ کہا۔

''مریم! یہ اصل میں پچھلے دنوں بہت مصروف تھا، اس لیے آپ سے مل نہیں سکا۔ اس نے مجھ سے معذرت کی ہے۔'' پروفیسر عباس نے مداخلت کی۔

''ہوسکتا ہے ایسا ہی ہو، مگر اب میں بہت مصروف ہوں اور میرے پاس وقت نہیں ہے۔'' وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

''مریم! میں جانتا ہوں آپ مجھ سے ناراض......'' ذالعید اپنی بات مکمل نہیں کرسکا۔ مریم نے بہت سرد آواز میں اس کی بات کاٹ دی۔

''ایکسکیوزمی...... میں آپ سے ناراض کیوں ہوں گی؟ آپ میرے کلاس فیلو نہیں...... کالج فیلو نہیں...... میں آپ کو جانتی تک نہیں آپ میرے نزدیک محض ایک اجنبی ہیں اور آپ کا خیال ہے کہ میں آپ سے ناراض ہوسکتی ہوں۔'' وہ ایک جھپاکے کے ساتھ کمرے سے نکل گئی۔

''میں نے تمھیں پہلے ہی بتا دیا تھا۔ وہ اب کسی طور تمھارے لیے کام کرنے پر تیار نہیں ہوگی۔ تم اسے انا کا مسئلہ سمجھو یا پھر ضد مگر وہ اب کام نہیں کرے گی۔''

ذالعید نے بڑی گہری خاموشی کے ساتھ پروفیسر عباس کی بات سنی، وہ کچھ سوچنے لگا تھا۔

❁

وہ پروفیسر عباس کے کمرے سے اس کے پیچھے ہی باہر نکلا۔

''ایکسکیوزمی مریم!'' اس نے کوریڈور میں جاتی ہوئی مریم کو روک لیا۔

''میں چاہتا ہوں کہ ہمارے درمیان جو غلط فہمی ہو گئی ہے وہ دور ہو جائے۔'' وہ بازو لپیٹے سرد نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

''میری واقعی یہ خواہش ہے کہ آپ میرے لیے کام کریں۔''

''مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی آپ کے بارے میں، میں آپ کو ویسا ہی سمجھی ہوں جیسے آپ ہیں۔''

''مریم! میں آپ کے کام کی بہت قدر کرتا ہوں۔ آپ ایک اچھی آرٹسٹ ہیں اور میں واقعی چاہتا ہوں کہ آپ کو بڑے پیمانے پر کام کرنے کا موقع ملے۔''

''مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ آپ میرے کام کی قدر کرتے ہیں یا نہیں اور میں اچھی آرٹسٹ ہوں یا بری۔ اس کے لیے بھی مجھے آپ کا سرٹیفکیٹ نہیں چاہیے۔ ذالعید صاحب کو مریم کے کام کی ضرورت ہو سکتی ہے مگر مریم کے کام کو کسی ذالعید صاحب کے لیبل کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ یک دم مسکرایا۔

''آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ مجھے آپ کے کام کی ضرورت ہے، آپ کے کام کو اپنی پہچان کے لیے واقعی کسی کے نام کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس کی تعریف نے بھی مریم کا غصہ ٹھنڈا نہیں کیا۔

''میں صرف یہ نہیں سمجھ سکی کہ آپ نے مجھے دو دن اس طرح خوار کیوں کیا۔ آپ کو اتنے مینرز نہیں ہیں کہ خواتین سے کیسے بات کرتے ہیں۔ آپ آرٹ کی قدر دانی کا دعویٰ کرتے ہیں اور آپ کو اتنا پتا نہیں ہے کہ آرٹسٹ سے کس طرح ملتے ہیں۔ میں آپ کے پاس کام مانگنے نہیں گئی تھی۔ آپ آئے تھے۔ اور اس کے بعد آپ نے ایک بھکاری کی طرح مجھے ٹریٹ کیا۔ یہ وہ پروفیشنلزم ہے۔ جس کی آپ بات کر رہے تھے؟''

ذالعید کا چہرہ ہلکا ہلکا سرخ ہونے لگا مگر وہ خاموشی سے اس کی بات سنتا رہا۔

''مریم! مجھے پہلی بار آپ سے گفتگو کر کے یوں لگا تھا جیسے آپ نے میری بات سنی ہی نہیں یا کم از کم غور سے نہیں سنی۔ آپ نے کوئی سوال نہیں کیا۔ آپ نے کسی پوائنٹ پر کوئی اختلاف نہیں کیا۔ حتیٰ کہ جب میں نے آپ سے یہ کہا کہ آپ مجھ سے اس پروجیکٹ کے بارے میں کچھ بھی پوچھ لیں تو آپ نے صرف پیکج کے بارے میں پوچھا۔ مجھے تھوڑا عجیب لگا۔ مجھے لگا آپ کو کام سے زیادہ معاوضے میں دلچسپی ہے۔ مجھے یہ بھی محسوس ہوا کہ شاید آپ اتنے پروفیشنل اور مخلص طریقے سے کام نہ کر سکیں۔ جس طرح میں چاہتا تھا۔ اس لیے میں نے سوچا، میں آپ سے کام نہیں کراؤں گا۔ آپ کے سامنے انکار کرنا مجھے مشکل لگ رہا تھا، اس لیے میں نے ان ڈائریکٹ طریقے سے آپ کو یہ بتانے کی کوشش کی کہ میں آپ کے ساتھ کام نہیں کرنا چاہتا۔ مگر میں نے آپ کے ڈیزائنز دیکھے تو مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔''

اس نے وضاحت کرنے کی کوشش کی مگر اس کی وضاحت نے مریم کے غصے کو کچھ اور بھڑکایا۔

''آپ میں اتنے گٹس ہونے چاہیے تھے کہ اگر آپ میرے ساتھ کام نہیں کرنا چاہتے تھے تو صاف صاف اسی وقت مجھے بتا دیتے۔ مجھے بالکل برا نہیں لگتا۔ آپ کا پروفیشنلزم آپ کی اپنی ذات کی حد تک ہے۔ آپ نے میرے ساتھ مس بی ہیو کیا اور اب سیدھے طریقے سے یہ کہنے کے بجائے کہ آپ کا رویہ بالکل غلط تھا۔ آپ توجیہات دے رہے ہیں کہ چونکہ آپ نے یہ محسوس کیا۔ تو پھر آپ نے سوچا...... اور پھر آپ نے اس لیے

یہ کیا۔ آپ اپنی غلطی چھپانے کے بجائے صاف صاف یہ کیوں نہیں کہتے کہ آپ کو بزنس کی فیلڈ میں ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے۔ پیشہ ورانہ اخلاقیات اور ویلیوز بھی۔'' ذالعید نے یک دم دونوں ہاتھ اٹھائے۔

''ٹھیک ہے میں کوئی توجیح نہیں دیتا۔ میں مکمل طور پر غلط تھا اور آپ ٹھیک کہتی ہیں، مجھے ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے۔''

''آپ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ آرٹسٹ آپ کے لیے فی سبیل اللہ کام کرے۔'' اس نے اس کی بات پر غور کیے بغیر اپنی بات جاری رکھی۔

''آپ لوگ چاہتے ہیں کہ آرٹسٹ معاوضے کے بارے میں کبھی بات نہ کرے۔''

''مریم، میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ میں نے آپ سے اس دن یہی کہا تھا کہ اگر میں کام اپنی مرضی کا کرواؤں گا تو معاوضہ آپ کی مرضی کا دوں گا۔'' ذالعید نے نرم لہجے میں اس کی بات کاٹی۔

''ابھی آپ نے کہا ہے کہ آپ کو میرا معاوضہ ڈسکس کرنا برا لگا، آپ کو لگا، میں پروفیشنل نہیں ہوں۔ کسی بزنس ایڈمنسٹریشن کے ادارے میں جایئے اور ان سے پوچھیے کہ کون سی تین بنیادی چیزیں ہیں جو کسی بھی پروجیکٹ کو کرتے ہوئے سب سے پہلے ڈسکس کرنی چاہئیں۔ ان میں سے ایک وہ معاوضہ ہی بتائیں گے۔ کتنا عرصہ ہمارے پینٹرز اپنا خون پسینہ رنگوں کی صورت میں کینوس پر بکھیرنے کے بعد انھیں کوڑیوں کے موڑ بیچتے رہیں گے کیونکہ آپ جیسے نام نہاد آرٹ کے دلدادہ اور قدر دان یہ بات نامناسب سمجھتے ہیں کہ ایک آرٹسٹ اپنی پینٹنگ، اپنا کام مہنگا بیچنا چاہتا ہے۔ وہ تصویر بنانے سے پہلے یہ جاننا چاہتا ہے کہ اس کو اس تصویر کا کیا معاوضہ ملے گا۔ کتنی اور صدیاں ہم اپنے آرٹسٹ کو اسی طرح قدر دانی اور تعریفوں کے جھوٹے انبار تھماتے رہیں گے۔ کیا تعریف اس کے چولہے کا ایندھن بن سکتی ہے؟ اس کے پیٹ کی بھوک مٹا سکتی ہے؟ اس کے بچوں کی فیسیں دے سکتی ہے مت تعریفیں کیا کریں آپ آرٹسٹ کے آرٹ کی۔ صرف اسے اس کے کام کی مناسب قیمت دے دیا کریں اور معاوضے کی اس ڈسکشن کو اب غیر پیشہ ورانہ اور مادہ پرستی سمجھنا چھوڑ دیں۔ آرٹسٹ کو بھی اتنا ہی حق ہے اپنا معاوضہ ڈسکس کرنے کا۔ جتنا کسی ڈاکٹر کو یا وکیل کو وہ آپ سے بھیک نہیں مانگ رہا ہوتا۔ وہ بھی آپ کو ایک سروس دے رہا ہوتا ہے آپ کے حسن جمال کی تسکین کر رہا ہوتا ہے۔ جہاں تک آپ کے لیے دوبارہ کام کرنے کی بات ہے، آپ چاہیں تو میرے ڈیزائن استعمال کر لیں مگر مجھے اب آپ کے لیے کام نہیں کرنا۔'' وہ لال بھبھوکا چہرے کے ساتھ وہاں سے چلی گئی۔

❁

صوفیہ نے اس دن ذالعید اور مریم کو کوریڈور میں باتیں کرتے دیکھ لیا تھا اور اس نے ذالعید کو فون کر کے اس گفتگو کے بارے میں پوچھا۔

ذالعید نے اسے پوری تفصیل بتا دی۔

''میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ اس میں بہت نخرہ ہے۔ تم کیوں خوامخواہ اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔ دفع کرو اسے۔ این سی اے میں ایک سے بڑھ کر ایک آرٹسٹ ہے تم نے اتنے لوگوں سے ڈسکشن کی ہے۔ ان میں سے کسی کو ہائر کر لو۔'' صوفیہ نے اس کی پوری بات سننے کے بعد تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں اب تو یہی کروں گا۔ میں پھر بھی میں سب کچھ کلیئر کرنا چاہتا تھا۔''

''تمہیں کیا ضرورت ہے کچھ بھی کلیئر کرنے کی۔ اس طرح کے لوگوں کو سر پر چڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ تم نے خوامخواہ میں اس کی بکواس سنی۔''

''نہیں۔ اس نے جو کچھ کہا، وہ ٹھیک تھا مگر اس کے کہنے کا طریقہ غلط تھا۔ چھوٹی موٹی غلط فہمیوں پر اس طرح ری ایکٹ نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے تو ویسے بھی اس سے ایکسکیوز کر لیا تھا۔'' مریم کے رویے کے حوالے سے ذالعید کو بھی کچھ اعتراضات تھے۔

❀

وہ اس دن ذالعید کو جتنا برا بھلا کہہ سکتی تھی۔ اس نے کہا تھا۔ اس کی معذرت بھی مریم کا دل صاف نہیں کر سکی۔ اس کا خیال تھا وہ صرف اپنا مطلب نکلوانے کے لیے اس کے پاس آیا تھا۔ ورنہ وہ اتنا مہذب نہیں تھا جتنا وہ نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ذالعید سے ہونے والی اس گفتگو کے چند دن بعد صوفیہ اس کے پاس ایک لفافہ لے کر آئی۔ چند رسمی سی باتیں کرنے کے بعد اس نے اپنے بیگ سے وہ لفافہ نکال کر مریم کے سامنے کر دیا۔

''یہ ان ڈیزائنز کی قیمت ہے جو تم نے ذالعید کے لیے بنائے تھے۔ ذالعید نے یہ چیک دیا ہے۔''

مریم کو ایک بار پھر اپنی توہین کا احساس ہوا۔

''مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ چیک اسے واپس کر دینا اور بتا دینا کہ اس چیک سے وہ تھوڑے سے مینرز ضرور خرید لے۔'' اس نے تیز لہجے میں کہتے ہوئے اپنی تصویر پر کام جاری رکھا۔ صوفیہ کو اس کا لہجہ بہت برا لگا۔

''ذالعید کو مینرز کی ضرورت نہیں ہے مریم! تمہیں مینرز کی ضرورت ہے۔'' مریم نے کینوس پر کام کرتے ہوئے اپنا ہاتھ روک لیا۔

''مجھے تمہارے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔'' برش کے پچھلے سرے سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا۔

''تم Carrier کا کام کر رہی ہو صرف وہ کرو۔'' وہ دوبارہ پینٹنگ بنانے لگی۔ Carrier کے لفظ نے صوفیہ کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی۔ اس نے لفافہ کھینچ کر مریم کے منہ پر مارا۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی یہ کہنے کی۔ پہلے پیسے مانگتی ہو اور اس کے بعد نخرے دکھاتی ہو۔'' مریم لال بھبھوکا چہرے کے ساتھ کچھ کہے بغیر اسے دیکھتی رہی وہ نہیں چاہتی تھی اب بات اور بڑھے۔ ادھر ادھر کھڑے ہوئے اسٹوڈنٹس ان کی طرف متوجہ ہونے لگے تھے۔

''ہو کیا تم...... تمہاری جیسی لاکھوں پڑی ہوئی ہیں یہاں...... اپنا آرٹ لیے پھرتی ہیں...... کون ہو تم؟ مائیکل اینجلو ہو...... ریمبراں ہو...... پکاسو ہو...... چار لفظ تعریف کے مل جائیں تو تم جیسے لوگ آسمان پر چڑھ جاتے ہو خود کو کوئی اور چیز سمجھنے لگتے ہو۔ اسی سے پتا چلتا ہے کہ تمہارا خاندان کیا ہے۔ تم لوگ اسی طرح گند مچاتے ہو، اچھے اداروں میں آ کر۔''

وہ سرخ چہرے کے ساتھ پیر پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ مریم کو اندازہ ہو چکا تھا کہ اگلے چند گھنٹوں میں یہ خبر پوری کلاس میں پھیلنے والی

تھی، اس کے دل میں ذالعید کے لیے عداوت کچھ اور بڑھ گئی۔ صوفیہ کے ذریعے یہ چیک بھیج کر وہ کیا ثابت کرنا چاہتا تھا؟ یہ کہ وہ میرا کوئی احسان نہیں لے رہا۔ یا یہ کہ وہ بہت پروفیشنل ہے۔ اس نے چیک والا لفافہ اٹھاتے ہوئے تلخی سے سوچا۔

وہ لفافہ اس نے مصطفیٰ کو دے دیا جو اس پروجیکٹ پر مریم کے انکار کے بعد ذالعید کے ساتھ کام کر رہا تھا۔

''یہ ذالعید کو دے دیں۔'' اس نے کسی لمبی چوڑی تفصیل کے بغیر کہا۔

''ہم آپ کی لائنز پر ہی مزید کام کر رہے ہیں مریم! آپ کے ڈیزائنز میں کوئی زیادہ تبدیلی نہیں کر رہے ہم۔''

مصطفیٰ نے بڑی دلچسپی کے ساتھ اسے بتایا وہ کوئی تبصرہ کیے بغیر ایک مسکراہٹ کے ساتھ واپس آ گئی۔ اتنا سب کچھ ہونے کے بعد اسے اب کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ وہ اس کے ڈیزائنز پر ہی مزید کام کر رہا ہے یا نہیں۔

❁

وہ صوفیہ کو شروع سے ہی پسند نہیں کرتی تھی اور کچھ یہی حال صوفیہ کا بھی تھا۔ صوفیہ ان چند لڑکیوں میں شامل تھی جن کا خیال تھا کہ مریم خود کو سب سے اعلیٰ وارفع سمجھتی ہے۔ اسے اپنے کام اور اکیڈمک پرفارمنس پر ضرورت سے زیادہ فخر ہے۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ پروفیسرز کی بے جا تعریفوں نے اس کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ کسی حد تک شاید یہ بات ٹھیک بھی تھی کہ مریم کو اپنے کام پر بہت فخر تھا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اپنے کالج میں سب سے اچھا اور مختلف کام کرنے والے اسٹوڈنٹس میں سے تھی اور اس کے اپنے بیچ میں کوئی بھی اپنی تخلیقی صلاحیتوں یا پرفیکشن میں اس کے ہم پلہ نہیں ہے۔

اس کے ٹیچرز کا خیال تھا کہ وہ خاص طور پر پینٹنگ میں باقی سب لوگوں کو بہت پیچھے چھوڑ چکی ہے۔ شاید اپنے کام کے حوالے سے یہ خود اعتمادی اس کے رویے میں بھی جھلکتی تھی اور اس نے صوفیہ جیسی لڑکیوں کے دل میں اس کے لیے خاصی بدگمانی پیدا کر دی تھی۔ اس بدگمانی کو بڑھانے میں اس کے ریزرو رہنے کا بھی بہت ہاتھ تھا۔

دوسری طرف مریم کی رائے بھی صوفیہ اور صوفیہ جیسی کچھ دوسری لڑکیوں کے بارے میں اچھی نہیں تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ وہ این سی اے جیسے بڑے ادارے کے میرٹ پر پورا نہیں اترتیں۔ وہاں ایڈمیشن حاصل کرنے میں کامیابی انھیں ان کے آرٹ کی وجہ سے نہیں، بلکہ تعلقات اور پیسے کی وجہ سے ہوئی تھی۔

اس نے خود این سی اے میں داخلے کے وقت میرٹ لسٹ پر ٹاپ کرنے کے باوجود صرف پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے خاصی مشکلات کا سامنا کیا تھا۔ اس کا خیال تھا این سی اے صرف ان لوگوں کو آرٹ سکھا رہا ہے جن کے پاس روپیہ اور بے تحاشا سہولتیں ہیں۔ اس کلاس کے لیے کچھ نہیں کر رہا جس کے پاس ٹیلنٹ کی بھرمار ہے، مگر وسائل نہیں اور اس کی یہ رائے بالکل ٹھیک تھی۔

خود اسے وہاں ایڈمیشن تب ہی مل سکا تھا جب اس کے سکول کی مدر سپیریئر نے اس کی درخواست پر اپنے تعلقات کو استعمال کرتے ہوئے این سی اے کے بورڈ آف گورنرز کے ایک ممبر سے اس کے لیے سفارش کروائی۔ نتیجتاً اس کی فیس معاف ہو گئی مگر اس سب کے لیے اسے اور ماما جان کو خاصی دوڑ دھوپ کرنی پڑی۔

مگر کالج میں داخلہ حاصل کرنے کے بعد اس نے صوفیہ جیسے بہت سے نام نہاد آرٹسٹ دیکھے۔ جو اپنے روپے کے بل پر این سی اے کا ٹھپہ لگوانے کے لیے وہاں موجود تھے۔

''برش سے کینوس پر چار اسٹروک لگا دینے والا ہر شخص آرٹسٹ نہیں ہو جاتا۔'' وہ واضح طور پر کہا کرتی۔ وہ صوفیہ اور اس کے ساتھ رہنے والی کچھ دوسری لڑکیوں کو ہی نہیں بلکہ کالج میں موجود اس جیسی اور بھی بہت سی لڑکیوں کو Artistic Snob کہا کرتی تھی۔

''ان لوگوں کے رشتہ داروں، کزنز اور دوستوں کے علاوہ کون خریدتا ہے ان لوگوں کا آرٹ؟ مروت میں ہوتی ہے یہ خریداری...... اس لیے قیمت زیادہ لگتی ہے۔'' اس کے یہ تبصرے صوفیہ اور دوسری لڑکیوں تک بڑی آسانی سے پہنچ جاتے۔

اس کے مزاج میں ان دنوں اس لیے بھی تلخی تھی کیونکہ وہ ماما جان کے ساتھ انگلینڈ جانے کے مسئلے پر الجھ رہی تھی...... اسے اپنا مستقبل بالکل بھی محفوظ نظر نہیں آ رہا تھا اور صوفیہ اور اس جیسی لڑکیاں ان دنوں اسے اور بھی زیادہ بری لگ رہی تھیں۔

صوفیہ کی ذالعید کے ساتھ رشتہ داری ہونے اور ذالعید کے اس رویے نے صوفیہ کی طرف سے اس کا دل اور کھٹا کیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ صوفیہ نے ذالعید کو کام دینے سے منع کیا ہوگا۔ اس کا یہ بھی خیال تھا کہ اس دن ذالعید کے آفس میں صوفیہ ہی تھی۔ جس نے ذالعید کو اسے چند دن بعد بلوانے کے لیے کہا تھا۔ وہ غیر محسوس طور پر ذالعید کے ہر رویے کا تعلق صوفیہ سے جوڑ رہی تھی اور اب صوفیہ کے ہاتھوں بھیجے جانے والے اس چیک نے اس یقین کو اور پختہ کر دیا تھا۔

❁

میں اس کے ڈیزائنز استعمال کر رہا ہوں اس لیے اس کو معاوضہ دینا چاہتا ہوں۔ تم میری طرف سے شکریہ کے ساتھ اسے یہ چیک دے دینا۔'' ذالعید نے مریم کے لیے چیک دیتے ہوئے صوفیہ سے کہا۔

''ٹھیک ہے میں اسے یہ چیک دے دوں گی مگر بہتر تھا تم خود ہی اسے یہ دیتے۔ میں اس سے زیادہ بات نہیں کرنا چاہتی ہوں۔''

''میں خود اسے دے دیتا مگر مجھے خدشہ ہے کہ وہ شاید مجھ سے چیک نہ لے اس لیے میں چاہتا ہوں تم اسے یہ دے دو۔'' ذالعید کو واقعی یہ توقع تھی کہ وہ ایک بار پھر اس کے ساتھ بری طرح پیش آئے گی۔

مگر اگلے دن صوفیہ کی مریم کے ساتھ ہونے والی گفتگو کی تفصیلات سن کر اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ وہ اس شام صوفیہ کے ساتھ ڈنر کر رہا تھا جب اس نے اس چیک کے بارے میں پوچھا تھا۔ ''وہ اس قدر بدتمیز ہے کہ اسے ایک روپیہ بھی ملنا نہیں چاہیے۔'' صوفیہ نے غصے میں کہا۔

''کیوں کیا ہوا؟''

''میں نے اسے چیک دیا تھا تو اس نے کہا کہ مجھے اس چیک کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ذالعید کو دو اور اس سے کہو اس چیک سے تھوڑے مینرز خرید لے۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''پھر میں نے اس سے کہا کہ مینرز کی اسے نہیں تمہیں ضرورت ہے۔ تم جانتے ہو، اس نے جواب میں مجھے کیا کہا؟'' وہ اس تفصیل کو

انجوائے کر رہا تھا۔

''اس نے مجھ سے کہا کہ اسے میرے مشوروں کی ضرورت نہیں ہے۔ میں Carrier ہوں، اپنا کام کرتی رہوں۔''

ذالعید کو پانی پیتے ہوئے دم اچھو لگا۔ گلاس میز پر رکھتے ہوئے نیپکن سے منہ صاف کرتے ہوئے وہ ہنسا۔

''اس نے میری انسلٹ کی اور تم ہنس رہے ہو۔''

صوفیہ کو اس کی ہنسی بری لگی۔

''میں اس کی Vocabulary (ذخیرہ الفاظ) پر ہنس رہا ہوں۔ واقعی اس نے ایک انتہائی غصہ دلانے والا لفظ استعمال کیا ہے...... بہت خراب۔'' اس نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

''پھر میں نے خاصی انسلٹ کی اس کی...... اس کے منہ پر چیک مارا میں نے۔'' ذالعید کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوگئی۔ وہ یک دم سنجیدہ ہو گیا۔

''صوفیہ! یہ نہیں کرنا چاہیے تھا تمہیں۔''

''کیوں...... وہ سب کی بے عزتی کرتی پھرے اور اسے کوئی پوچھنے والا نہ ہو...... میں تمہاری طرح تو اپنی بے عزتی کروانے سے رہی۔'' اس نے مریم کو کہی جانے والی ساری باتوں کی تفصیل سناتے ہوئے کہا۔

ذالعید کو اس کی باتیں سن کر شدت سے افسوس ہوا کہ اس نے وہ چیک مریم کو خود دینے کے بجائے صوفیہ کے ہاتھوں کیوں بھجوایا۔

''جو بھی ہو صوفیہ! تم نے ٹھیک نہیں کیا...... بہر حال اب ساری باتیں چھوڑو۔ کھانا کھاؤ۔'' اس نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ وہ اب کچھ متفکر نظر آنے لگا تھا۔

اگلے دن مصطفیٰ کے ذریعے اسے وہ چیک واپس مل گیا اور اس کے افسوس میں کچھ اور اضافہ ہو گیا وہ جانتا تھا۔ مریم اب اسے پہلے سے زیادہ ناپسند کرنے لگی ہوگی۔

دسواں باب

اس رات اس عمارت پر اسکاٹ لینڈ یارڈ نے چھاپہ مارا۔ کرسمس سے چند دن پہلے اس عمارت کے باہر کسی کا قتل ہوا تھا۔ اس وقت بھی پولیس وہاں آئی تھی۔ قتل کس نے کیا تھا؟ کیوں کیا تھا؟ قتل کون ہوا تھا؟ پولیس کو کس پر شک تھا؟ کیتھرین کو کچھ اندازہ نہیں تھا۔

مگر وہاں پر چھاپہ اس قتل کے سلسلے میں نہیں ہوا تھا۔ بہت ماہ کی پلاننگ کے بعد سکاٹ لینڈ یارڈ نے اس عمارت پر ڈرگز کی برآمدگی کے لیے چھاپہ مارا تھا اور وہ اس میں کامیاب رہے تھے۔ اس عمارت کے مختلف حصوں سے انھوں نے بہت سے مشکوک لوگوں کو حراست میں لیا تھا اور کیتھرین بھی ان میں سے ایک تھی۔ انھوں نے اس کے بارے میں جو چھان بین کی تھی اس میں ایک Hooker کے طور پر اس کی گذشتہ سرگرمیاں بھی تھیں۔

کیتھرین کے فلیٹ کی تلاشی کے دوران وہاں سے کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ملی۔ اس کے باوجود پولیس نے کئی گھنٹوں تک اس سے پوچھ گچھ کی۔ Hooker کے طور پر اس کے پچھلے ریکارڈ کو اس سے ڈسکس کیا گیا۔ اس عمارت میں آنے جانے والے لوگوں کے بارے میں اس سے پوچھا گیا۔ حتیٰ کہ مظہر کے بارے میں بھی اس سے پوچھا گیا بے تحاشا خوفزدہ ہونے کے باوجود وہ اس بات پر مصر رہی کہ اسے اس عمارت میں ہونے والی سرگرمیوں کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے۔

کئی گھنٹوں کے بعد وہ بھی اس عمارت کے ان مکینوں میں شامل تھی جنھیں مشکوک نہ سمجھتے ہوئے چھوڑ دیا گیا تھا۔ خوفزدہ ہونے کے باوجود وہ خوش اور مطمئن تھی کہ وہ رہائی پا چکی ہے۔ یہ اس کی غلط فہمی تھی وہ اب اس سے بڑے جال میں پھنسنے والی تھی۔

❁

گھر پہنچنے کے تین گھنٹے بعد ایک بار پھر اس کے دروازے پر دستک ہوئی۔ کیتھرین نے کچھ خوف کے عالم میں دروازہ کھول دیا۔

''ہمارا تعلق اسکاٹ لینڈ یارڈ سے ہے۔ آپ کو پھر ہمارے ساتھ چلنا ہے۔'' کیتھرین نے ان کا بیج دیکھنے کی ضد نہیں کی۔ وہ خاموشی کے ساتھ اپنا کوٹ اور بیگ لے کر باہر نکل آئی۔

نیچے آ کر اسے حیرانی ہوئی جب وہ اسے کسی پولیس کار میں بٹھانے کے بجائے ایک پرائیویٹ کار میں بٹھانے لگے۔ وہ کچھ الجھتے ہوئے کار میں بیٹھ گئی وہ دونوں آدمی اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر موجود شخص نے کار چلا دی۔

مین روڈ پر آتے ہی اس کے دائیں طرف بیٹھے ہوئے شخص نے اپنے کوٹ کی جیب سے ایک بوتل نکالی اور بہت تیزی سے کیتھرین کے چہرے پر اسپرے کیا۔ سانس لیتے ہوئے اسے یک دم اپنا ذہن ماؤف ہوتا محسوس ہوا اور اگلے ہی لمحے اسے اپنے اردگرد تاریکی چھاتی محسوس ہوئی۔

❁

کیتھرین نے آنکھ کھلنے پر خود کو ایک کمرے میں پایا۔ وہ کچھ دیر بستر پر پڑی اپنے اردگرد کے ماحول کو سمجھنے کی کوشش کرتی رہی پھر وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔ بھاگتے ہوئے وہ کمرے کے دروازے کی طرف گئی اور اس نے اسے کھولنے کی کوشش کی مگر دروازہ نہیں کھلا۔ وہ کھڑکی کی طرف گئی اور ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے پردے کھینچ دیے چند لمحوں کے لیے وہ ہل بھی نہیں سکی۔

وہ لکڑی کے بنے ہوئے اس گھر کی دوسری منزل پر تھی اور دور دور تک کہیں بھی کوئی گھر نہیں تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی ویرانے میں آ گئی ہو، مگر وہ جانتی تھی کہ وہ کسی ویرانے میں نہیں آئی۔ وہ شہر سے باہر مضافاتی علاقے کے کسی گھر میں تھی اور مسلسل ہونے والی برف باری نے اردگرد موجود تمام سبزہ ڈھک دیا تھا۔ باہر دور دور تک گرتی ہوئی برف کے علاوہ کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

''پولیس مجھے اس طرح...... ایسی جگہ پر کیوں لے کر آئے گی۔'' اسے یک دم خوف محسوس ہونے لگا واپس دروازے کی طرف جا کر اس نے زور زور سے دروازے کو دھڑ دھڑایا۔

کچھ دیر بعد اچانک اسے دروازے کے باہر چند لوگوں کے بولنے کی آواز آنے لگی۔ وہ دروازہ بجانا بند کر کے پیچھے ہٹ گئی۔ حسب توقع دروازہ کھل گیا تھا۔ اس نے تین آدمیوں کو اندر آتے دیکھا ان میں سے ایک وہی تھا جو اس کے فلیٹ پر آیا تھا۔

''تمہارا تعلق پولیس سے نہیں ہے۔ مجھے یہاں پر اس طرح کیوں لے کر آئے ہو؟''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو کیتھرین! ہمارا تعلق پولیس سے نہیں ہے۔'' اسی آدمی نے بڑے پرسکون انداز میں کہا۔

''اور تم اس وقت لندن میں بھی نہیں ہو۔ کل تمھیں کچھ دوسری لڑکیوں کے ساتھ لیسٹر بھجوا دیا جائے گا۔ ہم لوگ کال گرلز کا ایک ریکٹ چلاتے ہیں اور اب تم ہمارے لیے کام کرو گی۔''

کیتھرین کے جسم پر چیونٹیاں رینگنے لگیں۔

''تم لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے میں کال گرل نہیں ہوں میں......'' اس آدمی نے اس کی بات کاٹ دی اور جیب سے کچھ کاغذات نکالتے ہوئے کہا۔

''تم کیا ہو؟'' ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ کیتھرین الیگزینڈر براؤن...... عمر اٹھارہ سال دو ماہ...... ماں کا نام روتھ براؤن۔ باپ کا نام علیم ساجد۔ وہ پاکستانی تھا۔ دو سال پہلے تمہاری ماں کا انتقال ہوا، وہ ایک بار میں کام کرتی تھی۔ اس کے بعد تم نے ایک Hooker کے طور پر کام کرنا شروع کر دیا۔''

''میں نے وہ کام چھوڑ...... دیا...... میں اب...... ایک سٹور پر کام کرتی ہوں۔ میں سب کچھ چھوڑ چکی ہوں۔''

وہ اب دہشت زدہ ہو رہی تھی۔ وہ آدمی کاغذ پر نظریں جمائے بولتا رہا۔

''بہن بھائی...... کوئی نہیں۔ رشتہ دار......'' وہ اب اس کے رشتہ داروں کی تفصیل بتا رہا تھا وہ لرزتے وجود کے ساتھ اس شخص کو بولتے سنتی رہی بہت دیر بعد وہ خاموش ہو گیا۔ اس کے پاس واقعی کیتھرین کے بارے میں ساری معلومات تھیں۔

''ہم تمھیں بہت اچھا معاوضہ دیں گے۔ اچھا فلیٹ ہوگا اور......'' کیتھرین نے اس کی بات کاٹ دی۔

''دیکھیں میں Hooker نہیں ہوں۔ میں اب کوئی غلط کام نہیں کرتی۔ میں بہت جلد شادی کرنے والی ہوں۔ میرا منگیتر پاکستان گیا ہے۔ چند ہفتوں کے بعد واپس آ جائے گا اور اور ہم دونوں۔'' اس شخص نے کرخت لہجے میں اس کی بات کاٹی۔

''مظہر خان۔ یہی نام ہے اس کا، وہ اب کبھی واپس نہیں آئے گا نہ ہی تمھارے ساتھ شادی کرے گا۔ اپنی مرضی سے یا زبردستی تمھیں کام وہی کرنا ہے جو میں تمھیں بتا رہا ہوں۔ ہم بہت اچھی طرح جانتے ہیں تمھارے پیچھے کوئی نہیں ہے۔ اس لیے بہتر ہے تم ہمارے لیے کام کرو، میں دروازہ بند کر رہا ہوں اب جتنا چاہو اسے بجاؤ، یہ نہیں کھلے گا، نہ ہی تمھارا شور سن کر یہاں کوئی آئے گا۔ بہتر ہے، تم اتنی زحمت کرنے کے بجائے آرام سے بیٹھی رہو۔''

وہ شخص دوسرے دونوں آدمیوں کے ساتھ دروازہ بند کر کے چلا گیا۔ کیتھرین وہیں کمرے کے وسط میں کھڑی رہی۔ اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا یہ سب اس کے ساتھ ہوا ہے۔ ''اس طرح مجھے کیسے لا سکتے ہیں یہ لوگ؟ اور میرے بارے میں اتنا سب کچھ کیسے جانتے ہیں؟ پولیس اور مظہر کے علاوہ تو...... کیا مجھے؟...... انھیں مجھ تک کس نے پہنچایا ہے؟ میرا ایسا دشمن کون ہو سکتا ہے؟ جو...... پچھلے آٹھ ماہ سے مظہر کے علاوہ تو میں کسی کے ساتھ بھی نہیں رہی پھر...... اور یہ کہہ رہے ہیں کہ مظہر کو کیسے جانتے ہیں یہ......؟ کیا انھیں مظہر نے......'' وہ کمرے میں پاگلوں کی طرح چکر کاٹتے کاٹتے رک گئی۔

''کیا مظہر نے انھیں مجھ تک پہنچایا ہے؟ کیا مظہر آٹھ ماہ سے اسی کام کے لیے مجھے ٹریپ کر رہا تھا؟ کیا وہ مجھ پر اس لیے روپیہ خرچ کرتا رہا کیا مجھے مظہر نے دھوکا دیا ہے؟ ہاں مظہر کے علاوہ تو کوئی اور میرے اتنا قریب نہیں رہا جو یہ تک جانتا ہو کہ میرا باپ پاکستانی اور اس کا نام علیم ہے۔ مگر مظہر میرے ساتھ فریب کیسے کر سکتا ہے وہ تو مجھ سے محبت کرتا تھا۔ مجھے اس طرح دلدل میں دھکا کیسے دے سکتا ہے؟''

کیتھرین کو رونا نہیں آیا خشک آنکھوں کے ساتھ وہ کھڑکی کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

''اس نے مجھے برباد کر دیا اس نے مجھے مار دیا'' اس کے کانوں میں اپنی ماں کی شراب کے نشے میں ڈوبی ہوئی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔

''اس نے مجھے تباہ نہیں کیا۔'' وہ باہر گرتی برف کو دیکھتے ہوئے بڑبڑانے لگی۔

''اس نے مجھے مارا بھی نہیں، اس نے مجھے زندہ برف میں دفن کر دیا ہے اور دفن ہونے کے بعد اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ مجھ پر کتنی برف گرتی ہے میں تو صرف یہ چاہتی ہوں کہ اب یہ برف کبھی نہ پگھلے کبھی کوئی دوبارہ میرا وجود تک نہ دیکھ پائے۔ مظہر خان......'' وہ بے اختیار ہنسی اس نے کھڑکی کے شیشے پر اپنا سانس چھوڑا شیشہ دھندلا ہو گیا۔ اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو اس نے شیشے پر رکھ دیا، شیشے پر اس کے ہاتھ کا پرنٹ آ گیا۔

''تمھاری کوئی غلطی نہیں ہے مظہر......! یہ میری قسمت ہے۔ میں روتھ براؤن کی بیٹی ہوں میں کبھی کسی کی بیوی نہیں بن سکتی۔''

وہ ایک بار پھر بڑبڑا رہی تھی۔

''مجھے خدیجہ نام بہت پسند ہے۔ میں تمھارا نام خدیجہ رکھوں گا۔'' ایک سرگوشی اس کے کانوں میں لہرائی وہ ہنس پڑی۔

وہ گنگنانے لگی۔

"Jingle bells, Jingle bells jingle all the way Santa Claus in coming along riding on the sleigh."

''تم ہنستی اچھی لگتی ہو، ہنسا کرو۔'' اس نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔

''میں واپسی پر تمھارے لیے بہت سارے پاکستانی لباس لاؤں گا۔'' اس نے اپنی ہنسی روکتے ہوئے ایک بار پھر کرسمس کیرل گانے کی کوشش کی۔

''ہم دونوں زندگی میں ایک بار ٹیمز میں مچھلی کا شکار ضرور کریں گے ٹھیک ہے کیتھی؟''

وہ بے تحاشا ہنسنے لگی۔ اسے اپنے گالوں پر کوئی چیز بہتی ہوئی محسوس ہوئی۔ کھڑکی کے شیشے سے اس کے ہاتھ کا نشان غائب ہو چکا تھا۔ سب کچھ غائب ہو چکا تھا زندگی، محبت، تعلق، رشتہ، اعتماد، خواب، امید، آرزو، روشنی، رہ جانے والی چیز برف تھی، نظر آنے والی چیز برف تھی جو ہر چیز پر گر رہی تھی، دونوں ہاتھ کھڑکی کے شیشوں پر رکھے ماتھا کھڑکی سے ٹکائے وہ اب بچوں کی طرح رو رہی تھی، برف باری اور تیز ہوتی جا رہی تھی۔

گیارھواں باب

اس نے سانس لیتے ہوئے فضا میں کسی خوشبو کو محسوس کیا۔ آنکھیں بند کر کے گہرے سانس لیتے ہوئے اس نے اس خوشبو کو اپنے اندر اتارنے کی کوشش کی...... اس نے خوشبو کے منبع کو ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ وہ ناکام رہی۔ اس نے خوشبو کو شناخت کرنے کی کوشش کی۔ اسے اب بھی کامیابی نہیں ہوئی۔

❁

مریم نے اس واقعہ کے اگلے چند ہفتوں میں اسے کئی بار این سی اے میں دیکھا۔ مگر اس نے ایک بار بھی مریم سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ ہمیشہ کی طرح صوفیہ کے ساتھ ہوتا اور اسے دیکھ کر کترا کر گزر جاتا۔ صوفیہ اس کے ساتھ نہ بھی ہوتی تب بھی اس نے مریم سے کبھی ہیلو ہائے نہیں کی۔ مریم کو لاشعوری طور پر یہ توقع تھی کہ وہ اس سے معذرت کرے گا یا کم از کم ان کے درمیان سلام دعا ضرور ہوگی مگر ذالعید کے رویے نے اسے حیران کیا تھا بلکہ شاید مشتعل بھی۔ وہ اب بھی اسی طرح پیش آ رہا تھا جیسے وہ مریم سے ناواقف تھا۔

ان ہی دنوں کالج میں صوفیہ کے بارے میں یہ خبر گردش کرنے لگی کہ وہ ذالعید کے ساتھ انگیجڈ ہوگئی ہے اور بہت جلد ان دونوں کی شادی ہونے والی ہے۔ مریم نے پہلی بار یہ خبر سننے پر اپنے اندر عجیب سا ڈپریشن محسوس کیا تھا۔ وہ سارا دن اپنے کام پر توجہ نہیں دے سکی۔ ذالعید اور صوفیہ بار بار اس کے سامنے آ رہے تھے۔ وہ اپنے احساسات کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ وہ صوفیہ کو شروع سے ناپسند کرتی تھی۔ مگر پہلی دفعہ اسے صوفیہ سے عجیب طرح کا حسد محسوس ہو رہا تھا۔ یہ تصور کہ ذالعید...... اسے تکلیف پہنچا رہا تھا۔ وہ یہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ ذالعید اور صوفیہ کے تعلق پر اس طرح ری ایکٹ کیوں کر رہی تھی۔ وہ اس دن گھر جا کر بھی بہت مضمحل رہی۔

اگلے دن پہلی بار صوفیہ کو دیکھنے پر اسے اس سے نفرت محسوس نہیں ہوئی۔ اسے عجیب سا رشک آیا اس پر۔

''یہ خوش قسمت ہے کہ ذالعید اس سے محبت کرتا ہے اور اس سے شادی کرلے گا۔ اس نے زندگی میں پہلی بار صوفیہ کی خوش قسمتی کو تسلیم کیا۔ پہلی دفعہ اسے کسی معاملہ میں خود سے بہتر اور برتر پایا۔ صوفیہ نے اس خبر کی تردید نہیں کی اور یہ جیسے اس بات کی تصدیق کرنا تھا کہ ان خبروں میں واقعی سچائی ہے مریم ان دنوں ذہنی طور پر بہت اپ سیٹ رہنے لگی تھی۔ ماما جان سے اس کے شکوے بہت زیادہ بڑھ گئے کالج میں وہ اپنے کام میں دلچسپی کھونے لگی۔ گھر پر وہ واپس آنے کے بعد سوتی رہتی یا پھر ذالعید اور صوفیہ کے بارے میں سوچتی رہتی۔

ان ہی دنوں پروفیسر عباس کے ذریعے اسے ایک ہوٹل میں بننے والے نئے جاپانی ریسٹورنٹ میں کچھ کام ملا۔ اسے پیانو فلور کے اردگرد کی دیواروں پر ایک میورل بنانا تھا۔ اس قسم کی ذہنی کیفیت کے ساتھ وہ کبھی یہ کام نہ کرتی مگر اسے ان دنوں پیسوں کی خاصی ضرورت تھی اور پھر یہ

صرف کام کرنے کا ہی نہیں اچھا کام کرنے کا موقع تھا۔

ہوٹل کے مینیجر نے اس کی تمام شرائط خاصی خوش دلی سے تسلیم کیں۔ کالج سے فارغ ہونے کے بعد ہوٹل کی گاڑی اسے کالج سے ہوٹل لے جاتی اور پھر شام کو اس کے گھر چھوڑ جاتی۔ ٹرانسپورٹ کی یہ سہولت ان لوگوں نے اسے خود آفر کی تھی۔

مریم کو وہاں کام کرتے دوسرا دن تھا جب پینٹ کرتے ہوئے اس کے ہاتھ تھک گئے وہ برش رکھ کر کچھ دیر کے لیے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی اور تب ہی اس نے اس فلور سے چند میز پرے ایک میز پر ذالعید اور صوفیہ کو بیٹھے دیکھا۔ اسے شرمندگی اور ہتک کا عجیب سا احساس ہوا چند لمحوں کے لیے اس کا دل چاہا کہ وہ وہاں سے غائب ہو جائے مگر پھر وہ اپنا رخ تبدیل کر کے دوبارہ کام کرنے لگی......اس کے سٹروکس میں یک دم بے ربطگی آ گئی تھی۔

اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ اب چند منٹوں سے زیادہ کام نہیں کر سکتی اور پھر اس نے یہی کیا چند منٹوں کے بعد اس نے اپنا تمام سامان پیک کرنا شروع کر دیا انتظامیہ کو مطلع کرنے کے بعد وہ اس دن وہاں سے اسی طرح واپس آ گئی۔

اگلے چند دن اس نے قدرے سکون کے ساتھ کام کیا۔ مگر چھٹے دن اس نے ایک بار پھر ذالعید اور صوفیہ کو اسی ریسٹورنٹ میں دیکھا۔ اس بار ان کی میز اس فلور سے اور بھی قریب تھی۔ اس بار اس نے ان کو مسلسل خود کو دیکھتے پایا وہ دونوں ہنس رہے تھے۔ باتیں کر رہے تھے مریم کو محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس کے بارے میں باتیں کر رہے ہیں ایک بار پھر اپنے کام میں اس کی توجہ ختم ہو گئی۔

آج اس کی حالت پہلے سے زیادہ خراب تھی اور شاید اس کے چہرے کے یہ تاثرات ریسپشن پر بیٹھے ہوئے اس شخص سے بھی نہیں چھپے رہے۔ جس کو اس نے اپنے جانے کی اطلاع دیتے ہوئے گاڑی منگوانے کے لیے کہا۔

''آپ کافی پی لیں۔'' اس نے مریم کو پیش کش کی۔ مریم نے انکار کر دیا۔ اس کا رونے کو دل چاہ رہا تھا۔

ماماجان کو اس کے چہرے سے اس کے موڈ کا اندازہ ہو گیا۔

''میری طبیعت خراب ہے۔'' وہ کچھ اور کہنے کے بجائے سیدھا کمرے میں گئی اور اپنے بستر میں گھس گئی۔ چہرہ بازوؤں میں چھپا کر اس نے بے آواز رونا شروع کر دیا۔ ''کاش میں یہاں سے کسی ایسی جگہ چلی جاؤں۔ جہاں مجھے ذالعید دوبارہ کبھی نظر نہ آئے۔'' اس پر ایک بار پھر ڈپریشن کا دورہ پڑا۔

⁂

وہ ساری رات سو نہیں پائی۔ ماماجان اپنے بستر پر ہمیشہ کی طرح پُرسکون نیند سو رہی تھیں اور وہ نائٹ بلب کی دھندلی روشنی میں چھت کو گھور رہی تھی۔ ذالعید کے علاوہ اس کے ذہن میں اور کچھ بھی نہیں تھا۔ اسے ذالعید کے کندھے پر رکھا ہوا صوفیہ کا ہاتھ یاد آ رہا تھا اسے صوفیہ پر رشک آ رہا تھا۔

''کچھ لوگ کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں۔ ہر اچھی چیز جیسے ان کے مقدر میں لکھ دی جاتی ہے۔ وہ نعمتوں میں گھرے ہوئے دنیا میں آتے ہیں اور نعمتوں میں گھرے ہوئے دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ ان کی زندگی میں کسی بھی چیز کے لیے کوئی جدوجہد نہیں ہوتی، جیسے صوفیہ کے لیے ذالعید ہے۔'' سوچتے سوچتے اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

زندگی میں پہلی بار ہر چیز سے اس کا دل اچاٹ ہو رہا تھا۔ حتیٰ کہ اپنے کام سے بھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ صبح کالج نہ جائے وہ دوبارہ کبھی کالج نہ جائے نہ کبھی رنگ اور برش کو ہاتھ لگائے۔

''آخر فرق ہی کیا پڑے گا، دنیا میں میرے ہونے یا نہ ہونے سے۔ میں پینٹنگ کرنا چھوڑ دوں گی تو کون سی قیامت آ جائے گی۔'' وہ بستر پر چت لیٹی بے آواز روتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ ''زندگی صرف پینٹنگ ہی تو نہیں ہوتی۔'' وہ اپنی انگلیوں کی پوروں سے آنکھیں پونچھ رہی تھی۔

رات گزرتی جا رہی تھی اور وہ اسی طرح بے آواز روتی رہی۔ جب رات کا پچھلا پہر شروع ہو گیا تو اس نے ماما جان کو اپنے بستر سے اٹھتے ہوئے دیکھا۔ مریم نے غیر محسوس انداز میں اپنی کلائی آنکھوں پر رکھ لی وہ جانتی تھی۔ اب تھوڑی دیر میں ماما جان تہجد پڑھنے لگیں گی۔ ماما جان بے آواز انداز میں کمرے میں روشنی کیے بغیر کمرے سے باہر چلی گئیں۔ مریم نے کروٹ بدل کر دیوار کی طرف رخ کر لیا۔ ماما جان کچھ دیر بعد دوبارہ کمرے میں داخل ہوئیں۔ جب مریم کو یقین ہو گیا کہ وہ تہجد پڑھنا شروع کر چکی ہیں تو اس نے ایک بار پھر اپنا رخ ان کی طرف کر لیا۔ نیم تاریکی میں سفید چادر میں خود کو سر سے پاؤں تک ڈھانپے وہ بڑے مگن سے انداز میں رکوع کی حالت میں تھیں۔ مریم بہتے آنسوؤں کے ساتھ انھیں دیکھتی رہی۔

''کیا ماما جان کو اندازہ ہے کہ میں اپنی زندگی کے کس تکلیف دہ دور سے گزر رہی ہوں؟ مگر یہ کیسے جان سکتی ہیں۔ ان کی زندگی نماز سے شروع ہو کر نماز پر ختم ہو جاتی ہے۔ ساری دنیا کے لیے ایثار کا پیکر ہیں یہ۔ بس میرے لیے یہ کچھ بھی نہیں کرنا چاہتیں۔

اگر یہ چند سال پہلے مجھے انگلینڈ بھجوا دیتیں تو میرا سامنا کبھی ذالعید سے نہ ہوتا اور میں اس اذیت سے دوچار نہ ہوتی۔'' اس کی آنسوؤں کی رفتار میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

''مجھے لگتا ہے ماما جان نے کبھی میرے لیے دعا نہیں کی...... اگر انھوں نے ایسا کیا ہوتا تو میں آج اس تکلیف سے کیوں گزر رہی ہوتی۔ مگر پھر یہ اتنی عبادت کیوں کرتی ہیں؟ اتنی لمبی دعائیں کس کے لیے مانگتی ہیں؟ کم از کم میری زندگی میں تو ان کی دعائیں کوئی آسانی نہیں لا رہیں...... اور کیا دعا میں اتنی تاثیر ہوتی ہے کہ......''

اس کا ڈپریشن بڑھتا جا رہا تھا۔ میں نے بھی تو ذالعید کے لیے بہت دعا کی ہے۔ میں نے بھی تو...... کیا فرق پڑا ہے؟ کیا ذالعید کو مجھ سے محبت ہو سکی؟...... کیا وہ مجھے مل گیا؟...... ساری بات قسمت کی ہوتی ہے۔ یہ قسمت ہے، عقل نہیں جو ہماری زندگیوں پر حکمرانی کرتی ہے۔''

ماما جان اب دعا مانگ رہی تھیں۔ وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ ان کے اٹھے ہوئے ہاتھوں کو دیکھتی رہی پھر پتا نہیں اس کے دل میں کیا آیا۔

وہ بے اختیار اپنے بستر سے اٹھ کر ماما جان کے پاس فرش پر بیٹھ گئی۔ وہ آنکھیں بند کیے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہی تھیں۔

مریم نے ان کے ہاتھ پکڑ لیے۔ ماما جان نے حیران ہو کر آنکھیں کھول دیں۔ نیم تاریکی میں بھی وہ مریم کے چہرے پر بہتے ہوئے آنسو دیکھ سکتی تھیں۔

''کیا ہوا ماما جان! اگر اللہ سے صرف ایک چیز چاہیے ہو اور وہ بھی نہ ملتی ہو؟'' وہ ان کا ہاتھ پکڑے نم آنکھوں سے ان سے پوچھ رہی تھی۔

ماما جان کچھ بول نہیں سکیں۔ مریم کیا کہہ رہی تھی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

''میں نے اللہ سے صرف ایک چیز مانگی ہے اور وہ مجھے وہ بھی نہیں دے رہا...... آپ بتایئے ماما جان! میری دعا میں اثر نہیں ہے یا پھر میں بدقسمت ہوں۔''

''تم بدقسمت نہیں ہو، تم نے جو مانگا ہے اس کے نہ ملنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمہاری دعا میں اثر نہیں ہے۔ ارشاد رسول ﷺ ہے زمین پر جو مسلمان اللہ تعالیٰ سے کوئی ایسی دعا کرتا ہے جس میں کوئی گناہ یا قطع رحمی کی بات نہ ہو تو اللہ تعالیٰ یا تو اس کو وہی عطا فرما دیتا ہے جو اس نے مانگا ہے یا اس کی کوئی تکلیف اس دعا کے بقدر رفع کر دیتا ہے یا اس کے لیے اس دعا کے برابر اجر کا ذخیرہ کر دیتا ہے۔''

ماما جان نے اپنی پوروں سے اس کی آنکھوں کو پونچھتے ہوئے کہا۔

''آپ اللہ سے کہیں۔ مجھے ذالعید دے دے اور اگر وہ مجھے ذالعید نہیں دیتا تو وہ مجھے کچھ بھی نہ دے۔'' ماما جان ہل نہیں سکیں۔ وہ ان کی گود میں منہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

''ماما جان! اللہ اس طرح کیوں کرتا ہے چیزیں کیوں نہیں دے دیتا۔ اس طرح کیوں ترساتا ہے۔'' وہ اس طرح منہ چھپائے بول رہی تھی۔

''آپ دیکھ لینا۔ میں اب کالج نہیں جاؤں گی۔ صبح میں اپنی ساری چیزوں کو آگ لگا دوں گی یا پھر اٹھا کر گلی میں پھینک دوں گی۔''

''کیوں مریم......! کیوں کرو گی تم ایسا؟'' انھوں نے اس کا چہرہ اپنی طرف کیا۔

''میرا دل نہیں لگتا...... ماما جان......! میرا دل اب کسی بھی چیز میں نہیں لگتا۔ مجھے آرٹسٹ نہیں بننا مجھے کوئی بڑا آرٹسٹ نہیں بننا مجھے تو اس کے علاوہ کوئی اور چیز اچھی ہی نہیں لگتی۔ وہ ہر وقت میرے سامنے رہتا ہے ماما جان۔'' وہ ہچکیاں لیتے ہوئے بے بسی سے کہہ رہی تھی۔ وہ بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہیں۔

''میں برش اٹھاتی ہوں تو مجھے لگتا ہے میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا ہے۔ میں پے لٹ پر رنگ ڈالتی ہوں۔ وہ وہاں آ جاتا ہے۔ میں کینوس پر اسٹروک لگاتی ہوں، وہ وہاں بھی موجود ہوتا ہے اور ماما جان! اس سے زیادہ تکلیف دہ چیز کوئی اور ہو سکتی ہے کہ جس سے آپ محبت کرتے ہیں وہ آپ کو دیکھتا تک نہ ہو۔ آپ کے علاوہ اس کو سب نظر آتے ہوں۔ سب کا خیال ہو اسے۔ وہ سب سے بات کرتا ہو...... بس آپ سے بات نہ کرے۔

ماما جان! آپ نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی نا، اس لیے آپ یہ سب نہیں سمجھ سکتیں۔'' ماما جان کی آنکھوں میں نمی جھلکنے لگی۔

وہ ایک بار پھر ان کی گود میں منہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

''جس سے محبت کریں اس کو پا نہ سکیں تو پھر دنیا میں کیا باقی رہ جاتا ہے۔'' ماما جان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ کہہ رہی تھی۔

''ماما جان! انسان خالی نہیں ہو جاتا اندر سے؟ خالی ہو جانے کے بعد کیسے رہتے ہیں؟''

''مریم تمہارے سامنے تمہارا کیریر ہے۔ تمھیں اپنی فیلڈ میں بہت آگے جانا ہے۔'' وہ اس کا دھیان بٹانا چاہتی تھیں، وہ اس کی تکلیف کم کرنا چاہتی تھیں مگر شاید یہ ممکن نہیں تھا۔

"نہیں ماما جان! اب میرا کوئی کیریر نہیں ہے۔ سب کچھ دھواں بن کر اڑ گیا ہے، پیر رکھنے کے لیے زمین نہ ہو اور میں گھر بنانے کا سوچوں...... وہ شخص میرا حاصل ہے ماما جان...... ! آپ اللہ سے کہیں وہ مجھے ذوالعید دے دے۔ پھر چاہے جنت بھی نہ دے، پلیز ماما جان! آپ اس سے کہیں کہ وہ مجھے ذالعید دے دے۔ آپ تو اتنی عبادت کرتی ہیں اپنی اولاد کے لیے کچھ نہیں مانگ سکتیں۔ اللہ کو بتائیں کہ آپ صرف انسان نہیں ماں بھی ہیں۔"

وہ اب اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اور ایک بار پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر جھنجھوڑ رہی تھی۔ ماما جان بالکل خاموش بیٹھی اسے دیکھ رہی تھیں مگر ان کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ وہ بچوں کی طرح روتی ہوئی اٹھ کر اپنے بستر پر چلی گئی۔ کچھ دیر بعد اس نے ماما جان کو کمرے سے باہر نکلتے دیکھا تھا۔ وہ واپس کب آئیں اسے یاد نہیں۔

وہ ذہنی اور جذباتی طور پر بالکل تھک کر چور ہو چکی تھی غنودگی اسے اپنی گرفت میں لینے لگی اس کی سسکیاں رک گئیں۔ تھکن اس کے پورے وجود میں سرایت کر رہی تھی۔ اس کے سوجے ہوئے پپوٹے اور بھی بوجھل ہو رہے تھے۔ نیند کی آغوش میں جاتے ہوئے اس نے بہت دور کسی کی سسکیاں سی تھیں۔ پھر اس کا ذہن تاریکی میں ڈوب گیا۔

❀

اگلے دن صبح وہ ماما جان کے اصرار پر کام مکمل کرنے کے لیے ہوٹل چلی گئی۔ وہ اب جلد از جلد اس کام سے چھٹکارا حاصل کر لینا چاہتی تھی۔

شام کو ساڑھے سات بجے کے قریب وہ اس کام سے فارغ ہو گئی۔ مینیجر کو اپنا بنایا میورل دکھانے کے بعد وہ ہوٹل کی گاڑی میں آ کر بیٹھی تو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر تحفے کی طرح پیک کی ہوئی دو پینٹنگز پڑی تھیں۔ اس نے کچھ حیرت سے انھیں دیکھا مگر خاموش رہی۔ ڈرائیور نے گاڑی چلاتے ہی اس سے کہا۔ "ذالعید صاحب نے یہ دو تصویریں آپ کے لیے رکھوائی ہیں۔"

وہ اس کے منہ سے ذالعید کا نام سن کر حیران رہ گئی۔

"کون ذالعید؟" وہ حیران تھی کہ ڈرائیور اسے کیسے جانتا تھا۔

"اس ہوٹل کے مالک کے بیٹے ہیں۔" وہ گم صم بیٹھی رہی۔ پروفیسر عباس نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ ایک بار پھر ذالعید کے کہنے پر......

ڈرائیور نے اپنی بات جاری رکھی۔

"انھوں نے کہا تھا کہ میں یہ تصویریں آپ کو دے دوں اور آپ سے کہوں کہ آپ انھیں کھول کر ضرور دیکھیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ آپ نے اندر فلور پر بہت اچھا کام کیا ہے اور انھوں نے آپ کا شکریہ ادا کیا ہے۔"

مریم نے اسی گم صم انداز میں ایک پینٹنگ اٹھا کر اس پر سے کاغذ اتار دیا اور پھر وہ دم بخود رہ گئی۔ اس نے بڑی تیزی سے دوسری پینٹنگ سے بھی کاغذ اتار دیا۔ اس کے چہرے پر اب عجیب سی چمک تھی۔ خواہش اور ایمان وہ دونوں اس کی اپنی تصویریں تھیں جنھیں اس نے ڈیڑھ سال پہلے بنایا تھا۔ ان دنوں وہ بیکن ہاؤس کی ایک بچی کو پینٹنگ سکھانے اس کے گھر جایا کرتی تھی اور پیسوں کی ضرورت پڑنے پر اس نے اپنی وہ دونوں پینٹنگز

اسی بچی کی ماں کو فروخت کردی تھیں۔

ان پینٹنگز کو فروخت کرنے پر وہ بڑی خوش نہیں تھی خاص طور پر اس وجہ سے کیونکہ وہ بہت اچھی تھیں مگر اسے وہ بہت سستی بیچنی پڑیں اور اب وہ دونوں دوبارہ اس کے پاس آ گئی تھیں۔ وہ حیران ہو رہی تھی کہ ذالعید کے پاس وہ دونوں پینٹنگز کیسے آئیں اور اس نے وہ دونوں مریم کو کیوں دی تھیں۔

''آپ ذالعید سے کہیں کہ میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔'' اس نے تصویروں پر دوبارہ کاغذ چڑھاتے ہوئے کہا۔

گھر آ کر اس نے بڑے پُر جوش انداز میں ماما جان کو وہ دونوں تصویریں دکھائیں۔ ماما جان مریم کے چمکتے ہوئے چہرے کو دیکھتی رہیں۔ صبح اور شام والی مریم میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

''اب تم ان پینٹنگز کو کیا کرو گی؟'' ماما جان نے اس سے پوچھا۔

''میں انھیں ذالعید کو واپس دینا چاہتی ہوں۔'' اس نے کھانا کھاتے ہوئے انھیں بتایا۔

بارھواں باب

ٹرین بہت تیز رفتاری سے اپنا سفر طے کر رہی تھی۔ وقت کے علاوہ ہر چیز کو پیچھے چھوڑتی جا رہی تھی۔ کھڑکی کے شیشوں پر بارش کے قطروں نے ایک جال سا بن دیا تھا مگر اس جال سے باہر بھاگتے ہوئے مناظر میں سے کوئی اوجھل نہیں ہوا تھا۔ اسے ان مناظر سے کوئی دلچسپی نہیں تھی باہر نظر آنے والا کوئی منظر اسے خوش نہیں کر سکتا تھا۔ گاڑی اب کہیں رک رہی تھی۔ قطروں کا جال اب جیسے آنسو بن کر کھڑکی کے شیشوں پر بہنے لگا۔ اس نے ایک طویل سانس لے کر سیٹ کی پشت سے ٹیک لگالی...... آنکھیں بند کر کے اس نے سوچنے کی کوشش کی۔ وہ کتنے سالوں بعد واپس لندن جا رہی تھی۔ اسے زیادہ وقت نہیں لگا وہ جانتی تھی وہ کتنے سالوں بعد لندن جا رہی ہے۔

پچھلے چار سال سے وہ ایک کال گرل کے طور پر کام کر رہی تھی۔ وہ کہاں بھیجی جاتی تھی اسے لے جانے والا کون ہوتا تھا، ملنے والا معاوضہ کتنا ہوتا تھا، اسے کسی چیز سے بھی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ ہر چہرہ ایک جیسا چہرہ ہوتا تھا۔ ہر چہرہ مظہر کا چہرہ ہوتا تھا اور وہ یہ طے نہیں کر پاتی تھی کہ اسے اس سے محبت کرنی چاہیے یا نفرت...... وہ واحد چیز جو اس نے اس پورے عرصے کے درمیان سیکھی تھی۔

"میں دوبارہ کبھی کسی شخص پر اعتبار نہیں کروں گی۔ اور محبت تو کبھی بھی نہیں۔" اس رات مظہر کا خیال آنے اور پھر اس احساس نے کہ وہی وہ شخص ہے جس نے اسے دھوکا دیا۔ کیتھرین کو زندگی میں صرف ایک سبق دیا تھا۔ اس رات کے بعد سب کچھ بدل گیا تھا۔ اسے لیسٹر بھیج دیا گیا تھا، اس کے ساتھ کچھ اور بھی لڑکیاں تھیں۔ اس کے لیے اپائنٹمنٹس کون طے کرتا تھا وہ نہیں جانتی تھی۔ معاوضہ کی ادائیگی بھی اسے نہیں کی جاتی تھی۔ لیکن اسے ایک اچھا اپارٹمنٹ دے دیا گیا تھا اور ہر اپائنٹمنٹ کی کچھ رقم بھی۔ وہ اس پیسوں کو جیسے چاہے خرچ کر سکتی تھی۔ جہاں چاہے گھومنے کے لیے جا سکتی تھی۔ مگر وہ جانتی تھی وہ آزاد نہیں تھی، اس پر چیک رکھا جاتا تھا اور جس دن وہ مستقل طور پر وہاں سے بھاگ جانے کی کوشش کرے گی اس دن ایک بار پھر اس کے پر کاٹ دیے جائیں گے...... اس نے کبھی بھاگنے کی کوشش نہیں کی۔ اسنے کبھی پولیس کو اطلاع دینے کی بھی کوشش نہیں کی۔ اس نے ہر چیز کے ساتھ سمجھوتا کر لیا تھا۔ وقت کے ساتھ، حالات کے ساتھ...... اور اپنی قسمت کے ساتھ۔

اس دن اسے جوزفین نے فون کیا تھا۔ وہ بھی ان کال گرلز میں سے ایک تھی جو اس کے ساتھ لندن سے لائی گئی تھیں۔

"کیتھی! میں جوزفین بول رہی ہوں۔ تم دس منٹ کے اندر اندر اپنا اپارٹمنٹ چھوڑ دو اور میرے بتائے ہوئے ایڈریس پر آ جاؤ۔" اس نے تیز آواز میں ایک ایڈریس اسے بتایا۔

"مگر کیوں؟ کیا بات ہے؟"

"تمھارے اپارٹمنٹ پر کسی بھی وقت پولیس ریڈ کر سکتی ہے۔ باقی باتیں ملنے پر کریں گے۔" فون منقطع ہو گیا۔ کیتھرین نے حیرانی سے

ریسیور کو دیکھا ''ریڈ؟'' پچھلے چار سال میں ایک بار بھی اسے ایسی صورت حال کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا اور اب...... برق رفتاری کے ساتھ اس نے اپنے اپارٹمنٹ سے کچھ ضروری چیزیں اور تمام رقم لے لی اور اپارٹمنٹ چھوڑ دیا۔

بیس منٹ کے بعد وہ جوزفین کے اپارٹمنٹ پر تھی۔ جوزفین بے حد خوش نظر آ رہی تھی۔

''کیا تم جانتی ہو کیتھرین! ہم آزاد ہو چکے ہیں۔'' اس نے کیتھرین کو اپنے اپارٹمنٹ کے اندر لے جاتے ہی کہا۔

''مطلب؟'' وہ اس کی بات نہیں سمجھی۔

''رچرڈ نے مجھے بتایا ہے کہ فرینک قتل ہو گیا ہے اور گروپ کے ممبرز میں اختلافات بڑھ گئے ہیں۔ ان میں سے کسی نے پولیس کو اطلاع دے دی اور اب پولیس کسی بھی وقت ان تمام جگہوں پر ریڈ کر سکتی ہے جہاں ہم لوگ رہ رہے ہیں۔ رچرڈ نے کچھ دیر پہلے ہی مجھے یہاں منتقل کیا ہے۔ وہ بتا رہا تھا کہ اس افراتفری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جو لوگ بھی نکل جائیں گے وہ بچنے میں کامیاب ہو جائیں گے تم خوش نہیں ہو؟'' جوزفین کو اچانک اس کے بے تاثر چہرے کا احساس ہوا۔

''اگر کچھ دنوں کے بعد ہمیں پھر ڈھونڈ لیا گیا تو؟'' اس نے جوزفین سے پوچھا۔

اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔ گروپ ختم ہو جائے گا کیونکہ اسکاٹ لینڈ یارڈ کا وہ سراغ رساں جو آزمائشی طور پر رہا ہونے والی یا پوچھ گچھ کے لیے لے جانے والی نوجوان جرائم پیشہ لڑکیوں کے بارے میں فرینک کو اطلاعات فراہم کرتا تھا وہ بھی پکڑا جا چکا ہے اور ظاہر ہے وہ فرینک اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں پولیس کو سب کچھ بتا دے گا۔ سب لوگ پکڑے نہ بھی گئے تو بھی یہ ریکٹ چلانا ان کے لیے ممکن نہیں رہے گا۔ تمھیں کیا ہوا؟'' کیتھرین خوف اور بے یقینی کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی۔

''اسکاٹ لینڈ یارڈ کے سراغ رساں نے فرینک کو ہمارے بارے میں بتایا؟''

ہاں رچرڈ بتا رہا تھا، پارٹنر شپ تھی اس کی فرینک کے ساتھ...... لندن میں رہنے والی لڑکیوں کو ٹارگٹ بناتے تھے یہ لوگ۔ وہ بھی ایسی لڑکیاں جن کی فیملیز نہیں تھیں یا جو جرائم کے سلسلے میں پولیس ہیڈ کوارٹرز لائی جاتیں اور پھر چھوڑ دی جاتیں۔ کیتھرین نے اور کچھ نہیں پوچھا۔

''تو یہ مظہر نہیں تھا۔ چار سال سے میں یہ سمجھ رہی ہوں کہ یہ سب کچھ اس نے کیا ہے مگر مجھے یہ خیال کیوں آیا کہ مظہر میرے ساتھ یہ سب کچھ کر سکتا ہے اور وہ جب واپس آیا ہو گا تو اسے میں نہیں ملی ہوں گی پھر وہ اس عمارت میں گیا ہو گا اور...... اسے میرے بارے میں سب کچھ پتا چل گیا ہو گا، تب اس نے کیا کیا ہو گا؟ کیا سوچا ہو گا؟''

''جب تم مسلمان ہو جاؤ گی تو میں تمہارا نام خدیجہ نور رکھوں گا۔ یہ نام مجھے بہت پسند ہے......'' ایک آواز اس کے گرد بھنور بن کر لہرائی اور اسے اپنا پورا وجود موم کی طرح پگھلتا محسوس ہوا۔ جوزفین اندازہ نہیں کر سکی کہ وہ کیوں یک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی...... وہ بھی اندازہ نہیں کر سکی تھی۔

❁

اور اب وہ لندن واپس جا رہی تھی۔

''مجھے واپس وہیں جانا ہے میں اس شہر میں نہیں رہ سکتی۔ چند ہفتے وہاں رہوں گی پھر دیکھوں گی مجھے کیا کرنا ہے۔'' جوزفین کے روکنے پر اس نے کہا تھا'' پچھلے چار سال میں وہ ایک بار بھی لندن نہیں آئی تھی۔ لیسٹر سے برمنگھم، برمنگھم سے بریڈفورڈ اور بریڈفورڈ سے کیمبرج وہ مختلف لوگوں کے ساتھ ان چاروں جگہوں پر جا چکی تھی مگر اسے لندن کبھی نہیں بھیجا گیا۔''

ٹرین ایک بار پھر چلنے لگی۔ کیتھرین نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ کھڑکیوں کے شیشے اب پہلے سے زیادہ دھندلے ہو گئے تھے۔

''زندگی سے زیادہ دھندلی چیز کیا ہو سکتی ہے؟'' اس نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

لندن میں سب کچھ بدل گیا تھا۔ وہ جانتی تھی ایسا صرف اسے محسوس ہو رہا تھا۔ ورنہ شاید باقی سب لوگوں کے لیے لندن پہلے جیسا ہی تھا۔

اس نے ایک سستے ہوٹل میں رہائش اختیار کی اور پھر چند دنوں کے بعد ایک بوڑھی عورت کے ہاں پے انگ گیسٹ کے طور پر رہنے لگی۔ مزید کچھ دنوں کے بعد اس نے ایک فیکٹری میں اپنے لیے کام تلاش کر لیا تھا۔ چند ہفتوں بعد اس نے وہ کام چھوڑ کر ایک بار پھر سے اس نے ایک اسٹور میں کام کرنا شروع کر دیا۔ ایک بار پھر سے اسلامک سینٹر جانا شروع کر دیا اور اس بار اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

وہ جیسے زندگی کو ایک بار پھر نئے سرے سے شروع کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ صرف ایک انکشاف نے اسے جیسے ایک بار پھر اپنے پیروں پر کھڑا کر دیا تھا۔

''تو یہ مظہر نہیں تھا جس نے مجھے دھوکا دیا۔ اس نے واقعی مجھ سے محبت کی تھی۔ کم از کم اس شخص کا چہرہ پہچاننے میں میں نے کوئی غلطی نہیں کی تھی۔''

وہ سوچتی اور اسے اپنا ملال کم ہوتا محسوس ہوتا۔

تیرھواں باب

وہ خود کو بے حد ہلکا محسوس کر رہی تھی۔ پرندے کے کسی پر کی طرح...... ہوا کے کسی جھونکے کی طرح...... پھول کی کسی پتی کی طرح۔ اس کے اردگرد مکمل خاموشی تھی۔ ستاروں کی مدھم روشنی...... مکمل روشنی...... خوشبودار ہوا کے جھونکے...... پیروں کے نیچے فرش کی ٹھنڈک...... اسے لگا وہ جنت میں ہے۔

❀

ذالعید کو اسی شام مریم کا پیغام مل گیا۔ اسے توقع تھی کہ وہ ناخوش نہیں ہوگی۔

وہ دوسرے دن کالج اس سے ملنے گیا۔ وہاں جا کر اسے پتہ چلا کہ وہ کالج سے بہت جلدی چلی گئی تھی۔ وہ کچھ دیر سوچتا رہا اور پھر ہوٹل کے اس ڈرائیور کے ساتھ اس کے گھر چلا گیا۔ دروازے پر دستک دینے پر چادر میں لپٹی ہوئی جو عورت باہر آئی تھی۔ اسے دیکھ کر ذالعید کچھ حیران ہوا۔ اردو بولنے کے باوجود پہلی نظر میں یہ جان گیا تھا کہ وہ پاکستانی نہیں ہے۔

''میں اُمّ مریم سے ملنا چاہتا ہوں۔ ان کے کالج گیا تھا، مگر وہاں نہیں ہیں میں نے سوچا، وہ گھر پر ہوں گی۔''

''وہ ابھی گھر واپس نہیں آئی، ہوسکتا ہے کالج سے کہیں چلی گئی ہو۔'' اس عورت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اگر آپ اجازت دیں تو میں اندر آ کر ان کا انتظار کرلوں۔ میرا نام ذالعید اوّاب ہے۔''

''ذالعید نے کچھ جھجکتے ہوئے اپنا تعارف کروایا۔ اس نے اس عورت کو بے اختیار ایک قدم پیچھے ہٹتے دیکھا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ ذالعید کو اس کے تاثرات بہت عجیب لگے۔ وہ نروس ہو گیا۔

''میں بعد میں آجاؤں گا۔'' اس نے کچھ معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

''نہیں...... نہیں، آپ آجائیں، اس نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

ذالعید نے کچھ جھجکتے ہوئے اندر پاؤں رکھا۔ اس عورت نے دروازہ بند کر دیا اور اس کے آگے چلنے لگی۔

''آپ مریم کی امی ہیں؟'' ذالعید نے اس عورت کے پیچھے چلتے ہوئے پوچھا۔

اس عورت نے پلٹ کر اسے دیکھا اور مسکرائی۔ ''ہاں!''

ذالعید نے کمرے میں جاتے ہی وہ دونوں پینٹنگز وہاں دیکھ لیں۔ وہاں ان کے علاوہ بھی کچھ مکمل اور ادھوری پینٹنگز پڑی تھیں۔ کمرے کی ایک پوری دیوار مختلف پینٹنگز سے ڈھکی ہوئی تھی۔ ماما جان اسے کمرے میں بٹھا کر باہر نکل گئیں۔ وہ کرسی پر بیٹھا کمرے میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتا رہا۔

ماما جان کچھ دیر بعد واپس آ گئیں۔

''آپ پاکستانی نہیں ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں میں انگریز ہوں...... بہت سال پہلے میں نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر میں پاکستان آ گئی۔''

وہ ان کا چہرہ دیکھنے لگا۔ ''کتنے سال سے آپ یہاں ہیں؟''

''بیس سال سے۔''

''بہت لمبا عرصہ ہے۔''

ماما جان کچھ کہنے کے بجائے صرف مسکرا دیں۔

''میری ماں بھی انگلش تھیں...... پاپا کی علیحدگی ہو گئی ان سے۔'' ذالعید نے کچھ دیر بعد نارمل سے انداز میں بتایا۔

''کیوں؟''

''پتا نہیں، اس موضوع پر کبھی بات نہیں ہوئی پاپا سے...... انڈر اسٹینڈنگ نہیں تھی۔ دونوں کے درمیان...... آپ کے شوہر کہاں ہیں؟''

اس نے کندھے اچکاتے ہوئے ماما جان کو اپنے بارے میں بتایا اور پھر سوال کیا۔

''ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ مریم تب چودہ سال کی تھی۔''

''مریم کے کوئی اور بہن بھائی نہیں ہیں؟''

''نہیں!'' ذالعید سر ہلانے لگا۔

''وہ بہت اچھی آرٹسٹ ہے۔'' اس نے کچھ دیر بعد ماما جان سے کہا۔

''ہاں! وہ بہت اچھی آرٹسٹ ہے۔'' ماما جان اٹھ کر باہر چلی گئیں۔

کچھ دیر بعد وہ ذالعید کے لیے چائے کے ساتھ کچھ کھانے پینے کی چیزیں لے آئیں۔ ذالعید نے انکار کیا مگر ماما جان کے اصرار پر وہ چائے پینے لگا۔

مریم جس وقت گھر آئی، اس وقت تقریباً شام ہو چکی تھی۔ ماما جان نے دروازے پر ہی اسے ذالعید کے بارے میں بتا دیا۔ اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔ وہ توقع نہیں کر سکتی تھی کہ ذالعید اس کے گھر آ جائے گا۔

وہ اندر کمرے میں آئی تو وہ اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ مریم کی سمجھ میں نہیں آیا وہ اس سے کیا بات کرے۔

''اتنا انتظار تو نہیں جتنا میں نے آپ کو کروایا تھا، بہر حال آج میں نے آپ کا خاصا انتظار کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں، اب حساب برابر ہو گیا ہے۔''

''وہ مسکرا دی، اسے ذالعید کا یوں اپنے سامنے، اپنے گھر میں کھڑا ہونا ایک خواب سا لگا۔

''آپ کو یہ پینٹنگز کہاں سے ملیں؟'' وہ اسے ان کے بارے میں بتانے لگا۔

''آپ کو یہ پینٹنگز کہاں سے ملیں؟'' ''میں نے انھیں کہیں سے لیا ہے۔'' آپ انھیں فریم کروا چکے ہیں۔ میں چاہتی ہوں یہ آپ رکھیں۔''

''مگر یہ آپ کے لیے میرا تحفہ ہے۔''

''تھینک یو، مگر آپ انھیں زیادہ اچھی طرح سے رکھ سکتے ہیں۔'' ذالعید کو اس کی بات پر بے اختیار خوشی ہوئی۔

اس کے جانے کے بعد مریم نے ماما جان سے پوچھا۔ ''آپ کو ذالعید اچھا لگا؟''

''ہاں! وہ اچھا ہے۔'' مریم کو ماما جان کا لہجہ بہت عجیب لگا۔

''کیا یہ ہوسکتا ہے ماما جان کہ یہ شخص میرے علاوہ کسی اور سے محبت نہ کرے...... کیا یہ ہوسکتا ہے کہ میں ہاتھ بڑھاؤں اور یہ میرا ہو جائے۔'' اس نے بے قراری سے کہا۔

''ماما جان بہت خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں۔''

''اس کی زندگی میں ایک لڑکی ہے صوفیہ...... یہ اس سے محبت کرتا ہے...... میں سوچ رہی ہوں ماما جان! یہ یہاں کیوں آیا ہے۔'' اس کی باتیں بہت بے ربط تھیں۔

رات کے پچھلے پہر کروٹ لیتے ہوئے مریم کی آنکھ کھلی۔ اس نے ماما جان کو جائے نماز پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ وہ چند لمحے غنودگی کے عالم میں انھیں دیکھتی رہی پھر اس نے کروٹ بدل لی۔

❁

اس کے گھر آنے کے چوتھے دن مریم کالج کے لان میں اپنی ایک پینٹنگ مکمل کر رہی تھی جب وہ اس کے پاس آیا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد وہ واپس جانے کے بجائے وہیں کھڑا اسے پینٹنگ پر اسٹروک لگاتا دیکھتا رہا۔ مریم وہاں اس کی موجودگی سے کچھ ڈسٹرب ہونے لگی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہا ہے اور اس کا یہ اندازہ ٹھیک تھا۔

چند منٹ خاموش رہنے کے بعد اس نے مریم سے کہا۔ ''یہ آپ کا آخری سال ہے یہاں، اس کے بعد کیا کرنا چاہتی ہیں آپ؟''

''پتہ نہیں۔'' وہ اسٹروکس لگاتی رہی۔

''کچھ طے نہیں کیا آپ نے اپنے لیے؟''

''فی الحال تو نہیں۔''

وہ ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔

''اپنی شادی کے بارے میں کبھی سوچا ہے آپ نے؟'' مریم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ کینوس پر چلتا ہوا اس کا ہاتھ رک گیا۔

''میرا مطلب ہے۔ آپ کا کوئی پرپوزل آیا ہو۔''

''نہیں! میرا ابھی کوئی پرپوزل نہیں آیا اور نہ ہی میں نے اس بارے میں سوچا ہے۔'' وہ ایک بار پھر کینوس پر ہاتھ چلانے لگی۔

''اچھا اگر میں آپ کو پرپوز کروں تو؟'' وہ دم بخود رہ گئی۔

''آپ مذاق کر رہے ہیں؟'' اس نے بے اختیار کہا۔ اس بار حیران ہونے کی باری ذالعید کی تھی۔

''مذاق؟ میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔''

وہ نروس ہوگئی۔ ''آپ صوفیہ کے ساتھ انگیجڈ ہیں۔''

''انگیجڈ نہیں ہوں، میری اس کے ساتھ دوستی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ نہ ہوتیں تو میں اس کو پرپوز کرتا۔ وہ اچھی لڑکی ہے۔'' ذالعید نے بڑے نارمل انداز میں کہا۔

وہ یک دم برا مان گئی۔ ''اگر وہ اچھی لڑکی ہے، آپ کی اس کے ساتھ دوستی ہے، انڈراسٹینڈنگ ہے تو پھر آپ مجھ سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہیں۔ صوفیہ سے کریں۔''

''مریم! مجھے آپ سے محبت ہے، میں نہیں جانتا کیوں مگر میں پچھلے دو ماہ سے آپ کو اپنے ذہن سے نہیں نکال پا رہا ہوں اور پچھلا پورا ہفتہ میرے لیے بہت تکلیف دہ رہا ہے۔ میں راتوں کو ٹھیک سے سو بھی نہیں پاتا۔ مریم! اس سے زیادہ تکلیف دہ چیز کوئی اور نہیں ہوتی کہ جس سے آپ محبت کرتے ہوں۔ وہ آپ کو ناپسند کرتا ہو...... آپ کو دیکھتا تک نہ ہو۔''

وہ بے یقینی کے عالم میں اسے دیکھنے لگی۔ وہ اس کے منہ سے بالکل وہی لفظ سن رہی تھی جو اس نے اس رات ماما جان سے کہے تھے۔

''وہ سب سے بات کرتا ہو بس آپ سے بات نہ کرے۔ آپ کے رویے سے مجھے جس قدر تکلیف ہوئی تھی۔ وہ میں لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا۔ کیا آپ یقین کریں گی کہ میں صرف آپ کو دیکھنے کے لیے یہاں آتا تھا اور یہاں سے جانے کے بعد میں سوچتا تھا کہ اب دوبارہ نہیں آؤں گا...... مگر میں پھر یہاں آجاتا تھا۔ میں جتنی دیر یہاں رہتا تھا۔ آپ نظر نہ بھی آتیں تو بھی مجھے سکون رہتا تھا مگر اس گیٹ سے ایک قدم باہر نکالتے ہی میں...... بہت مشکل ہے یہ بتانا کہ میں کیا محسوس کرتا تھا اور پچھلا پورا ہفتہ تو...... میں آپ کی طرف کیوں آتا ہوں۔ میں نہیں جانتا مگر کوئی چیز ہے جو مجھے...... آپ کا آرٹ...... یا پھر آپ خود...... مجھے نہیں پتا......'' اس کے چہرے پر اب اضطراب اور بے بسی تھی۔

''پھر میں نے سوچا اگر کسی عورت سے اتنی محبت ہوجائے تو پھر اس سے شادی کرلینی چاہیے۔ صوفیہ بہت اچھی ہے مگر میں نے اس کے لیے بھی یہ سب کچھ محسوس نہیں کیا...... آپ کے ساتھ میرا رشتہ کچھ اور طرح کا ہے۔ جیسے ابھی میں آپ کے پاس کھڑا آپ سے بات کر رہا ہوں تو مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں اپنے مدار میں ہوں...... مگر میں آپ کو کسی دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتا۔ میری فیملی اس شادی کو قبول نہیں کرے گی اس سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں ہر لحاظ سے سیٹل ہوں اور میں فیملی کی مرضی کے بغیر بھی آپ سے شادی کرسکتا ہوں۔ یہ خاصی ناخوشگوار صورت حال ہے لیکن میں آپ کو کوئی بھی گارنٹی دینے کو تیار ہوں آپ کو مجھ سے کبھی بھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں آپ کے ساتھ بہت خوش رہوں گا اور صرف میں ہی نہیں آپ بھی کیا آپ شادی کریں گی مجھ سے؟''

وہ ذالعید کا چہرہ دیکھتی رہی۔ ''ہاں...... آپ گھر آ کر ماما جان سے بات کرلیں۔'' ذالعید کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''کیا آپ کو یقین ہے۔آپ کی ماما جان مان جائیں گی؟''

''ہاں۔''

''ٹھیک ہے میں ان سے بات کرلوں گا۔''

وہ چند منٹ اس کے پاس رکا اور پھر چلا گیا۔ کینوس پر نظر جمائے ہوئے بھی مریم جانتی تھی کہ وہ اس سے کچھ اور بھی کہنا چاہ رہا تھا اور جب وہ اس کے پاس سے چلا گیا تو اس نے پینٹنگ بند کردی۔ وہ کتنی ہی دیر بے یقینی کے عالم میں اپنی آنکھیں بند کر کے اس کے لفظوں کو دہرانے کی کوشش کرتی رہی۔

❁

ذالعید کو اپنے پاپا کی طرف سے اس پرپوزل پر اعتراض کی توقع نہیں تھی۔ وہ بہت مطمئن تھا کہ پاپا اسے اس شادی کی اجازت دے دیں گے مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ انھوں نے بہت صاف الفاظ میں اس سے کہہ دیا تھا کہ وہ کسی غیر ملکی عورت کی اولاد سے اس کی شادی نہیں کریں گے۔

''اس کے علاوہ تم جہاں چاہو، میں تمہاری شادی کرسکتا ہوں۔'' انھوں نے اس سے کہا۔

''غیر ملکی عورت کی بیٹی میں کیا خرابی ہے۔ میں خود ایک غیر ملکی عورت کا بیٹا ہوں۔'' وہ ان کی منطق پر حیران ہوا۔ ''پھر مریم کی امی بہت مختلف عورت ہیں۔ مسلمان ہیں اور انھوں نے مریم کی بہت اچھی تربیت کی ہے۔''

''ایسی عورتوں کے اسلام کو تو تم رہنے ہی دو۔ شادیوں کے لیے یہ اسلام قبول کرلیتی ہیں اور پھر وفاداری اور پارسائی کا ڈرامہ کرتی ہیں۔ مغرب کی عورت کیسی ہوتی ہے۔ تم بہت اچھی طرح جانتے ہو۔''

''پاپا اگر کل آپ میرا پرپوزل کہیں لے کر جائیں اور وہ لوگ بھی اسی بنیاد پر انکار کردیں کہ میں ایک غیر ملکی عورت کا بیٹا ہوں تو؟'' اس نے نرم اور مدھم آواز میں ان سے کہا۔

''تمہاری تربیت کسی غیر ملکی عورت نے نہیں کی ہے۔ تمہاری تربیت میں نے کی ہے اور تم کسی غیر ملکی عورت کے حوالے سے نہیں میرے نام سے پہچانے جاتے ہو۔''

''مگر پاپا! ہم کون سا بہت مذہبی ہیں...... بہت لبرل ماحول ہے ہمارے گھر کا...... ہم تو عملی مسلمان بھی نہیں جو ہمیں یہ خوف ہو کہ شاید مریم اس طرح یہاں ایڈجسٹ نہ کرپائے یا ہماری روایات پر عمل نہیں کرپائے گی۔''

''ہم عملی ہوں یا نہ ہوں لیکن ہم پیدائشی مسلمان ہیں۔'' پاپا نے پہلی بار قدرے بلند آواز میں اس سے بات کی۔ ان کی آواز میں فخر تھا۔

''بہر حال پاپا! میں اُمِ مریم سے ہی شادی کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے ایک شادی کرنی ہے اور میں اپنی مرضی کی لڑکی سے ہی کروں گا۔''

''میری ناپسندیدگی کے باوجود؟''

''پاپا! آپ کی ناپسندیدگی کی کوئی قابل قبول وجہ ہوتو میں اس پر ضرور غور کروں مگر جو وجہ آپ مجھے بتا رہے ہیں۔ وہ تو کوئی وجہ نہیں ہے۔ چلیں مریم سے شادی نہیں کرتا اگلی بار پھر مجھے کوئی اس جیسی لڑکی پسند آ گئی جو غیر ملکی ہوئی یا اس کی ماں غیر ملکی ہوتو آپ پھر یہی کہیں گے کہ میں اس سے بھی شادی نہ کروں گا۔ پھر میں کیا کروں گا۔ میرے لیے تو ملکی اور غیر ملکی لڑکی میں کوئی فرق ہی نہیں ہے میں اس کو کوئی ایشو نہیں مانتا۔ آپ کی طرح میں بھی مذہبی نہیں ہوں تو پھر پرابلم کیا ہے۔ جو آپ کو اچھا لگے۔ اس سے شادی کر لینی چاہیے اور پھر مریم کو تو آپ غیر ملکی کہہ ہی نہیں سکتے۔ وہ پاکستانی ہے ہر لحاظ سے۔ شکل وصورت سے، بول چال سے، طور طریقے سے، ہر طرح سے، پھر صرف یہ کہا جائے کہ اس کی ماں ایک غیر ملکی عورت ہے، اس لیے...... جبکہ میں بتا بھی رہا ہوں کہ وہ ایک بہت اچھی خاتون ہیں۔ کم از کم مجھے بہت اچھی لگی ہیں۔'' وہ اسی طرح نرم مگر سنجیدہ آواز میں ان سے کہتا رہا۔

''ذالعید! تم شادی کرنا چاہتے ہو تو کرلو...... میں تم پر اپنی مرضی مسلط کرنا نہیں چاہتا...... مگر میں یا میری فیملی تمہاری شادی میں شریک نہیں ہوگی۔ تم ویسے بھی پہلے ہی خود مختار ہو۔ تم کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ٹھیک ہے کرلو۔'' پاپا نے میز پر پڑا ہوا اخبار اٹھاتے ہوئے پرسکون انداز میں کہا۔ وہ سنجیدگی سے ان کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"But this is not fair" (لیکن یہ غلط بات ہے پاپا) کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

''یہ ٹھیک ہے کہ میں خود مختار ہوں مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ میری شادی میں آپ کی مرضی شامل ہو اور پاپا! آپ ایک غلط بات کو ایشو بنا کر مجھے فیملی سے کاٹ دینا چاہتے ہیں۔'' اسے تکلیف ہوئی۔

''میں نہیں کاٹ دینا چاہتا، تم خود یہ کرنا چاہتے ہو۔''

وہ اگلے کئی گھنٹے ان کے ساتھ اس موضوع پر بات کرتا رہا مگر پاپا اپنی بات پر ڈٹے رہے۔

''ٹھیک ہے پاپا! پھر اگر آپ یہی چاہتے ہیں کہ صحیح بات پر بھی میرا بائیکاٹ کر دیں تو آپ کر دیں مگر مجھے شادی وہیں کرنی ہے۔'' وہ خاصی دل گرفتی اور سنجیدگی کے عالم میں ان کے پاس سے اٹھ آیا۔ نزہت سے اس نے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی کیونکہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ اس معاملہ میں نزہت کا کوئی رول نہیں ہے اور نہ ہی وہ اس کی مدد کریں گی۔

اس نے مریم کو اس بارے میں پرپوز کرنے کے ساتھ ہی بتا دیا تھا اور وہ یہ جان کر خاصا مطمئن ہو گیا کہ وہ اس سے پھر بھی شادی کرنے پر تیار ہے۔

❁

''ذالعید کو اگر تم سے شادی کرنا ہے تو اسے یہ کام اپنے گھر والوں کی مرضی سے کرنا ہے۔ ورنہ میں تمہارے لیے اس کے پرپوزل کو کبھی قبول نہیں کروں گی۔''

اس دن مریم نے گھر آ کر بڑے جوش سے ماما جان کو ذالعید کے پرپوزل کے بارے میں بتایا تھا اور اس کے ساتھ اس نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ ذالعید کی فیملی اس پرپوزل پر رضامند نہیں ہے مگر وہ پھر بھی اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ ماما جان نے سب کچھ سننے کے بعد بڑے نرم اور مستحکم

لہجے میں کہا تھا کہ ذالعید کے ماں باپ کی مرضی کے بغیر وہ مریم کی شادی اس سے نہیں کریں گی۔

وہ ان کی بات پر ہکابکا رہ گئی۔ ''مگر ماما جان! آپ جانتی ہیں کہ ذالعید کسی پر انحصار نہیں کرتا ہے وہ الگ گھر میں رہتا ہے۔ اس کا اپنا بزنس ہے۔ جائیداد میں سے پہلے ہی اسے اس کا حصہ مل چکا ہے۔ پھر اس شادی میں اس کے ماں باپ کی مرضی ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے؟''

''فرق پڑتا ہے مریم۔''

''ماما جان! اس نے مجھے بہت واضح الفاظ میں یہ بتا دیا ہے کہ اس کے ماں باپ کبھی بھی مجھ سے اس کی شادی پر تیار نہیں ہوں گے نہ آج نہ ہی آئندہ کبھی...... مگر وہ ان کی ناراضی کے باوجود مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔''

''اس کے والدین کیوں اعتراض کر رہے ہیں۔ کیا وہ اس کی شادی کہیں اور کرنا چاہتے ہیں؟'' ماما جان نے بہت سنجیدگی سے پوچھا۔

''یہ مجھے نہیں پتا۔ اس کی ممی کی ایک بھانجی ہے صوفیہ۔ میں نے آپ کو پہلے بھی اس کے بارے میں بتایا ہے۔ ذالعید کی اس کے ساتھ خاصی انڈراسٹینڈنگ تھی۔ اس کی ممی کا خیال تھا کہ وہ اس کے ساتھ شادی کرے گا بلکہ صوفیہ بھی یہی سمجھتی تھی مگر اب...... وہ صوفیہ کے ساتھ شادی کرنے کا تو نہیں کہہ رہے مگر وہ میرے علاوہ کسی بھی لڑکی سے اس کی شادی پر تیار ہیں۔''

''تم سے کیوں نہیں؟'' ماما جان نے اپنے سوال پر مریم کے چہرے پر کچھ تذبذب دیکھا، وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر خاموش رہی۔

''ذالعید سے کہو۔ اپنے ماں باپ سے بات کرے، انھیں منائے۔''

''ماما جان! میں نے اس سے شادی کا وعدہ کر لیا ہے اور اس کے ماں باپ نہ بھی مانیں تو بھی اس سے شادی کر لوں گی۔'' وہ غصے میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''اور اگر آپ نہ مانیں تو پھر میں آپ کی مرضی کی پروا بھی نہیں کروں گی۔ میں اس گھر سے چلی جاؤں گی اور آپ کی مرضی کے بغیر اس سے شادی کر لوں گی۔'' ماما جان اس کا چہرہ دیکھتی رہ گئیں۔ وہ اچانک بہت متفکر نظر آنے لگی تھیں۔

''ذالعید نے کہا ہے کہ وہ یہاں خود آ کر آپ سے اپنے پرپوزل کی بات کرے گا۔ آپ اس پرپوزل کو قبول کر لیں اور اس سے میری شادی طے کر دیں۔''

اس کے لہجے میں بے رخی تھی وہ ماما جان سے نظریں نہیں ملا رہی تھی۔ ماما جان نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ ایک گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

❀

''ذالعید! آپ نے مریم کو پروپوز کیا ہے؟'' ماما جان نے اسے چائے کی پیالی تھماتے ہوئے پوچھا۔

وہ مریم کے کہنے پر ان سے ملنے آیا تھا۔

''جی۔''

''آپ کے گھر والوں کو اس بارے میں پتا ہے؟''

''ہاں، وہ جانتے ہیں۔''

''تو کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ آپ کے پرپوز کرنے کے بعد آپ کے گھر والے اس سلسلے میں یہاں بات کرنے آتے۔'' انھوں نے بہت نرم لہجے میں اس سے کہا وہ سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔

''مریم نے آپ کو بتایا ہوگا...... میرے گھر والے رضامند نہیں ہیں۔'' کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھا کر بڑی صاف گوئی سے کہا۔

''تو پھر کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ آپ مریم سے شادی کی خواہش نہ کریں۔''

وہ ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔

''ماما جان! اگر میں مریم سے شادی نہیں کر سکا تو پھر میں کبھی کسی اور سے شادی نہیں کر پاؤں گا۔''

''کیا آپ نے یہ بات اپنے گھر والوں سے کہی؟''

ان کا لہجہ ابھی بھی اسی طرح پرسکون تھا۔

''ہاں، میں ان سے بہت کچھ کہہ چکا ہوں مگر میں انھیں اپنی بات سمجھا نہیں سکا۔''

''آپ کو ایک بار پھر کوشش کرنی چاہیے۔''

''ماما جان! میں انھیں قائل نہیں کر سکتا، یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ بابا نے کہا ہے کہ میں خود مختار ہوں۔ ان کی مرضی کے خلاف شادی کرنا چاہتا ہوں تو کر لوں لیکن وہ اس شادی کے سلسلے میں آپ سے بات کرنے یہاں آئیں گے نہ ہی میری شادی میں شرکت کریں گے۔ میں جتنی دفعہ بھی ان سے بات کروں گا...... ان کا جواب یہی ہوگا۔''

''انھیں کس چیز پر اعتراض ہے؟'' ماما جان نے پوچھا۔

ذالعید کہہ نہیں سکا۔ ''انھیں آپ پر اعتراض ہے۔'' وہ ماما جان کو تکلیف پہنچانا نہیں چاہتا تھا۔

''انھیں بہت ساری باتوں پر اعتراض ہے...... ماما جان! دیکھیں میں واقعی خود مختار ہوں۔ میرا اپنا گھر ہے...... بزنس ہے...... میں کسی بھی لحاظ سے اپنی فیملی پر انحصار نہیں کرتا۔ شادی سے پہلے بھی الگ گھر میں رہتا ہوں شادی کے بعد بھی الگ ہی رہوں گا۔ اس شادی سے مجھے کسی قسم کا کوئی نقصان ہونے کا خدشہ نہیں ہے۔ میری فیملی میری شادی میں شرکت نہ بھی کرے تب بھی بعد میں سب لوگ آہستہ آہستہ اس رشتے کو قبول کر لیں گے۔'' اس نے بہت سنجیدگی سے ماما جان سے کہا۔

''اور اگر ایسا نہ ہوا......؟''

''تو بھی مجھے یا مریم کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا...... میں جانتا ہوں، آپ کے دل میں بہت سے خدشات ہوں گے۔ لیکن میں آپ کو ہر قسم کی سیکیورٹی دینے کے لیے تیار ہوں۔ آپ چاہیں تو میں مریم کے نام گھر کرنے کو تیار ہوں۔ آپ جتنی رقم چاہیں، میں حق مہر میں دے سکتا ہوں، اس کے علاوہ بھی میں آپ کو ہر قسم کی گارنٹی دینے کو تیار ہوں۔''

''آپ کو لگتا ہے، ذالعید رشتے انسانوں سے نہیں ان چیزوں سے باندھے جاتے ہیں۔ شادی ناکام ہونے کی صورت میں کیا عورت کے لیے یہ کافی ہے کہ اس کے پاس گھر ہو اور اکاؤنٹ میں ڈھیروں کے حساب سے پیسہ ہو...... باقی ساری زندگی گزارنے کے لیے کیا یہ دونوں چیزیں کافی ہیں؟''

ذالعید کچھ بے بسی کے عالم میں ماما جان کا چہرہ دیکھنے لگا۔ ان کے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی تھی۔

''میں نے یہ نہیں کہا ماما جان...... میں تو صرف سیکیورٹی کی بات کر رہا ہوں۔''

''مریم کو اس معاشرے میں رہنا ہے...... میں آپ کے خاندان کی رضامندی کے بغیر اس کی شادی آپ سے نہیں کر سکتی۔'' ماما جان نے قطعی لہجے میں کہا۔

''ماما جان! آپ کو مجھ پر اعتبار کرنا چاہیے۔''

''انسان قابل اعتبار نہیں ہوتے۔'' وہ مسکرائیں۔

''سب انسان ایک جیسے نہیں ہوتے۔'' ذالعید نے اصرار کیا۔

''سب انسان ایک جیسے ہوتے ہیں ذالعید!...... خاص طور پر وہ انسان کسی بھی لحاظ سے مختلف نہیں ہوتے جو اپنے آپ کو مختلف مان لینے پر اصرار کرتے ہیں۔''

''میں نے مختلف ہونے کا دعویٰ نہیں کیا...... میں نے صرف یہ کہا ہے کہ میں قابل اعتبار ہوں۔ انسانوں پر بھروسا کیا جانا چاہیے ماما جان۔''

''انسانوں پر بھروسا کر بھی لیا جائے تو وقت اور حالات پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔ وقت اور حالات وہ چیز ہیں جو ہر جذبہ، ہر رشتہ بدل دیتے ہیں...... آج آپ اپنے ماں باپ سے محبت اور خونی رشتہ ہونے کے باوجود ایک لڑکی سے شادی پر بضد ہیں اور وہ آپ کو اس سے روک نہیں پا رہے۔ کل اگر آپ مریم کو چھوڑنا چاہیں گے تو میں اور مریم آپ کو کیسے روک پائیں گے۔''

وہ کچھ بول نہیں پایا۔

''اور پھر اس وقت مریم کیا کرے گی؟...... آپ کے دیے ہوئے گھر میں رہے گی؟ آپ کے دیے ہوئے نوٹ کھائے گی، پیے گی، اوڑھے گی ان ہی نوٹوں سے اپنے آنسو خشک کرے گی۔ ان ہی نوٹوں سے اپنے ماتھے پر لگی ہوئی بے عزتی پونچھے گی۔ ان ہی نوٹوں سے لوگوں کی آنکھوں میں اگ آنے والے کانٹے اکھاڑے گی؟ ان ہی نوٹوں سے لوگوں کی زبانوں سے ٹپکنے والا زہر صاف کرے گی۔ اپنے اندر اور باہر لگنے والے سارے زخموں پر وہی نوٹ پلاسٹر کی طرح چپکا دے گی اور پھر انہیں نوٹوں سے اپنے لیے ایک اور تاج محل تعمیر کرے گی۔ نہیں ذالعید! یہ رشتہ اگر ہوا تو آپ کے گھر والوں کی مرضی سے ہوگا ورنہ نہیں ہوگا۔ خاندان کی مرضی کے بغیر مریم کی شادی کروا کر میں اسے کسی برزخ میں ڈالنا نہیں چاہتی۔''

''ماما جان! مریم یہ سب کچھ جانتی ہے۔ اس کے باوجود اسے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''اس کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا مگر مجھے اعتراض ہے، وہ میری بیٹی ہے اور اس کی شادی میری مرضی کے بغیر نہیں ہو سکتی۔'' اس بار ماما جان کے لہجے میں کچھ سختی تھی۔

''ماما جان! آپ تو اس معاشرے سے تعلق رکھتی ہیں جو ایسی چیزوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ آپ کو تو لبرل ہونا چاہیے۔ انسان کو معاشرے کی اتنی پروا نہیں کرنی چاہیے۔''

''ذالعید! میں اسی معاشرے سے تعلق رکھتی ہوں۔ میں اور میری بیٹی یہاں رہتے ہیں اور شادی کے بعد آپ اور مریم بھی مریخ پر جا کر نہیں رہیں گے...... آپ کو بھی یہیں رہنا ہوگا۔ مجھے مریم کی پسند پر کوئی اعتراض نہیں ہے مجھے صرف خوف اس بات کا ہے کہ اگر یہ شادی ناکام ہوئی تو کیا ہوگا؟ اس وقت مریم دنیا کا سامنا کیسے کرے گی۔''

''مگر ماما جان! اگر میرے ماں باپ رضامند نہیں ہو رہے تو میں کیا کر سکتا ہوں؟ آپ مریم کے لیے میرے خلوص پر شک تو نہ کریں...... میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مریم کو مجھ سے کبھی شکایت نہیں ہوگی۔ میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھڑکنے والا آدمی ہوں نہ انا پرست ہوں...... میں بہت متحمل مزاج ہوں۔ میں مریم کو کبھی طلاق نہیں دوں گا۔'' وہ ایک بار پھر انہیں یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

آپ ایک بار کہیں، سو بار یا ہزار بار...... میرا جواب وہی ہوگا۔ آپ کے ماں باپ اگر اس رشتہ کے لیے میرے پاس آئے تو میں کوئی اعتراض نہیں کروں گی دوسری صورت میں مریم کی شادی آپ سے نہیں ہوگی۔''

ماما جان نے کھڑے ہو کر کہا اور پھر اس کے سامنے رکھی ہوئی ٹرے اٹھا کر باہر آ گئیں۔

وہ کچھ دیر چپ چاپ کرسی پر بیٹھا رہا پھر کمرے سے باہر نکل آیا۔ ماما جان برآمدے میں چولہے کے پاس ٹرے رکھ رہی تھیں۔

''ذالعید! انگوٹھے کو کیا ہوا؟'' انھوں نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔ ذالعید نے اپنی چپل کی طرف دیکھا جس میں سے پلاسٹر میں لپٹا ہوا انگوٹھا نظر آ رہا تھا۔

''ٹھوکر لگ گئی...... ناخن ہل گیا ہے۔ ڈاکٹر کہہ رہا تھا نکالنا پڑے گا۔ میں چند دنوں سے مصروف تھا۔ اس لیے اسے آپریٹ نہیں کروا سکا۔'' اس نے ان کے استفسار پر کچھ حیران ہو کر بتایا۔

''اچھا تم ذرا اندر بیٹھو۔'' وہ خاموشی سے اندر چلا گیا۔

ماما جان دس منٹ کے بعد دوبارہ اندر آئیں۔ ان کے ایک ہاتھ میں ایک پلیٹ اور دوسرے میں روئی اور پٹی تھی۔ ذالعید نے حیران ہو کر اس سامان کو دیکھا۔

''اپنا جوتا اتارو۔ اور یہ پلاسٹر بھی اتار دو۔''

''آپ کیا کرنا چاہ رہی ہیں ماما جان؟''

''میں یہ گرم گھی اور ہلدی لگا کر پٹی کرنا چاہتی ہوں تمھارے انگوٹھے کی۔'' وہ ان کا منہ دیکھ کر رہ گیا۔

''چلو۔ میں خود اتار لیتی ہوں۔'' وہ اس کے پاس فرش پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئیں۔

ذالعید بے اختیار شرمندہ ہوا، جب وہ اس کی چپل کا اسٹریپ کھولنے لگیں۔

''میں خود اتار دیتا ہوں ماما جان۔'' اس نے بے ساختہ ان کا ہاتھ ہٹا دیا اور برق رفتاری سے چپل اتارنے کے بعد پلاسٹر بھی اتار دیا۔

اس کی شرمندگی میں اس وقت اور اضافہ ہوا جب ماما جان نے نرمی سے اس کے انگوٹھے کو گیلی روئی سے اچھی طرح صاف کیا۔

''ماما جان! میں کر لیتا ہوں خود۔''

''کوئی بات نہیں ذالعید! میں کر دیتی ہوں...... آپریشن کروانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ دو تین دن اپنے ملازم سے کہو کہ تمہیں ہلدی اور گھی گرم کر دیا کرے یا تم آ جایا کرو، میں کر دیا کروں گی چند دن یہی انگوٹھے پر لگاتے رہو۔ ناخن ٹھیک ہو جائے گا۔ پانی سے بچایا کرو اور کچھ دن زیادہ چلنے سے گریز کرو۔'' وہ پٹی کرتے ہوئے اسے ہدایات دیتی رہیں۔ ذالعید حیرت سے انہیں دیکھتا رہا۔

''جی اچھا!'' وہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہہ سکا۔

وہاں سے واپس آتے ہوئے ڈرائیونگ کے دوران اس کی نظر بار بار اس انگوٹھے پر جاتی رہی۔ اسے اپنے اس انگوٹھے پر اگلے کئی دن وہی نرم لمس یاد آتا رہا۔ اس نے غیر شعوری طور پر ماما جان کی ہدایات پر عمل کیا۔

❀

''ماما جان! آپ نے ذالعید کو انکار کر دیا؟'' مریم نے کالج سے آتے ہی پوچھا۔

''تم کپڑے بدل لو۔ میں کھانا لگاتی ہوں۔'' ماما جان نے اطمینان سے کہا۔

''آپ میری بات کا جواب دیں، آپ نے ذالعید کو انکار کیوں کیا ہے؟'' وہ مشتعل تھی۔

''میں نے انکار نہیں کیا۔ میں نے صرف یہ کہا کہ وہ اپنے ماں باپ کو رضامند کر لے تب ہی یہ شادی ہو سکتی ہے۔''

وہ سرخ چہرے کے ساتھ انہیں دیکھتی رہی پھر اس نے اپنا بیگ اور فولڈر اٹھا کر دور پھینک دیا۔ ماما جان نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر جا کر بیگ اور فولڈر اٹھا کر ان کی جگہ پر رکھنے لگیں۔

''آپ کو پتا ہے، ذالعید نے مجھ سے کیا کہا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کو رضامند نہیں کر سکتا مگر وہ ایک کوشش اور کرے گا لیکن وہ کہتا ہے کہ مجھ سے شادی وہ تب ہی کرے گا جب آپ رضامند ہو جائیں گی۔ جب میں نے اس سے کہا کہ اگر آپ رضامند نہ ہوئیں تو؟ وہ کچھ بھی نہیں بولا بس خاموش رہا...... ماما جان آپ کی وجہ سے صرف آپ کی وجہ سے میں اس کو کھو دوں گی کیا آپ کو مجھ پر ترس نہیں آتا؟''

''آپ کو احساس ہے کہ میں نے اس کو کتنی دعاؤں سے پایا ہے...... ماما جان! وہ میرے لیے سب کچھ ہے...... سب کچھ...... آپ میری ماں نہیں ہیں۔ آپ میری ماں ہو ہی نہیں سکتیں۔ کوئی ماں اولاد کو اس طرح تکلیف نہیں دے سکتی۔ جیسے آپ مجھے دے رہی ہیں۔''

وہ بالکل ساکت کھڑی اسے روتے اور بولتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔

اس نے اس دوپہر کھانا نہیں کھایا۔ اپنے بستر پر اوندھی لیٹی وہ روتی رہی۔ ماما جان کے سارے ارادے ریت کی دیوار ثابت ہوئے۔ شام چھ بجے وہ اس کے پاس آئیں۔

"ذالعید کو ایک بار اپنے ماں باپ سے بات کر لینے دو، اگر اس کے ماں باپ نہ مانے تو پھر میں اس کے ساتھ تمہاری شادی کروادوں گی۔"

اس کے آنسوؤں نے ایک بار پھر انھیں چاروں شانے چت کر دیا تھا۔

❁

چودھواں باب

ڈیپارٹمنٹ اسٹور کے ایک کاؤنٹر پر کھڑی وہ چند کسٹمرز کو والٹ دکھا رہی تھی جب مظہر اس کے قریب آکر رکا۔ اس نے ایک پروفیشنل مسکراہٹ چہرے پر لاتے ہوئے کاؤنٹر سے سر اٹھا کر اسے دیکھا...... اس کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔

"یہ خواب کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتا" اس کے اندر ایک آواز گونجی۔ سامنے کھڑے شخص کے چہرے پر کوئی مسکراہٹ نہیں ابھری۔

"مجھے والٹ چاہیے۔" خدیجہ بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی۔ اس کے چہرے پر شناسائی کی کوئی رمق نہیں تھی۔

"کیا اس نے مجھے نہیں پہچانا؟ کیا ممکن ہے کہ مظہر مجھے دیکھے اور نہ پہچانے؟ کیا میرا چہرہ اتنا بدل چکا ہے؟" وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ اب پھر اس کی طرف دیکھے بغیر اسے ایک والٹ نکالنے کا کہہ رہا تھا۔ خدیجہ نے کاؤنٹر کے اوپر وہ والٹ رکھ دیا۔ کاؤنٹر پر کچھ اور کسٹمرز آگئے۔ وہ ان کی طرف متوجہ ہوگئی۔ ان کے سامنے ان کی مطلوبہ چیزیں رکھنے کے بعد جب وہ دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوئی تو وہ اس وقت کاؤنٹر پر موجود ایک دوسری لڑکی کو ادائیگی کرنے کے بعد رسید لے رہا تھا۔ رسید لینے کے بعد ایک لمحہ کے لیے بھی اس پر نظر ڈالے بغیر وہ بیرونی دروازے کی طرف چلا گیا۔ خدیجہ اس وقت تک اسے دیکھتی رہی جب وہ اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوگیا۔

"کوئی سوال، کوئی جواب نہیں، غصہ بھری ایک نظر تک نہیں، کسی شکوے کے قابل بھی نہیں سمجھا اس نے مجھے۔"

وہ آنکھوں میں اترتی نمی کو روکتے ہوئے کسٹمرز کو ڈیل کرنے لگی۔

اس طرح کیوں چلا گیا وہ؟ کیا...... کیا اسے تب میرے بارے میں سب کچھ پتا چل گیا تھا۔ ہاں وہ یقیناً اس عمارت تک تو گیا ہوگا اور اس نے وہاں مجھے ڈھونڈا بھی ہوگا اور پھر...... پھر کیا ہوگا؟ لیکن اس سب کے باوجود اسے مجھ سے بات کرنی چاہیے تھی اس طرح تو نہیں جانا چاہیے تھا...... یا پھر...... یا پھر میں زیادہ جذباتی ہوکر سوچ رہی ہوں۔ آخر وہ سب کچھ چار سال پہلے کا قصہ تھا۔ چار سال لمبا عرصہ ہوتا ہے۔ جس طرح میں کچھ بتائے بغیر غائب ہوگئی اس کے بعد کیا مجھے یہ توقع رکھنی چاہیے کہ یہ...... اس نے شادی کرلی ہوگی یا پھر کوئی اور لڑکی اس کی زندگی میں آچکی ہوگی اور میں پھر بھی توقع کررہی ہوں کہ وہ مجھے دیکھے تو...... ہاں اس سے بڑی حماقت کیا ہوسکتی ہے جیسی زندگی میں گزار چکی ہوں اس کے بعد بھی میں مظہر کی تمنا کروں۔ میرے لیے وہ کیوں اپنا کوئی رشتہ گنوائے۔ اپنے کسی تعلق کو چھوڑے۔" اس نے خود کو آئینہ دکھانے کی کوشش کی۔

"مجھے اب اس کے بارے میں سوچنا چھوڑ دینا چاہیے اس سے اب میرا کوئی تعلق نہیں چار سال پہلے وہ میری زندگی سے نکل چکا ہے۔" اس نے خود کو سمجھانے کی کوشش کی۔

لیکن اس شام چھٹی کے بعد وہ گھر جانے کے بجائے سیدھا اسی گراؤنڈ میں گئی تھی۔ جہاں وہ مظہر سے پہلی بار ملی تھی۔ سیڑھیوں پر اکیلے

بیٹھ کر اس نے گراؤنڈ میں کھیلتے ہوئے لوگوں کو دیکھنا شروع کر دیا۔ ماضی ایک بار پھر اس کے سامنے کسی فلم کی طرح چلنے لگا تھا۔

''ایک بات تو طے ہے میں اس شخص کو بھلا نہیں سکتی۔ نہ آج نہ آئندہ کبھی...... کوئی دوسرا شخص میرے لیے مظہر کبھی نہیں ہو سکتا۔'' اس دن وہاں سیڑھیوں میں بیٹھے ہوئے بہتے آنسوؤں کے دوران اس نے سوچا۔ ''اور میں اللہ سے دعا کرتی ہوں وہ دوبارہ میرے سامنے کبھی نہ آئے۔''

....

وہ چوتھے دن ایک بار پھر کاؤنٹر کے دوسری طرف کھڑا تھا۔ خدیجہ اس وقت بھی ایک کسٹمر کو ڈیل کر رہی تھی۔ اس دن اس کے چہرے پر شناسائی بھی تھی اور آنکھوں میں غصہ بھی۔

''میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟'' خدیجہ نے اپنے چہرے پر زبردستی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔

''بات کرنا چاہتا ہوں میں تم سے...... یہاں سے کب فارغ ہو گی تم؟''

خدیجہ کا رنگ اڑ گیا۔ وہ ساکت کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ اس وقت اسے پہلی بار اندازہ ہوا کہ اس سے بات کرنا اس کے لیے کتنی بڑی قیامت ہوگا۔ اپنے آپ کو عزت دار سمجھنے والے واحد شخص کے سامنے آپ یہ کہیں کہ آپ...... وہ جواب دیے بغیر دوسرے کسٹمر کی طرف متوجہ ہوگئی۔ مظہر وہیں کھڑا رہا۔ وہ کسٹمر چلا گیا تو مظہر پھر آگے بڑھ آیا۔

''تم یہاں سے کب فارغ ہو گی؟'' اس نے اکھڑے لہجے میں پوچھا۔

خدیجہ نے سنی اَن سنی کرتے ہوئے کاؤنٹر پر موجود چیزیں اٹھانی شروع کر دیں۔ مظہر کا چہرہ ایک لحظہ کے لیے سرخ ہوا۔ ''میں تم سے بات کر رہا ہوں کیتھرین۔'' اس بار اس نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

''میں آپ کو نہیں جانتی۔'' اس نے سر اٹھا کر اپنے لہجے کے ارتعاش پر قابو پاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ وہ ساکت رہ گیا، وہ کاؤنٹر سے ہٹنے لگی جب اس نے کاؤنٹر پر دھرے ہوئے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''مجھ سے اس طرح مت پیش آؤ کیتھرین کہ مجھے واقعی یہ یقین آنے لگے کہ میں نے تمہارے لیے اپنی زندگی کے چار سال ضائع کیے ہیں۔

''مظہر کی آنکھوں میں نمی تھی۔ وہ اس کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹا سکی۔ یہ وہ واحد شخص تھا جس نے اسے ہمیشہ عزت دی تھی اور اس نے اس عزت کے بدلے اسے اپنے دل میں وہاں لا بٹھایا تھا جہاں وہ کسی دوسرے کو نہیں بٹھا سکتی تھی اور اس لمحے چھ سال بعد اس نے پہلی بار خود سے سوال کیا تھا۔

''چھ سال پہلے کیوں میں نے اپنا جسم بیچنا شروع کر دیا تھا کیا بہتر نہیں تھا کہ میں بھوک اور بیماری سے مر جاتی۔ کم از کم یہ لمحہ میری زندگی میں کبھی نہیں آتا کہ مجھے اس شخص کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا پڑتے؟''

اور چھ سال میں پہلی مرتبہ ہی اس نے خدا سے شکوہ کیا تھا۔

''میرے ساتھ یہ سب کچھ کیوں ہوا میرے اللہ کہ اب میں اس شخص کے سامنے سر اٹھانے تک کے قابل نہیں؟'' اس کا دل چاہتا تھا، وہ کسی ننھے بچے کی طرح اس سے لپٹ کر رونے لگے۔ بلند آواز میں۔ اس بات کی پروا کیے بغیر کہ لوگ اسے دیکھ رہے ہیں، اس بات کی فکر کیے بغیر وہ

اس کے بارے میں کیا سوچیں گے۔

اس نے سر جھکا کر آہستہ سے مظہر کے ہاتھ کے نیچے سے اپنا ہاتھ نکال لیا۔

''میں آٹھ بجے باہر آؤں گی۔'' اس نے دھیمے سے کہا۔

''میں باہر پارکنگ میں تمہارا انتظار کروں گا'' وہ کہتا ہوا چلا گیا۔

باقی کا سارا وقت وہ لفظوں کا انتخاب کرتی رہی کس طرح اسے مظہر کو وضاحتیں دینی تھیں۔ مگر وہ جانتی تھی دنیا کے خوبصورت ترین لفظ بھی ان حقیقتوں کی بدصورتی کو نہیں چھپا سکیں گے جن سے اسے مظہر کو آگاہ کرنا تھا اور اس وقت بے اختیار اس کا دل چاہا تھا وہ مر جائے...... ابھی یہیں...... اسے مظہر کو کچھ بھی بتانا نہ پڑے۔

آٹھ بج کر دس منٹ پر وہ باہر پارکنگ میں آ گئی۔ متلاشی نظروں سے اس نے مظہر کو دیکھنا شروع کیا اور تب ہی وہ گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا اس کے پاس آ گیا۔ کچھ کہے بغیر اس نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ وہ خاموشی سے اندر بیٹھ گئی۔

وہ گاڑی سڑک پر لے آیا، بہت دیر وہ کچھ کہے بغیر گاڑی چلاتا رہا۔ خدیجہ سوچتی رہی، وہ بات کہاں سے شروع کرے۔ معذرت سے یا ماضی سے...... اسے اپنی مجبوری کا قصہ سنائے یا حالات کا...... اس سے ملنے سے پہلے کے ایک سال کے بارے میں بتائے یا پچھلے چار سال کے بارے میں......

وہ بات شروع کرنے کی ہمت نہیں کر سکی۔ مظہر نے اچانک ایک عمارت کی پارکنگ میں گاڑی روک دی۔ وہ یقیناً اسی عمارت میں رہتا تھا۔

''ہمیں یہیں بات کرنی چاہیے۔'' خدیجہ نے اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی کہا۔ وہ چہرہ موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

''میں سمجھ نہیں پا رہا۔ میں تم سے کیا کہوں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص کے ساتھ آٹھ ماہ گزارے جائیں اور اس کے بعد اسے کوڑے کے ڈبے میں پھینک دیا جائے، یہ تو تب ہی ہوتا ہے جب اس سے محبت نہ ہو لیکن آٹھ ماہ میں نے تمہاری آنکھوں میں اپنے لیے محبت کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا یا پھر شاید میں نے تمہیں سمجھنے میں غلطی کی شاید میں نے تم سے بہت زیادہ توقعات وابستہ کر لیں مگر جو بھی تھا ایک بار ہم دونوں میں بات تو ہونی چاہیے تھی تم اس طرح مجھے کیسے چھوڑ کر جا سکتی تھیں۔ میں سمجھتا تھا تمہیں مجھ پر اعتماد ہے۔ مگر یہ غلط تھا۔ تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں تھا۔ میں جتنا ان سب چیزوں کے بارے میں سوچتا ہوں مجھے لگتا ہے، میں پاگل ہو جاؤں گا۔'' وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ کیا کہنا چاہ رہا ہے۔

''کیا تم نے کبھی سوچا ہے کہ جب میں نے واپس آ کر تمہیں غائب پایا ہوگا تو کیا محسوس کیا ہوگا۔ میرا انتظار کرنے کے بجائے تم وہ جگہ ہی چھوڑ کر چلی گئیں۔ تم نے سوچا میں واپس چلا گیا۔ اب دوبارہ کبھی نہیں آؤں گا یا پھر شاید تم مجھ سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتی تھیں اور یہ بھی ممکن ہے تمہیں مجھ سے بہتر کوئی مل گیا ہو۔

خدیجہ کے ذہن میں ایک جھماکا ہوا۔ وہ کیا کہہ رہا تھا؟ کیا وہ میرے بارے میں واقعی کچھ نہیں جانتا۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ اسے اس عمارت کا پتا تھا تو پھر اس کے لیے میری جگہ ڈھونڈنا کیا مشکل تھا اور ایک بار یہ میرے فلیٹ تک پہنچتا تو اسے سب کچھ پتا چل جاتا...... مگر یہ کہہ رہا ہے کہ......''

وہ پلکیں جھپکائے بغیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''کم از کم تین چار ماہ تو تمھیں میرا انتظار کرنا چاہیے تھا۔ اتنے عرصے کا تو میں تمھیں بتا کر گیا تھا۔ تین چار ماہ کے بعد بھی جب میں نہ آتا تو تم میرے لیے کوئی پیغام چھوڑ کر جا سکتی تھیں میرے کچھ دوستوں سے تم واقف ہو، تم ان سے میرے متعلق پوچھ سکتی تھیں یا اپنے جانے کے بارے میں بتا سکتی تھیں۔''

''مظہر! تم میرے فلیٹ پر گئے تھے؟'' خدیجہ نے اپنی آواز پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں! پاکستان سے آتے ہی میں وہاں گیا تھا۔ کیا تم یقین کرو گی کہ میں ایئرپورٹ سے سیدھا اس عمارت میں گیا تھا۔ پھر مجھے یاد آیا کہ میرے پاس تمہارا پورا ایڈریس نہیں ہے۔ لیکن میں نے سوچا میں اس عمارت میں تمہاری رہائش گاہ ڈھونڈ لوں گا لیکن میں ڈھونڈ نہیں پایا۔ ایک ایک دروازے پر دستک دے کر میں نے تمہارا نام اور حلیہ بتا کر تمھارے بارے میں پوچھا۔ کچھ پتا نہیں چلا...... میں وہاں سے اس اسٹور میں گیا جہاں تم کام کرتی تھیں تب تک اسٹور بند ہو چکا تھا۔ ساری رات میں ایک لمحے کے لیے نہیں سو سکا...... پاکستان سے واپسی میں مجھے تین چار ماہ کے بجائے چھ ماہ لگ گئے تھے اور اس رات مجھے خوف محسوس ہو رہا تھا کہ تم نے یہ سوچا ہوگا کہ میں بھی تمھارے باپ کی طرح تمھیں چھوڑ گیا...... اور پتا نہیں تم کہاں ہوگی۔ اگلے دن اسٹور سے پتا چلا کہ تم چار ماہ پہلے بغیر بتائے جاب چھوڑ چکی ہو۔ ان سے میں نے تمہارا پورا ایڈریس لیا۔ وہ اسی عمارت کے ایک فلیٹ کا تھا مگر تب اس فلیٹ میں کوئی اور رہ رہا تھا اور وہ تمھارے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ پھر میں نے آس پاس کے فلیٹس سے تمہارا پتا لگانے کی کوشش کی۔ وہاں رہنے والے بھی حال ہی میں آئے تھے۔ اس کے بعد میں اس عمارت کے مالک سے ملا۔ اس نے بتایا کہ تم چار ماہ پہلے بغیر بتائے وہ جگہ چھوڑ گئی تھیں...... اس کے پاس تمہارا کوئی اتا پتا نہیں تھا۔ اس کے بعد اگلے تین ماہ میں نے اس علاقے کی ہر عمارت کو چھان مارا۔ حتیٰ کہ اس بار میں بھی گیا جہاں تم بار میڈ کے طور پر کام کرتی رہی تھیں۔''

خدیجہ کا سانس رک گیا۔ ''اب وہ آگے کیا کہے گا؟''

''وہاں سے بھی تمھارے بارے میں کچھ پتا نہیں چلا۔'' خدیجہ نے لمحے بھر کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔

''ہر وہ جگہ جہاں تمھارے کام کرنے یا رہنے کا امکان ہو سکتا تھا۔ میں وہاں گیا...... مگر تم کہیں نہیں تھیں پھر مجھے خیال آیا کہ تم میرے جانے کے دو ماہ بعد ہی وہاں سے چلی گئیں، ہو سکتا ہے اس عرصہ میں تمھیں کوئی دوسرا شخص مل گیا ہو...... یہ بھی ممکن تھا کہ تم مجھ سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتی تھیں، اسی لیے تم وہاں سے چلی گئیں...... مگر یہ سب قیاس تھے پچھلے چار سال سے اندازے لگانے کے علاوہ میں اور کچھ نہیں کر رہا اور چار دن پہلے تمھیں اس اسٹور کے کاؤنٹر کے دوسری طرف کھڑا دیکھ کر میرا دل چاہا تھا۔ میں تمھیں شوٹ کر دوں۔ ایک شہر میں رہتے ہوئے یہ کیسے ہوا کہ میں تمھیں ڈھونڈ نہیں پایا اور تم...... تم نے مجھ سے رابطہ نہیں کیا۔ وہاں سے نکلتے ہوئے میں نے یہ طے کیا تھا کہ اب میں دوبارہ اسٹور میں نہیں جاؤں گا نہ ہی تم سے رابطہ کروں گا۔ چار سال بے وقوف بننے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ میں نے سوچا تھا کہ میں واپس پاکستان چلا جاتا ہوں اور وہاں دوبارہ اپنی زندگی شروع کروں گا۔ شادی کروں گا، اور اطمینان سے زندگی گزاروں گا لیکن پچھلے چار دن سے تمہارا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے ایک لمحے

کے لیے بھی ہٹ نہیں سکا۔''

اس کا لہجہ اب شکست خوردہ تھا۔ وہ کسی بت کی طرح ساکت بیٹھی اندھیرے میں ونڈ اسکرین سے باہر دیکھ رہی تھی۔ ''کیا اس سے بڑا معجزہ کوئی ہوسکتا ہے کہ یہ شخص میرے بارے میں پوری کوشش کے باوجود اس طرح لاعلم ہو۔''

''اب تم بتاؤ! تم نے یہ سب کچھ کیوں کیا؟''

وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ ''نہیں! میں اسے کبھی یہ نہیں بتا سکتی کہ میں پچھلے چار سال سے...... اگر یہ کچھ نہیں جانتا تو بہتر ہے، یہ کچھ نہ جانے۔''

''کیتھرین! میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں؟'' وہ چونک گئی۔

''میں لندن چلی گئی تھی۔'' اس نے ایک طویل خاموشی کے بعد پہلا جملہ بولا۔

''کیوں؟''

''پتا نہیں کیوں؟'' اس نے مظہر کے چہرے سے نظریں ہٹالیں وہ اس سے نظریں ملا کر جھوٹ کبھی نہیں بول سکتی تھی۔

''میں لیسٹر میں تھی...... میرا خیال تھا۔ تم کبھی واپس نہیں آؤ گے۔ اس لیے مجھے تمہارا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔''

''کیتھرین!'' وہ حلق کے بل چلایا۔ ''میں نے تم سے شادی کا وعدہ کیا تھا۔ تم نے سوچا، میں شادی کا وعدہ کر کے بھاگ گیا۔ میں پٹھان ہوں، ہم لوگ کسی سے وعدہ نہیں کرتے اور کرلیں تو پھر جان تو جاسکتی ہے مگر عہد نہیں ٹوٹ سکتا اور تم نے سوچا کہ......''

وہ ونڈ اسکرین سے باہر دیکھتی رہی۔ اسے شرم آنے لگی تھی۔ ''یہ شخص مجھے کیا سمجھ رہا ہے اور میں......''

''تمھیں علم نہیں ہے، تمھارے لیے میں کیا چھوڑ کر آیا تھا۔ ہم لوگوں کی فیملی میں رواج ہی نہیں ہے۔ کہیں باہر شادی کرنے کا...... اور کسی انگریز لڑکی سے شادی کا تو صرف خواب ہی دیکھا جاسکتا ہے۔ اس کے باوجود میں نے اس گراؤنڈ میں جب پہلی بار تمھیں سیڑھیوں میں بیٹھے دیکھا تھا تو میں نے سوچ لیا تھا کہ میں اگر کبھی کسی سے شادی کروں گا تو وہ یہ لڑکی ہوگی اور میں اس وقت یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ کتنا مشکل ہوگا۔ میرا باپ اپنے قبیلے کا سردار ہے اگرچہ وہ بیرونِ ملک سے تعلیم یافتہ ہے اور اب ایک عرصہ سے شہر میں رہائش پذیر ہے لیکن قبیلے کی روایات پر عمل کرنا اب بھی ہم اپنا ایمان سمجھتے ہیں اور جرگہ کبھی سردار کی اولاد کو اس طرح غیر ملکی عورت سے شادی کرنے کی اجازت نہیں دے گا...... مگر میں جب اپنی بات نہیں منوا سکا تو پھر سب کچھ چھوڑ آیا۔ اس بات کی پروا کیے بغیر کہ دوبارہ اپنے خاندان کے ساتھ ملنا میرے لیے ممکن نہیں ہوگا اور صرف مجھے ہی نہیں بلکہ میری اولاد کو بھی رد کر دیا جائے گا۔ میں نے سوچا تھا، مجھے ڈگری ملنے والی ہے۔ تعلیم مکمل ہو چکی ہے۔ میں بہت آرام سے تمھارے ساتھ زندگی گزار سکتا ہوں، اور جب میں اپنی ساری کشتیاں جلا کر یہاں آیا تو تم وہاں سے غائب تھیں۔ میں نہ ادھر کا رہا نہ ادھر کا کیا تم اس تکلیف کا اندازہ کر سکتی ہو جس کا سامنا میں نے کیا۔ کیا میں تمھیں شکل سے جھوٹا لگتا ہوں؟ تم میری طرف دیکھو۔''

اس نے خدیجہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر زبردستی اس کا رخ اپنی طرف موڑا۔

''کیا میں شکل سے جھوٹا لگتا ہوں؟...... لگتا ہوں؟''

خدیجہ نے نفی میں سر ہلایا۔

''تو پھر...... پھر اس طرح بھاگ جانے کی وجہ کیا تھی؟''

''آپ نے آٹھ ماہ کے دوران کبھی شادی کی بات نہیں کی۔''

''جانے سے پہلے میں نے تمہیں پرپوز کیا تھا۔''

''ہاں۔ مگر اس سے پہلے کبھی بھی آپ نے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی...... کبھی کسی جذبے کا اظہار تک نہیں کیا...... میں نے سوچا شاید وہ ایک وقتی بات تھی اور پھر......''

مظہر نے اسے اپنی بات مکمل کرنے نہیں دی۔ ''کیا بات کر رہی ہو تم کیتھرین؟...... آٹھ ماہ میں تمہارے ساتھ پھرتا رہا...... میں نے تمہیں اپنے ملک کے بارے میں ایک ایک چیز بتا دی...... اپنے کلچر کے بارے میں سب کچھ بتایا۔ اپنے مذہب کے بارے میں تمہیں مسلسل گائیڈ کرتا رہا۔ اپنی ہر عادت، ہر خوبی، ہر خامی کے بارے میں بتا دیا۔ مستقبل میں کیا کیا کرنا چاہ رہا تھا، وہ تک بتایا...... لندن میں اپنے ہر دوست سے تمہیں ملوایا۔ میری ہر شام تمہارے ساتھ گزرتی رہی۔ تمہارے ایک فون پر میں بے وقوفوں کی طرح حاضر ہو جاتا تھا۔ تو یہ کیا تھا؟...... میں کیا سوشل ورک کر رہا تھا یا گائیڈ کے فرائض سرانجام دے رہا تھا، عورت کی حسیات اتنی شارپ تو ضرور ہوتی ہیں کہ وہ یہ سمجھ جائے کہ کون سا مرد اس میں دلچسپی لے رہا ہے اور کیوں؟...... اور تم کہہ رہی ہو، میں نے کبھی شادی کی بات نہیں کی...... کیا یہ سب کچھ قابل یقین ہے؟' وہ بلند آواز میں تیز سانسوں کے درمیان بولتا رہا اور پھر یک دم خاموش ہو گیا۔

''آئی ایم سوری۔'' ایک طویل خاموشی کے بعد خدیجہ نے کہا۔

مظہر نے کچھ کہے بغیر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ ''کہاں رہتی ہو تم؟''

خدیجہ نے اپنا ایڈریس بتایا۔ وہ خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا۔

جس وقت اس نے خدیجہ کے گھر کے سامنے گاڑی روکی۔ اس وقت ساڑھے دس بجے رہے تھے۔ وہ دونوں کچھ دیر خاموشی سے گاڑی میں بیٹھے رہے پھر خدیجہ نے مظہر کو بولتے سنا۔

''مرد کو محبت کبھی نہیں کرنی چاہیے۔'' وہ ونڈ اسکرین سے باہر دیکھتے ہوئے مایوسی سے سر جھٹکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''خاص طور پر کسی عورت سے تو کبھی بھی نہیں...... بہت خوار کرنے والی چیز ہے یہ...... ساری عزت نفس ختم کر دیتی ہے۔ اچھا بھلا زندگی گزار رہا تھا میں اور...... دوبارہ اگر میں پیدا ہوا تو میں کسی سے محبت کبھی نہیں کروں گا اور کسی بے وقوف عورت سے تو کبھی بھی نہیں...... بس ماں باپ کی مرضی سے کسی بھی عورت سے شادی کر لوں گا اور سکون سے زندگی گزار دوں گا۔ بیوی میرے نخرے برداشت کرے گی۔ میں اس کے نہیں۔ وہ کبھی میرے لیے کوئی پریشانی کھڑی نہیں کرے گی۔ موم کی ناک کی طرح جس طرف موڑوں گا مڑ جائے گی۔ کبھی ایموشنل بلیک میلنگ تک نہیں کرے گی۔ ایسی عورتیں ضد تک نہیں کرتیں۔ کرے گی تو بھی میں کون سی پروا کروں گا۔ خود ہی ضد چھوڑ دے گی۔''

وہ مسلسل ناراضگی کے عالم میں بڑبڑا رہا تھا۔ خدیجہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ دیا۔

''مگر اب جب مجھے تم سے محبت ہو چکی ہے تو میں اس زندگی میں تو کم از کم کسی دوسری عورت سے شادی کرنے کے قابل نہیں رہا۔''

اس بار اس کی آواز میں شکست خوردگی تھی۔ خدیجہ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھے بغیر دروازہ کھول دیا۔

''کیتھرین! میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' خدیجہ نے برق رفتاری سے پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ اس سے کہنا چاہتی تھی کہ وہ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔ وہ اس سے شادی کے قابل نہیں ہے کم از کم اب نہیں۔ مگر وہ ایسا کچھ بھی نہیں کہہ پائی۔

''مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت چاہیے۔'' اس نے صرف اتنا کہا۔

''اب بھی وقت چاہیے؟ کیوں؟ اب کیوں؟'' وہ چلا اٹھا۔ ''اب تو تمھیں میرے بارے میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔''

''مظہر! مجھے وقت چاہیے۔ کم از کم ایک دن تو۔''

''اس وقت رات کے سوا دس ہو رہے ہیں یعنی میں کل اسی وقت جواب لینے آ جاؤں؟''

اس نے اپنی گھڑی پر نظر دوڑاتے ہوئے بے تابی سے کہا۔ وہ مسکرا تک نہیں سکی۔ خاموشی سے گاڑی سے اتر گئی۔

پندرھواں باب

اس نے اپنے چہرے پر پانی کی چند بوندیں گرتی محسوس کیں۔ پھر بوندیں بڑھتی گئیں۔ اس نے سراٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ آسمان سے بے آواز ہلکی ہلکی پھوار برس رہی تھی اور ستاروں کی مدہم روشنی میں وہ اس پھوار کو دیکھ سکتی تھی۔ آسمان اب بھی اسی طرح صاف اور اجلا تھا۔ کہیں پر بادل کا کوئی ٹکڑا نظر نہیں آرہا تھا۔ مگر بارش پھر بھی برس رہی تھی۔ ہولے ہولے، بے آواز، نرم پھوار کی صورت میں اور ہوا کی نمی نے ہوا میں موجود خوشبو کو کچھ اور تیز کر دیا تھا۔ پھوار اس کے چہرے، بالوں، لباس اور وجود کو سہلاتے ہوئے بھگو رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر کے اپنے دونوں بازو ہوا میں پھیلا دیے۔ ہاتھ کی ہتھیلیوں پر گرتی ہوئی پھوار کو اس نے آنکھیں بند کیے محسوس کیا۔ پیروں کے نیچے مخملیں فرش کی ملائمت کو پانی نے بڑھا دیا تھا۔

اس نے آنکھیں بند کیے دونوں ہاتھ فضا میں پھیلائے اور چہرہ آسمان کی طرف کر کے برستی ہوئی پھوار میں اس فرش پر آہستہ آہستہ چکر کاٹنے لگی، کسی بیلے ڈانسر کی طرح۔ اس کی مستی اور سرشادی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

❀

ذالعید چند دن بعد گھر پر آیا۔ مریم گھر پر نہیں تھی۔

''میری ممی کل آپ کے پاس آئیں گی، میرے اور مریم کے بارے میں بات کرنے کیلیے۔'' اس نے خاصے مسرور انداز میں ماما جان کو بتایا۔

ان کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''اس کا مطلب ہے، تمہاری فیملی رضامند ہوگئی ہے۔''

''ہاں! آپ مریم کو بھی بتا دیجیے۔'' اس نے کہا۔

دوسرے دن نزہت ذالعید کے ساتھ ان کے پاس آئیں۔ صوفیہ نے نزہت کو مریم کے بارے میں اچھے ریمارکس نہیں دیے تھے اور فطری طور پر انھیں بھی ذالعید اور صوفیہ کا رشتہ نہ ہونے پر مایوسی ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود انھوں نے ماما جان کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی مگر انھوں نے انکار کر دیا۔

''میں ذالعید سے بہت بار مل چکی ہوں اور مجھے وہ پسند ہے، پھر بہتر ہے ہم رسمی قسم کے تکلفات میں نہ پڑیں۔ میں چاہتی ہوں، ہم لوگ آج ہی شادی کی تاریخ طے کر لیں۔''

نزہت کو اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ ان لوگوں نے ایک ماہ بعد کی تاریخ طے کر دی۔

❀

مریم کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔

''آپ نے دیکھا ماما جان! آپ خوامخواہ خوفزدہ ہو رہی تھیں۔ ذالعید نے اپنی فیملی کو منا لیا نا۔ اگر ان کی مرضی کے بغیر بھی شادی ہوتی، تب بھی بعد میں وہ مان جاتے۔ آخر کتنی دیر ناراض رہ سکتے تھے۔ ذالعید یہی بات کہہ رہا تھا۔''

اس نے نزہت اور ذالعید کے جاتے ہی ماما جان سے کہا۔

ماما جان نے کچھ کہنے کے بجائے صرف مسکرا کر اسے دیکھا اور چائے کے برتن اٹھانے لگیں۔

''آپ کو اب تو مطمئن ہو جانا چاہیے کہ ذالعید میرے ساتھ مخلص ہے اور ہماری شادی کبھی ناکام نہیں ہو گی۔''

ماما جان اپنے کام میں مصروف رہیں۔

''اور صوفیہ، میں دیکھوں گی۔ وہ اب ذالعید سے کیسے ملتی ہے...... یہ صوفیہ ذالعید کی سوتیلی ماں کی بھانجی ہے۔''

ماما جان کے ہاتھ رک گئے انھوں نے سر اٹھا کر مریم کو دیکھا۔

''مریم! وہ ذالعید کی ماں ہے۔'' انھوں نے سرزنش بھرے انداز میں کہا۔

''وہ ذالعید کی سوتیلی ماں ہے۔'' مریم نے ایک بار پھر اسی انداز میں کہا۔

''سگی ہو یا سوتیلی۔ وہ ذالعید کی ماں ہے۔''

''ماما جان! اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ...... آپ نے دیکھا نہیں، اس کی ماں نے کس طرح سے اسے استعمال کرنے کی کوشش کی۔ اپنی بھانجی اس کے سر تھوپنا چاہتی تھی۔ صوفیہ اس کی سوتیلی ماں کا Stunt ہے؟'' اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

''کیا یہ سب ذالعید نے کہا تم سے؟'' ماما جان نے زندگی میں پہلی بار سخت لہجے میں بات کی۔

''نہیں۔ اس نے نہیں کہا مگر میں بیوقوف نہیں ہوں، عقل رکھتی ہوں، اندازہ لگا سکتی ہوں۔''

''تم اپنی عقل اور اندازوں کو اپنے پاس رکھو۔ ذالعید کا اپنی ماں کے ساتھ تعلق ہے یا نہیں، یہ اس کا مسئلہ ہے۔ وہ اسے استعمال کر رہی ہے یا نہیں، یہ بھی تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔ تمھیں ذالعید سے متعلقہ ہر شخص کی عزت کرنی ہے۔''

''عزت...... ؟ آپ جانتی ہیں۔ اس کے ماں باپ نے کس طرح اس شادی میں رکاوٹیں ڈالی ہیں۔ کیسی کیسی باتیں کہی ہیں۔ میں تو ایسے لوگوں کی کبھی عزت نہیں کر سکتی۔''

''وہ ان کا بیٹا ہے انھیں حق ہے کہ وہ اپنی پسند ناپسند کا اظہار کرتے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم ان کی عزت نہ کرو۔ ان سے بدتمیزی کرو۔''

مریم کو حیرت ہو رہی تھی۔ کیا ماما جان کو غصہ آ سکتا ہے؟

''میں صرف اس کے باپ کی عزت کروں گی مگر میں اس کی ماں اور بہن بھائیوں سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گی۔ ان لوگوں کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔'' اس پر ماما جان کے غصے کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

''پھر تم ذالعید سے شادی نہ کرو، اگر تم اس کے خاندان کی عزت نہیں کر سکتیں تو پھر تمھیں اس خاندان کا حصہ بننے کا کوئی حق نہیں ہے۔ کیا تم اس کے خاندان کو تقسیم کر دینا چاہتی ہو؟''

''ماما جان! آپ نہیں جانتیں ان لوگوں نے میرے اور آپ کے بارے میں کیسی باتیں کی تھیں۔ صوفیہ کالج میں کہتی پھرتی تھی کہ انکل اور آنٹی کبھی مجھ سے ذالعید کی شادی پر تیار نہیں ہوں گے۔ انھوں نے ذالعید سے کہا ہے کہ وہ کسی فقیر کی بیٹی سے تو اس کی شادی کرنے پر تیار ہیں مگر کسی انگریز عورت کی بیٹی سے نہیں۔''

ماما جان کا چہرہ زرد ہوگیا۔ مریم کی آنکھوں میں اب آنسو امڈ رہے تھے۔

''وہ ویسے ہی کہہ رہی ہوگی۔'' ماما جان نے اس سے نظریں چراتے ہوئے لرزتے ہاتھوں سے ایک بار پھر برتن سمیٹنا شروع کر دیے۔

''نہیں۔ وہ ایسے ہی نہیں کہہ رہی تھی۔ میں نے ذالعید کو بتایا تھا یہ سب۔ اس نے کہا کہ اس کے بابا نے یہ بات کہی ہے اور شادی پر ان کا اعتراض صرف یہی ہے۔ اس نے کہا کہ میں آپ کو اس بارے میں نہ بتاؤں کیونکہ آپ کو تکلیف ہوگی۔ مگر ماما جان! آپ خود سوچیں اس کے بابا ایسی بات کیوں کہتے۔ یہ تو اس کی سوتیلی ماں نے ان کو بھڑکایا ہوگا تاکہ اس کی شادی صوفیہ سے ہو۔''

ماما جان ٹرے لے کر کھڑی ہوگئیں۔ مریم کو وہ یک دم بہت تھکی ہوئی نظر آنے لگی تھیں۔

''جو بھی ہے مریم! تمھیں اس کی فیملی میں جانا ہے تو پھر ان کی عزت بھی کرنی ہے۔ کس نے کیا کہا؟ کیوں کہا؟ کتنی تکلیف پہنچی، کتنی بے عزتی ہوئی؟ اس سب کو بھول جاؤ۔ یہ زندگی ہے۔ اس میں بہت سارے لفظ بولے جاتے ہیں۔ بہت سارے لفظ سننے پڑتے ہیں۔ بہت سارے لفظوں کے بہت سارے معنی ہوتے ہیں۔ لفظوں کو اکٹھا کر کے تم انھیں سوچنے اور سمجھنے بیٹھو گی تو پھر زندگی نہیں گزار سکو گی۔ مجھے بہت تکلیف ہوگی، اگر کبھی کسی نے مجھ سے یہ کہا کہ میں نے تمھیں سب کچھ سکھایا۔ مگر عزت کرنا نہیں سکھایا۔ مگر مجھے کوئی افسوس نہیں ہوگا اگر کوئی یہ کہے گا کہ میں نے تمھیں کچھ بھی نہیں سکھایا مگر بڑوں کی عزت کرنا ضرور سکھایا ہے۔''

وہ کمرے سے باہر نکل گئیں۔ مریم کے چہرے پر ناگواری تھی۔

''ماما جان آخر کون سے یوٹوپیا میں رہ رہی ہیں۔'' وہ زیر لب بڑبڑائی۔

مریم نے شادی کی ساری شاپنگ ذالعید کے ساتھ کی۔ وہ جتنے قیمتی لباس خرید سکتی تھی، اس نے خریدے۔ جتنے مہنگے زیورات لے سکتی تھی، اس نے لیے۔ ذالعید نے خاصی خوش دلی اور فیاضی سے اسے شاپنگ کروائی تھی۔ مریم نے ماما جان سے وہ رقم نہیں لی تھی جو وہ اسے شادی کی شاپنگ کے لیے دینا چاہتی تھیں۔

''ماما جان! اتنی رقم میں دو اچھے سوٹ تک نہیں خرید سکتی، اس لیے آپ یہ رہنے دیں۔ ذالعید چاہتا ہے کہ میں اس کے ساتھ شادی کی شاپنگ کروں، اس لیے میں اسی کے ساتھ شاپنگ کرنا چاہتی ہوں۔''

اس نے ماما جان سے کہا تھا۔ اپنی خوشی اور سرشاری میں اس نے ماما جان کے چہرے کے تاثرات بھی پڑھنے کی کوشش نہیں کی۔

شاپنگ کرنے کے بعد اس نے ماما جان کو وہ تمام چیزیں دکھائی تھیں، جو وہ خرید کر لائی تھی۔ ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے سوا ماما جان نے کوئی ردعمل نہیں دکھایا۔

اس رات سونے سے پہلے اس نے ماما جان سے کہا۔

''کیا آپ کو پتا ہے ماما جان! دنیا کتنی خوبصورت ہے؟''

ماما جان نے اس کے جگمگاتے چہرے کو دیکھا۔ وہ اپنے بستر پر چت لیٹے آنکھیں بند کیے ہوئے تھی۔

''ہاں، میں جانتی ہوں مریم! دنیا بہت خوبصورت ''نظر'' آتی ہے۔'' وہ بلب بند کر کے اپنے بستر کی طرف آتے ہوئے بولیں۔

''کتنی خوشی ہوتی ہے نا ماما جان! جب کسی دکان میں جائیں اور اس قابل ہوں کہ وہاں موجود قیمتی سے قیمتی چیز بھی خرید سکتے ہوں۔'' اس نے ماما جان کی بات پر غور کیے بغیر مسرور لہجے میں کہا۔

''اور تمھیں پتا ہے مریم! دنیا کی دکان میں سب سے سستی چیز کون ہے؟...... خریدار!'' ماما جان نے اس کی بات کے جواب میں پرسکون انداز میں کہا۔

''ماما جان! کیا مجھے خوش نہیں ہونا چاہیے کہ مجھے وہ چیز مل گئی ہے، جس سے مجھے محبت ہے۔'' اس نے کچھ جھنجھلا کر کہا۔

''تمھیں دعا کرنی چاہیے کہ تمھارے پاس وہ چیز ''رہے'' جس سے تمھیں محبت ہے۔'' وہ نیم تاریکی میں ان کی بات پر چھت کو گھورنے لگی۔

''ماما جان! میں آپ کو ایک بات بتاؤں۔'' اس نے یک دم ان کی طرف کروٹ لیتے ہوئے کہا۔ ''جب میں یہاں سے چلی جاؤں گی نا تو یہ گھر مجھے کبھی یاد نہیں آئے گا۔ میں کبھی اس کے بارے میں سوچوں گی بھی نہیں اور آپ دیکھ لینا۔ ایک بار یہاں سے جانے کے بعد میں کبھی یہاں آ کر نہیں رہوں گی۔''

''اچھا اب سو جاتے ہیں۔'' اس نے اپنی بات کے جواب میں ماما جان کو مسکرا کر آنکھیں بند کرتے دیکھا۔ وہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

⁂

شادی اتنی ہی دھوم دھام سے ہوئی تھی، جتنا مریم نے چاہا تھا۔ اگرچہ اس کا نکاح اور رخصتی ایک مقامی میرج ہال میں ہوئی تھی اور اس تقریب میں زیادہ لوگ شامل نہیں تھے۔ لیکن ولیمہ مظہر کے ذاتی فائیو سٹار ہوٹل میں منعقد کیا گیا تھا اور اس میں مریم نے ان تمام لوگوں کو مدعو کیا تھا، جنھیں وہ مدعو کرنا چاہتی تھی۔ ذالعید کا اپنا حلقہ احباب بہت وسیع تھا لیکن اس کے والد کے اپنے شناساؤں کی ایک بڑی تعداد بھی وہاں موجود تھی کیونکہ یہ ان کے ہاں پہلی شادی تھی۔ اس لیے تمام تلخیوں اور ناراضگی کے باوجود انھوں نے اپنے پورے خاندان اور تمام دوستوں کو بلایا تھا۔

ماما جان نے ذالعید کے اصرار کے باوجود ولیمے میں شرکت نہیں کی۔ ذالعید خاصا مایوس ہوا مگر مریم خوش تھی۔ ماما جان کی عدم شرکت کو اس نے محسوس نہیں کیا۔ ان کے وہاں ہونے یا نہ ہونے سے ان تین ہزار مہمانوں کی بھیڑ پر کوئی فرق نہیں پڑتا، جن میں بڑے بڑے نامی گرامی لوگ شامل تھے۔

ولیمے کی دعوت کے اختتام پر گھر جاتے ہوئے ذالعید نے ایک بار پھر ماما جان کی عدم موجودگی کا ذکر کیا۔ ''ماما جان آتیں تو مجھے بہت خوشی ہوتی۔'' مریم خاموش رہی۔

''ہم کل صبح ان کی طرف چلیں گے۔''

''آج بھی تو گئے تھے۔'' مریم نے اسے یاد دلایا۔

شام کو بیوٹی پارلر سے اسے لینے کے لیے جب وہ آیا تھا تو اسے لے کر سیدھا ہوٹل جانے کے بجائے وہ اسے ماما جان کے پاس لے گیا۔ مریم نے احتجاج کیا تھا۔

''سب مہمان انتظار کر رہے ہوں گے۔''

''ماما جان بھی انتظار کر رہی ہوں گی۔ وہ آج اس دعوت میں نہیں آ رہیں مگر ان کی خواہش تو ہوگی کہ وہ تمھیں دیکھیں۔ مہمان انتظار کر سکتے ہیں۔ ویسے بھی ہم زیادہ دیر نہیں رکیں گے۔ صرف مل کر آ جائیں گے۔''

ذالعید نے اس سے کہا تھا۔ مریم کو الجھن اور ناگواری ہونے لگی تھی۔ وہ اب اس طرح کا لباس پہن کر اس گلی میں سے گزرنا نہیں چاہتی تھی مگر وہ کیا کر سکتی تھی۔

ماما جان انھیں دیکھ کر واقعی بہت خوش ہوئی تھیں۔

''وہ تو آج کی بات ہے مریم! کل ہم لوگ ان کے ساتھ کچھ زیادہ وقت گزار سکیں گے۔'' ذالعید نے نرمی سے کہا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ مریم کو ماما جان کے پاس جانے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مریم ایک بار پھر خاموش رہی۔

❁

ذالعید کے ساتھ مریم کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ اسے یک دم ساری دنیا اپنی مٹھی میں لگنے لگی تھی اور وہ اپنے اس احساس میں بڑی حد تک حق بجانب تھی۔ ذالعید اور اس کی فیملی کا شہر میں بہت زیادہ اثر و رسوخ تھا۔ ذالعید کے آرٹ کے حلقوں میں اچھے خاصے تعلقات تھے۔ مریم کو شہرت کے آسمان تک پہنچنے کے لیے جس پلیٹ فارم کی ضرورت تھی، وہ اسے مل گیا تھا۔

ذالعید نے اپنے گھر میں موجود اسٹوڈیو اسے دے دیا۔ مریم نے اپنی مرضی کے مطابق اس میں بہت زیادہ تبدیلیاں کیں۔

''میں چاہتا ہوں مریم! تم اپنی فیلڈ میں بہت آگے جاؤ۔ تمھیں جس چیز کی ضرورت ہو۔ تم خرید لو، مجھے خوشی ہوگی اگر تمھارے آرٹ کی پروموشن میں میرا بھی کوئی رول ہو۔''

مریم کو ذالعید کی بات سن کر بے تحاشا خوشی ہوئی۔

ذالعید کا چار کنال پر بنا ہوا وہ گھر بہت خوبصورت تھا۔ وہ آرکیٹکٹ نہیں تھا۔ اس کے باوجود اس نے انڈس ویلی میں حاصل کی گئی بہت سی تکنیک کا استعمال اس گھر میں کیا تھا اور وہ وقتاً فوقتاً اس کی سجاوٹ کو بدلتا رہتا تھا۔ مگر اب مریم نے آتے ہی اس گھر میں بہت ساری تبدیلیاں کی

تھیں۔ ذالعید نے بڑی خوشی کے ساتھ اس معاملے میں اسے آزادی دی۔

وہ اس کے لیے بہت اچھا اور محبت کرنے والا شوہر ثابت ہو رہا تھا۔ وہ کم گو اور دھیمے لہجے میں بات کرنے والا، متحمل مزاج بندہ تھا۔ اس نے مریم پر کسی قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں کی۔ اس معاملے میں وہ خاصا لبرل تھا۔ مریم کب، کہاں، کس کے ساتھ جاتی تھی۔ اس نے اس سے کبھی نہیں پوچھا۔ آرٹ میں ذالعید کی دلچسپی مریم جیسی ہی تھی مگر وہ اس کا اظہار آرٹ کے بارے میں کتابیں پڑھنے، آرٹ ایگزیبیشن دیکھنے اور آرٹ سے متعلقہ چیزیں اکٹھی کرنے کے ذریعے کیا کرتا تھا۔ وہ خود بھی اچھی پینٹنگ کرلیا کرتا تھا مگر اس کا موقع اسے بہت کم ملتا۔ وہ اپنے بزنس میں اس حد تک مصروف رہتا تھا کہ پینٹنگ کے لیے وقت نکالنا اس کے لیے ناممکن تھا۔

مریم کو غصہ جلدی آ جاتا تھا مگر ذالعید چھوٹی چھوٹی باتوں پر مشتعل ہونے والا شخص نہیں تھا۔ وہ اگر کبھی غصہ میں آتا تو مریم کے ساتھ لمبی چوڑی بحث کرنے کے بجائے خاموش ہو جاتا۔

مریم اس کے ساتھ بہت خوش تھی۔ ذالعید کی لائف اچھی خاصی سوشل تھی اور ہفتہ میں دو چار بار وہ کہیں نہ کہیں انوائیٹڈ ضرور ہوتے۔ پارٹیز، ایگزیبیشن، ڈنرز، فیشن شوز، جم خانہ کی تقریبات، کنسرٹ، مریم کے لیے یہ وہی زندگی تھی جس کے اس نے خواب دیکھے تھے۔ وہ اب اپنے بال کٹوانے کے لیے خاص طور پر طارق امین کے پاس جایا کرتی۔ سحر سہگل اور ماہین خان کے ڈیزائن کیے ہوئے لباس پہنتی۔ خود کو فٹ رکھنے کے لیے باقاعدگی سے جم خانہ جاتی۔ وہ پہلے بھی خوش لباس تھی اور اس کی کوشش ہوتی تھی کہ لباس سستا ہی کیوں نہ ہو اسٹائلش ہو لیکن اب اس کے نزدیک لباس کی تعریف بدل گئی تھی۔ وہ سلیولیس اور نیٹ کے بلاؤز پہنتی، سلک اور شیفون کی ساڑھیاں اس کا خاص انتخاب ہوتیں۔

اس کے اکثر شلوار قمیص بھی سلیولیس اور اتنے چست ہوتے کہ اس کا فگر نمایاں ہوتا۔ وہ باقاعدگی سے بیوٹی پارلر جایا کرتی۔

وہ آہستہ آہستہ شہرت کی سیڑھیاں چڑھنے لگی تھی۔ نیوز پیپرز میں آرٹ سے متعلقہ صفحات پر اکثر اس کے بارے میں خبریں پائی جاتیں یا اس کے کام پر تبصرہ ہوتے۔

مریم کے لیے یہ زندگی جیسے خواب کی زندگی تھی۔ اس نے ایک جست میں بہت لمبا فاصلہ طے کیا تھا۔ مگر وہ صرف ایک جست پر قناعت کرنے والوں میں سے نہیں تھی۔ اسے اپنی زندگی میں بہت آگے جانا تھا اور وہ جانتی تھی کہ اب اس کے پاس وہ سب کچھ ہے جو اسے کہیں سے کہیں لے جا سکتا ہے۔

شادی کے بعد وہ بہت کم ماما جان کی طرف جاتی تھی۔ وہ انہیں اور اس کے گھر کو جیسے بھول ہی گئی تھی۔ کبھی کبھار ذالعید کے اصرار پر وہ اس کے ساتھ ان کے پاس چلی جاتی مگر وہ وہاں جا کر خوش نہیں ہوتی تھی۔ اس کا دل چاہتا تھا وہ جلد سے جلد وہاں سے نکل آئے۔ اس گھر سے اس کی وحشت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ اسے اب اور زیادہ حیرت ہوتی کہ ماما جان کس طرح اتنے سالوں سے ایک ترقی یافتہ ملک کو چھوڑ کر اس ترقی پذیر ملک میں رہ رہی ہیں۔ کس طرح وہ گندگی، ٹوٹی گلیوں، جاہل لوگ، بوسیدہ اور زندگی کی بنیادی سہولیات سے محرومی کے ساتھ زندگی گزار رہی ہیں۔ اسے بعض دفعہ ان پر ترس بھی آتا اور پھر خوشی بھی ہوتی کہ وہ اس جہنم سے باہر آ چکی ہے۔

مریم ہی نہیں ذالعید بھی اس کے ساتھ شادی کر کے خوش تھا۔ شادی اس کی زندگی میں ایک بہت ہی غیر معمولی اور خلاف توقع وقت پر آئی تھی۔ وہ ابھی چند سال اور شادی کی ذمہ داری سے بچنا چاہتا تھا۔ مگر مریم کے ساتھ ہونے والی ملاقات اور پھر اس کے بعد کے تمام واقعات نے اس طرح جکڑ لیا تھا کہ اس نے اپنی ہر پلاننگ کو اپ سیٹ کرتے ہوئے شادی کر لی۔

شادی نے اس کی زندگی میں کوئی خاص بڑی تبدیلی نہیں کی۔ مریم خود بہت مصروف رہتی تھی اور وہ تقریباً ویسی ہی زندگی گزار رہا تھا جیسی شادی سے پہلے تھی۔ بس اب فرق یہ آ گیا تھا کہ اس کے گھر میں ایک اور فرد کا اضافہ ہو گیا تھا اور پہلے وہ جن تقریبات میں اکیلا جاتا تھا اب مریم کے ساتھ جانے لگا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کی زندگی میں مداخلت نہیں کرتے تھے اور ذالعید بڑی حد تک اس پر اور اس کے کام پر فخر بھی محسوس کرتا تھا۔ اپنی بہت ساری خامیوں کے باوجود اسے مریم سے محبت تھی اور اس کا خیال تھا کہ یہ محبت ہمیشہ قائم رہے گی۔

❁

ذالعید اس دن دوپہر کو آفس سے گھر جانے کے لیے نکلا لیکن گھر جانے کے بجائے وہ بے مقصد سڑکوں پر گاڑی گھماتا رہا۔ مریم ایک نمائش میں شرکت کے لیے کراچی گئی ہوئی تھی اور وہ جانتا تھا، گھر میں اس وقت ملازموں کے علاوہ کوئی بھی نہیں ہوگا۔

وہ ایک عجیب سے اضطراب کا شکار تھا۔ بہت دیر تک بے مقصد گاڑی چلانے کے بعد اس نے کچھ سوچ کر گاڑی کا رخ اندرون شہر کی طرف کر دیا۔

ماما جان دروازے پر اسے دیکھ کر حیران ہوئیں لیکن پھر ان کے چہرے اور آنکھوں میں وہی چمک نمودار ہو گئی جسے وہ ہمیشہ دیکھنے کا عادی تھا۔

''میں فارغ تھا، آپ سے ملنے آ گیا۔'' ان کے ساتھ اندر جاتے ہوئے اسے اس کے علاوہ کوئی اور بہانا نہیں سوجھا۔

''مریم کیسی ہے؟ اسے بھی ساتھ لے آتے۔'' ماما جان نے کہا۔

''وہ کراچی گئی ہوئی ہے، ایک نمائش کے سلسلے میں۔''

''تم ساتھ نہیں گئے؟''

''میں؟'' ذالعید کچھ سوچنے لگا۔ ''میں مصروف تھا۔''

ماما جان اب برآمدے میں پہنچ چکی تھیں۔ برآمدے میں مٹی کے تیل کے چولہے پر ایک چھوٹی سی دیگچی چڑھی ہوئی تھی۔ وہ شاید دوپہر کا کھانا تیار کر رہی تھیں۔

''تم اندر بیٹھو۔ میں ابھی آتی ہوں۔'' انھوں نے ذالعید سے کہا وہ کچھ کہے بغیر کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

نیم تاریک کمرے میں عجیب سی ٹھنڈک تھی۔ ذالعید نے پنکھے کا بٹن تلاش کر کے اسے آن کر دیا اور خود ایک چارپائی پر بیٹھ گیا۔ ماما جان اس کے لیے پانی لے آئیں۔ ''پانی پی لو، تمھیں پیاس لگی ہوگی۔''

ذالعید کو پیاس نہیں تھی مگر وہ چپ چاپ پانی پینے لگا، ماما جان باہر چلی گئیں۔

پانی پینے کے بعد وہ بلا مقصد کمرے میں نظریں دوڑاتا رہا۔

''کھانا کھایا تم نے؟'' وہ دوبارہ کمرے میں آگئیں۔ ماما جان کے ہاتھ میں دسترخوان تھا۔

''کھانا؟...... نہیں بھوک نہیں ہے مجھے۔'' ذالعید نے کہا۔

وہ دسترخوان بچھانے لگیں۔ ''بھوک کیوں نہیں ہے؟'' وہ نرمی سے پوچھ رہی تھیں۔

''پتا نہیں...... میں کھانا باقاعدگی سے نہیں کھاتا۔'' وہ اس کی بات سن کر باہر نکل گئیں۔

پھر وہ انہیں دسترخوان پر مختلف چیزیں رکھتے دیکھتا رہا۔ دسترخوان پر رکھے جانے والے برتنوں سے اسے یہ اندازہ ہو گیا کہ ماما جان نے کھانے سے اس کے انکار کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ دسترخوان پر دو آدمیوں کے لیے برتن رکھے گئے تھے۔

''آؤ ذالعید......'' وہ آخر میں چپاتیاں لے کر آئیں۔ وہ کچھ کہے بغیر نیچے زمین پر بیٹھ گیا۔ ماما جان کے دسترخوان سے یہ ذالعید کا پہلا تعارف تھا۔ ان کا کھانا سادہ ہوتا ہوگا۔ اسے اندازہ تھا مگر اتنا سادہ ہوگا یہ اسے اندازہ نہیں تھا۔

چپاتیاں، ہلکے نمک مرچ میں پکے ہوئے سادہ آلو اور دہی میں ڈالا ہوا پودینہ...... ذالعید کے لیے ان میں سے کوئی بھی چیز قابل قبول نہیں تھی۔ وہ اس قسم کے کھانے کا عادی نہیں تھا۔ اس وقت بھی دسترخوان کو دیکھ کر وہ عجیب قسم کے احساسات سے دوچار ہو رہا تھا۔

''مریم کو ہر ماہ ماما جان کو کچھ پیسے ضرور دینے چاہئیں۔ ہمیں ان سے اتنی بے خبری اور لاپروائی تو نہیں برتنی چاہیے۔'' وہ دسترخوان کو دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

''شروع کرو، ذالعید......'' ماما جان نے اس سے کہا۔ ذالعید نے خاموشی سے ایک پلیٹ میں تھوڑے سے آلو نکالے اور چپاتی لے کر کھانے لگا۔ دو لقمے کھانے کے بعد اسے احساس ہوا کہ اسے بھوک لگ رہی ہے۔ چپاتی نرم تھی اور سالن بہت اچھا تھا۔ ماما جان نے اس کی پلیٹ میں کچھ دہی بھی ڈال دیا۔ ذالعید نے یاد کرنے کی کوشش کی پچھلی دفعہ اس نے کب چپاتی کھائی تھی۔ وہ یاد نہیں کر سکا، شاید دو ماہ پہلے، اس نے اندازہ لگایا، مگر اس چپاتی کا ذائقہ ایسا نہیں تھا اس نے اعتراف کیا۔

دوپہر کا کھانا وہ بہت ہلکا پھلکا لیا کرتا تھا۔ سوپ، سلاد، کوئی سینڈوچ یا اسی قسم کی دوسری چیز...... یہ اس کی عادت تھی اس دن وہاں بیٹھے بیٹھے اس نے تین چپاتیاں کھا لیں مگر اس کے باوجود وہ بہت فریش محسوس کر رہا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد اس نے اٹھ کر باہر نلکے کے تازہ پانی سے ہاتھ دھوئے اور واپس اندر چارپائی پر آ کر بیٹھ گیا۔ ماما جان دسترخوان سے برتن سمیٹ رہی تھیں۔

''میں برتن دھو کر آتی ہوں۔'' انھوں نے ذالعید سے کہا اور باہر چلی گئیں۔ ذالعید جوتے اتار کر چارپائی پر لیٹ گیا۔

چھت کا گھومتا ہوا پنکھا، نیم تاریک کمرہ اور رات کی بے خوابی...... یہ تینوں چیزیں اس کے لیے کسی مسکن دوا کا کام کر رہی تھیں۔ ماما جان کے کمرے میں آنے کا انتظار کرتا ہوا وہ کب سو گیا۔ اسے احساس نہیں ہوا۔

ماما جان جب کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ گہری نیند میں تھا۔ وہ بہت دیر دوسری چارپائی پر بیٹھی اسے دیکھتی رہیں۔ پھر ان کی آنکھوں میں نمی آنے لگی۔

....

وہ کتنی دیر تک سوتا رہا۔ اسے اندازہ نہیں ہوا۔ قریبی مسجد میں ہونے والی اذان کی آواز نے یک دم اسے بیدار کیا تھا۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ کمرے میں اب مکمل تاریکی تھی مگر برآمدے میں کھلنے والی کھڑکی سے ہلکی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی۔ وہ کچھ دیر تک اندازہ نہیں لگا سکا کہ وہ کہاں ہے۔ پھر اسے یاد آیا کہ وہ دوپہر کو ماما جان کے پاس آیا تھا۔ اس نے ان کے ساتھ کھانا کھایا اور پھر وہ...... وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے کلائی پر باندھی ہوئی رسٹ واچ کے ریڈیم ڈائل پر نگاہ دوڑائی اور دم بخود ہو گیا۔ گھڑی پونے آٹھ بجا رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آیا۔ کیا میں اتنی دیر سوتا رہا؟ مگر کیسے؟ میں تو سلیپنگ پلز لے کر بھی اتنی لمبی نیند نہیں سو پاتا اور پھر دن کے وقت...... وہ الجھنے لگا۔

چارپائی سے کھڑے ہو کر اس نے اپنے جوتے پہنے اور دروازہ بند تھا۔ وہ دروازہ کھول کر باہر برآمدے میں آ گیا۔ برآمدے کا بلب آن تھا اور ماما جان رات کے لیے کھانا پکا رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر مسکرائیں۔

''تم اٹھ گئے؟''

''ہاں، آج بہت سویا...... میں کبھی بھی دوپہر کو نہیں سوتا...... آپ مجھے جگا دیتیں۔''

''تم اتنی پرسکون اور گہری نیند سو رہے تھے کہ میں جگا نہیں سکی۔ منہ ہاتھ دھو لو۔''

''میں اب چلوں گا۔''

''نہیں میں نے تمھارے لیے خاص طور پر کھانا پکایا ہے...... کھانا کھائے بغیر کیسے جا سکتے ہو تم؟''

''اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی...... دوپہر کو میں نے اتنا کھا لیا کہ بھوک ہی نہیں ہے۔''

''پھر بھی میں تمھیں اس طرح جانے نہیں دوں گی، جاؤ ہاتھ منہ دھو لو چاول پکنے والے ہیں...... بس تھوڑی دیر میں کھانا لگا دیتی ہوں۔''

ذالعید نے اپنی بات پر اصرار نہیں کیا اور صحن میں جا کر ہاتھ دھونے لگا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور صحن میں لگے ہوئے موتیے اور گلاب کے پھولوں کی خوشبو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ ذالعید کو عجیب سے سکون کا احساس ہو رہا تھا۔ کل رات کی بے چینی اور دوپہر کا اضطراب یک دم کہیں غائب ہو گیا۔ وہ منہ دھونے کے بعد برآمدے کی سیڑھی میں بیٹھ گیا۔

''آپ اداس نہیں ہو جاتیں؟'' اس نے پوچھا...... ماما جان اس وقت بلی کے برتن میں دودھ ڈال رہی تھیں۔

''اداس کیوں؟'' انھوں نے مسکراتے ہوئے ذالعید سے پوچھا۔

''آپ اکیلی ہوتی ہیں اس لیے۔''

''نہیں اکیلی تو نہیں ہوتی...... یہ جانور ہوتے ہیں...... پودے ہیں محلے میں سے کوئی نہ کوئی آ جاتا ہے۔ دن کس طرح گزر جاتا ہے پتا

بھی نہیں چلتا۔'' وہ بلی کو دودھ چاٹتے ہوئے دیکھ کر اس سے کہہ رہی تھیں۔

''پھر بھی مریم یاد تو آتی ہو گی آپ کو؟'' ذالعید نے اصرار کیا۔

''ہاں یاد تو آتی ہے...... تم بھی یاد آتے ہو ذالعید!'' انھوں نے اس طرح کہا کہ ذالعید بے اختیار انھیں دیکھ کر رہ گیا۔ وہ ایک بار پھر بلی کی طرف متوجہ تھیں۔

''آپ ہمارے پاس آجائیں۔'' اس کی بات پر وہ چونک گئیں۔

''تمھارے پاس؟''

''ہاں ہمارے پاس۔''

''نہیں!''

''کیوں؟''

''تمھارے پاس آکر رہنے سے کیا ہوگا؟'' ذالعید کی سمجھ میں نہیں آیا وہ انھیں کیا جواب دے۔

''آپ اکیلی تو نہیں رہیں گی۔''

''وہاں بھی تو میں اکیلی ہوں گی۔ تم دونوں تو سارا دن گھر سے باہر رہتے ہو۔'' ذالعید کچھ نہیں بولا۔

❁

ذالعید اور مریم کے درمیان پہلی تلخ کلامی تب ہوئی تھی جب مریم امید سے ہوئی۔ ان دنوں مریم بہت زیادہ مصروف تھی۔ وہ کبھی کراچی جا رہی ہوتی اور کبھی اسلام آباد اور اسے یہ نئی ذمہ داری ایک بڑی مصیبت ہی لگ رہی تھی۔

ذالعید نے ماما جان کو یہ خبر سنائی تھی اور وہ بہت زیادہ خوش ہوئی تھیں مگر اس کے ساتھ ہی انھیں مریم کی فکر ہونے لگی تھی۔

''اسے آرام کرنا چاہیے۔ زیادہ وقت گھر پر گزارنا چاہیے۔'' ماما جان نے ذالعید سے کہا۔

''وہ بہت مصروف ہے ماما جان۔''

''اسے اپنی مصروفیت اب کم کر لینی چاہیے۔ گھر اور اولاد سے بڑھ کر تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ تم اس سے کہو کہ اب وہ دوسرے شہروں میں جانا چھوڑ دے، کون خیال رکھے گا دوسرے شہر میں اس کا۔'' ماما جان نے اسے ہدایت کی۔

''میں اس سے کہوں گا مگر مشکل ہے کہ وہ میری بات مانے۔''

''تم اس کو اچھے طریقے سے سمجھانا، وہ سمجھ جائے گی۔'' ماما جان نے اس سے کہا۔

ذالعید نے مریم سے اس سلسلے میں اسی رات بات کی۔

''تمھارا مطلب ہے اب میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گھر کے اندر بیٹھ جاؤں۔'' وہ ناراض ہونے لگی۔

''تھوڑی بہت مصروفیات تو تمھیں کم کر لینی چاہئیں۔''

''ذالعید! تم جانتے ہو میرا کیریئر کس اسٹیج پر ہے...... اب مجھے پہچان اور شناخت ملنے لگی ہے تو میں خود کو گھر میں بند کر لوں۔''

''مریم! بچے کی پیدائش کے بعد تم دوبارہ سے یہ سب کچھ کر سکتی ہو۔ میں تمھیں پینٹ کرنے سے نہیں روک رہا میں صرف یہ چاہتا ہو کہ تم اب اتنی پارٹیز میں مت جایا کرو کم از کم اس سے تمھارے کیریئر پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

''کیوں نہیں پڑے گا۔ پارٹیز میں لوگوں سے ملنا ملانا ہوتا ہے۔ آپشنز کا پتا چلتا ہے۔ بات چیت ہوتی ہے تو......''

ذالعید نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''یہ سب تمھارے لیے ضروری نہیں ہے مریم...... ! ضروری یہ ہے کہ تم اپنا خیال رکھو...... بچے کا خیال رکھو اور اس کی پیدائش کے بعد بھی اس کے ساتھ گھر پر وقت گزارو۔''

ذالعید کی سنجیدگی اسے بری لگ رہی تھی۔

''اور میرے کیریئر میں جو اتنا لمبا گیپ آ جائے گا وہ...... اس کا کیا ہوگا؟''

''یار! تم گھر پر کام کرتی رہنا، تم کو منع کون کر رہا ہے۔ اپنی پینٹنگز کی نمائش بھی کروا لینا۔ میں تو صرف یہ چاہ رہا ہوں کہ ابھی کچھ عرصہ تم اپنی روٹین کو بدل لو۔'' ذالعید نے اس بار پہلے سے زیادہ نرمی سے اسے سمجھایا۔

''ذالعید! تمھیں کیا ہو گیا ہے، تم خود اچھی خاصی سوشل لائف گزار رہے تھے۔''

''گزار رہا تھا مگر اب میں نے اپنی سرگرمیوں میں کچھ کمی کی ہے۔ میں بھی تمھارے لیے وقت نکالوں گا۔''

''مجھے صرف یہ بتاؤ۔ تمھیں یہ ساری باتیں کون بتاتا ہے۔ تم نے یہ سب کچھ خود سے تو نہیں سوچا ہوگا۔'' مریم کو اچانک شک ہوا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ الجھ گیا۔

''ماما جان نے کہا ہے نا یہ سب کچھ؟'' اس نے تلخی سے پوچھا۔ وہ خاموش رہا۔

''بتاؤ نا، انھوں نے کہا ہے نا؟''

''ہاں! انھوں نے کہا ہے مگر انھوں نے کچھ بھی غلط تو نہیں کہا۔ وہ تمھارے لیے پریشان ہیں اس لیے کہا ہے اور میں......''

مریم نے غصے سے اس کی بات کاٹ دی۔ ''ایک تو میں ماما جان سے بہت تنگ ہوں۔ وہ کیوں پریشان ہیں میرے لیے...... ساری زندگی یہی ہوتا رہا ہے میرے ساتھ۔ انھوں نے ہمیشہ میری ترقی اور خوشی کی راہ میں روڑے اٹکائے ہیں اور اب جب میں اس گھر سے آ گئی ہوں تب بھی وہ مجھے چین کا سانس نہیں لینے دے رہیں...... یہاں بھی سب کچھ ان کی مرضی سے ہوگا کیونکہ تمھارے جیسا ایک مرید ان کو مل گیا ہے۔''

''مریم! تم فضول باتیں مت کرو۔ تم ہر بات کا غلط مطلب نکال لیتی ہو۔'' ذالعید نے اسے جھڑک دیا۔

''ہاں! میں تو بے وقوف ہوں نا...... اس لیے ہر بات کا غلط مطلب ہی نکالوں گی...... مگر مجھے تمہاری اور ماما جان کی نصیحتوں کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنا اچھا برا خود سوچ سکتی ہوں اور میں ایک بات تمھیں صاف صاف بتا دینا چاہتی ہوں...... میں نے تم سے شادی اس لیے نہیں کی تھی

کہ گھر پر بیٹھ کر بچے پالوں گی۔ مجھے اپنی فیلڈ میں بہت کام کرنا ہے۔ بہت آگے جانا ہے۔ تم مجھے اس طرح کے مشورے دوبارہ مت دینا۔ بہتر ہے ماما جان کے مشورے تم اپنے لیے رکھو۔ میں ان سے خاصا فائدہ اٹھا چکی ہوں۔"

اس نے بیڈ پر لیٹ کر چادر سے خود کو سر سے پاؤں تک ڈھانپ لیا۔ ذالعید ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ اس نے دوبارہ کبھی مریم سے اس سلسلے میں بات نہیں کی۔

....

ماما جان کے پاس جانا ذالعید کو اچھا لگتا تھا ان سے باتیں کر کے اس کی ٹینشن ریلیز ہوتی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ مریم کو اس کا ان کے پاس زیادہ جانا پسند نہیں ہے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ماما جان کے حوالے سے اس کی کہی ہوئی ہر بات مریم کو بری لگتی ہے۔ اس لیے وہ مریم سے ماما جان کے حوالے سے زیادہ باتیں نہیں کرتا تھا۔

ماما جان کی باتیں جس طرح اس کی سمجھ میں آتی تھیں۔ اس طرح مریم کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں یا پھر شاید مریم کو ان باتوں کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

....

"ذالعید! آنکھیں کیوں سرخ ہیں؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟" اس دن ماما جان نے اسے دیکھتے ہی پوچھا، وہ پھر دوپہر کو ان کے پاس گیا تھا۔

"ہاں! طبیعت ٹھیک ہے، بس میں رات کو ٹھیک سے سو نہیں سکا۔"

"کیوں......؟"

"بس ایسے ہی، دو تین دن سے ڈپریس ہوں اس وجہ سے۔" ماما جان اس کا چہرہ دیکھتی رہیں، وہ اب آنکھیں مسل رہا تھا۔

"آپ پریشان نہ ہوں ماما جان! میں اینٹی ڈپریسنٹ لے لوں تو ٹھیک ہو جاؤں گا بس بعض دفعہ ذرا زیادہ ڈپریشن ہو جاتا ہے۔" ذالعید نے ان کے چہرے پر فکرمندی دیکھتے ہوئے تسلی دی۔

"آپ اینٹی ڈپریسنٹ نہ لیا کریں ذالعید! آپ پانچ وقت کی نماز پڑھ لیا کریں۔" ماما جان اب اٹھ کر اس کے لیے چائے بنانے لگیں۔

وہ ان کی بات سن کر خاموش رہا۔

وہ کچھ دیر بعد چائے لے کر دوبارہ کمرے میں آئیں۔

"نماز تو آتی ہوگی؟" وہ اسے کپ تھماتے ہوئے بولیں۔

ذالعید کے چہرے پر ایک عجوب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"بچپن میں دادا نے سکھائی تھی مگر استعمال کبھی نہیں کی۔" انھوں نے حیرت سے اسے دیکھا اور پھر کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"نماز استعمال کرتے ہیں ذالعید! نماز ادا کرتے ہیں۔" وہ کچھ جھینپ گیا۔

''عید پر نماز کے لیے جاتا ہوں۔ اصل میں وقت نہیں ملتا پھر عادت بھی نہیں ہے بس اسی لیے......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''آپ کے پاپا نے کبھی آپ سے اس بارے میں نہیں کہا؟'' ماما جان کچھ سنجیدہ ہو گئیں۔

''نہیں...... پاپا تو خود نہیں پڑھتے۔'' ذالعید نے وضاحت کی۔

''نماز نہیں پڑھتے وہ؟''

''نہیں مذہبی نہیں ہیں، وہ ہمارے گھر کا ماحول بہت لبرل ہے۔ کوئی بھی نماز نہیں پڑھتا، ہوسکتا ہے کبھی کبھار کوئی پڑھ لیتا ہو مگر یہ آپشنل ہے، پاپا نے یا ممی نے کبھی فورس نہیں کیا پاپا تو ویسے بھی اپنی فرم اور بزنس میں بہت مصروف رہتے ہیں، ان سے تو کبھی اس موضوع پر بات ہی نہیں ہوئی، ممی کی بھی سوشل ایکٹیوٹیز ہیں۔ وہ بھی مصروف ہوتی ہیں میں ویسے بھی گھر پر ان کے ساتھ رہا ہی نہیں ہاں بچپن میں دادا دادی نے خاصا زور دیا اس پر مگر پھر بورڈنگ چلا گیا۔ وہاں نماز وغیرہ سکھاتے تو تھے مگر باقاعدگی سے پڑھنے کے لیے کوئی سختی نہیں تھی۔'' وہ چائے پیتے ہوئے انھیں بتا تا رہا۔

''اب پڑھ لیا کریں ذالعید! میں سکھا دوں؟'' ماما جان نے بڑے پیار سے کہا۔

''ماما جان! میں خود سیکھ لوں گا۔'' وہ کچھ اور شرمندہ ہوا۔ ''مگر باقاعدگی سے نماز پڑھنا یہ بہت مشکل کام ہے۔''

''کوشش تو کی جاسکتی ہے نا؟''

''ہاں! کوشش کرسکتا ہوں مگر رات کی نہیں پڑھ سکتا، تھکا ہوا ہوتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے، رات کی مت پڑھو۔ باقی چار پڑھ لو۔'' ماما جان فوراً مان گئیں۔

''صبح والی بھی نہیں پڑھ سکتا، اس وقت سو رہا ہوتا ہوں۔ نیند سے اٹھنا بہت مشکل ہے۔''

''ٹھیک ہے، وہ بھی مت پڑھو، باقی تین پڑھ لو۔'' ماما جان نے کوئی تعرض نہیں کیا۔

''دوپہر والی بہت لمبی ہوتی ہے ماما جان......! اس وقت فیکٹری میں ہوتا ہوں۔ بہت کام ہوتا ہے پھر لنچ بھی کرنا ہوتا ہے۔'' وہ اب سوچ میں پڑ گیا۔

''ٹھیک ہے۔ باقی دو پڑھ لو۔''

ماما جان! شام والی بھی بہت مشکل ہے، اس وقت بھی فیکٹری میں ہوتا ہوں، دوست آجاتے ہیں۔ کبھی ڈنر پر جانا ہوتا ہے۔ کبھی شاپنگ کرنی ہوتی ہے۔'' اسے اپنے سارے کام یاد آنے لگے۔

''اچھا ٹھیک ہے، عصر کی تو پڑھ سکتے ہو نا۔ وہ لمبی بھی نہیں ہوتی اور اس وقت کئی بار تم یہاں آئے ہو یا پھر فیکٹری میں ہوتے ہو، ہے نا۔''

''ہاں وہ پڑھ سکتا ہوں۔'' اس نے کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد بالآخر آمادگی ظاہر کی۔

''تو بس ٹھیک ہے، پڑھ لو اذان کافی دیر پہلے ہو چکی ہے۔ گلی میں مسجد تو تم نے دیکھی ہی ہے۔ وہاں چلے جاؤ۔ ٹوپی میں تم کو دے دیتی ہوں۔'' ماما جان اٹھ کر ایک صندوق کھولنے لگیں۔ وہ ہکا بکا انھیں دیکھنے لگا۔

''ابھی.....آج ہی.....؟''

''ہاں کیوں؟''

''میں سوچ رہا تھا، کل سے شروع کروں گا۔''

''ماما جان ایک ٹوپی نکال لائی تھیں۔''آج سے کیوں نہیں؟انھوں نے ٹوپی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

اس نے ٹوپی پکڑ لی اور کچھ سوچنے لگا۔

''کیا ہوا ذالعید؟''

''وضو کروا دیں ماما جان! میں مسجد میں چلا تو جاتا ہوں مگر نماز آتی نہیں ہے مجھے وہاں کروں گا کیا میں؟'' وہ اب خاصا بے بس نظر آ رہا تھا۔

''عید کی نماز تو پڑھتے ہو.....''

ذالعید نے ان کی بات کاٹ دی۔''ماما جان! وہ بھی ایسے ہی پڑھ کر آ جاتا ہوں سب لوگوں کے ساتھ سجدہ وغیرہ کر لیتا ہوں، بعد میں دعا مانگ لیتا ہوں۔''

اس نے پہلی بار صاف گوئی کا مظاہرہ کیا، ماما جان کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔

''ٹھیک ہے، آج مسجد میں بھی اسی طرح نماز پڑھ لینا، آؤ میں تمھیں وضو کروا دیتی ہوں۔''

وہ اسے باہر لے آئیں۔ ان کی ہدایات کے مطابق اس نے وضو کر لیا اور باہر چلا گیا۔

پندرہ منٹ بعد وہ واپس آیا، تو اس کا چہرہ خاصا سرخ تھا، ماما جان نے دروازہ کھولا تو وہ ٹوپی ہاتھ میں پکڑے اندر آ گیا۔

''نماز پڑھ لی؟'' ذالعید نے سر ہلایا۔ ماما جان نے اس کا ماتھا چوم لیا۔''دیکھا، اب چہرے پر نور آ گیا ہے۔'' انھوں نے کسی بچے کی طرح اسے بہلایا، وہ ہنس پڑا۔

''نور نہیں ہے ماما جان! چہرہ شرمندگی سے سرخ ہو رہا ہے۔ پٹھان ہوں نا۔''

''آج تم واپسی پر نماز کی کوئی کتاب خرید لینا پھر کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔'' ماما جان نے اسے ہدایت دی۔

اس نے ایسا ہی کیا تھا، شروع میں اسے کچھ دقت ہوئی، مگر پھر آہستہ آہستہ وہ فیکٹری کی مسجد میں عصر کی نماز باقاعدگی سے ادا کرنے لگا۔

اگر اس وقت ماما جان کے ہاں ہوتا تو محلے کی مسجد میں چلا جاتا اس کی وہ ابتدائی جھجک ختم ہو گئی تھی۔

⁂

سولھواں باب

اپنے کمرے میں آنے کے بعد اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے کندھوں پر ایک پہاڑ لا دلائی ہو۔

''کیا مجھے مظہر کے ساتھ شادی کر لینی چاہیے؟ وہ میرے بارے میں لاعلم ہے کیا اس کی یہ بے خبری میرے لیے نعمت نہیں ہے، مگر کیا اس شخص کو اس طرح بے خبر رکھنا غلط نہیں ہے؟ کیا مجھے اس شخص کو دھوکا دینا چاہیے جو مجھ سے محبت کرتا ہے؟ مگر سب کچھ جاننے کے بعد وہ مجھ سے شادی کبھی نہیں کرے گا۔ زندگی میں دوبارہ مجھے مظہر جیسا شخص نہیں مل سکے گا۔ کیا میرے مقدر میں ٹھوکروں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے؟ کیا زندگی پر میرا کوئی بھی حق نہیں ہے......؟ ایک موقع زندگی مجھے دے رہی ہے تو مجھے اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔'' وہ بری طرح دلائل اور جوابی دلائل میں پھنسی ہوئی تھی۔

''میرا مذہب کہتا ہے کہ......مگر میں ماضی اپنے پچھلے مذہب کے ساتھ دفن کر چکی ہوں۔ میری نئی زندگی نئے مذہب کے ساتھ شروع ہوئی ہے۔ اسلام میں آنے کے بعد تو میں کوئی گناہ نہیں کر رہی......اور اللہ معاف کرنے والا ہے۔''

وہ اپنے بستر پر بیٹھی دل اور ضمیر کی کشمکش دیکھ رہی تھی۔

''میں تھک چکی ہوں، ہر چیز سے......زندگی سے...... مجھے صرف ایک شخص چاہیے، جو میرا ہاتھ پکڑ سکے اور مظہر وہ شخص ہے میں اس کی بات رد نہیں کر سکتی......کم از کم اب نہیں......'' فیصلہ ہو گیا ہے۔

❁

''میں بہت سے معاملات میں بہت قدامت پرست ہوں، پہلی چیز تو یہ ہے کہ تم اب کام نہیں کرو گی، تمہیں گھر میں رہنا ہے اور مغربی لباس کو بھول جاؤ، تمہیں مشرقی لباس پہننا ہے۔ باہر جاتے ہوئے بھی تم کو بہت اچھے طریقے سے اپنا سر چھپانا ہے۔ تمہارے جو بھی دوست تھے۔ اب ان سے نہیں ملنا نہ ہی کبھی ان کو گھر بلانا۔ اپنے ماں باپ کے ساتھ میرے جو بھی اختلافات ہیں، ان کا تعلق میری ذات سے ہے، لیکن تم اگر کبھی بھی میرے ماں باپ یا بہن بھائیوں سے ملو تو تمہیں انہیں پوری عزت دینی ہے، خاص طور پر میرے ماں باپ کو، وہ اگر تمہیں برا بھی کہیں تو تمہیں ان کے سامنے کچھ نہیں کہنا۔ ان کی بات خاموشی کے ساتھ سننی ہے۔ میری اولاد کو بھی میرے خاندان کی عزت کرنا سکھانا ہے۔ فی الحال ہمیں زندگی اس ملک میں گزارنی ہے۔ لیکن میں کبھی بھی یہاں سے جانے کا فیصلہ کر سکتا ہوں اور اس وقت تمہیں کوئی اعتراض نہیں کرنا ہے، میرے بچوں کو شروع سے یہ بات پتا ہونی چاہیے کہ یہ ہمارا ملک نہیں ہے۔ ہم کبھی بھی یہاں سے چلے جائیں گے اور یہ بات تم انہیں سمجھاؤ گی۔ خاص طور پر اگر میری بیٹی ہوئی تو ہم بہت جلد یہاں سے چلے جائیں گے۔ اس کے چار پانچ سال کا ہونے تک، میں یہاں رہ ضرور رہا ہوں لیکن مجھے یہاں سے کچھ ایڈاپٹ نہیں کرنا۔ تمہیں بھی ویسے ہی رہنا ہے جیسے ہمارے خاندان کی عورتیں رہتی ہیں۔ میں نے اپنے ماں باپ کی مرضی کے خلاف شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے مگر میں یہ بھی

برداشت نہیں کروں گا کہ کوئی تمہارے بارے میں میرے ماں باپ سے یہ کہے کہ آپ کے بیٹے کی بیوی یہ کرتی ہے یا اس طرح رہتی ہے۔"

شادی کے بعد پہلی بار گھر آنے پر مظہر نے اس سے یہ سب کہا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کی باتیں سنتی رہی۔ وہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا، اسے ٹینشن ہونے لگی اور جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ اب ہمیشہ اس سے اسی سنجیدگی کے ساتھ بات کرے گا اور کبھی اسے مسکرا کر نہیں دیکھے گا..... تو وہ یک دم مسکرایا۔

"باقی یہ ہے کہ میں تمہارا ہوں..... مجھ سے شکایت ہو تو رات کے تین بجے مجھے جگا کر مجھ پر چلا سکتی ہو..... چاہو تو گالیاں دے لینا۔ زیادہ غصہ آئے تو گھر سے نکال سکتی ہو۔ اس گھر میں موجود سب کچھ تمہارا ہے۔ میرے پیسے کو جیسے چاہے خرچ کر سکتی ہو۔ تمہیں مجھے بتانے یا پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے ساتھ وفاداری اور پارسائی کے علاوہ میں تم سے اور کچھ نہیں چاہتا۔" خدیجہ نے سر جھکا لیا۔

❀

اس دن اس نے مظہر کو کوئی یقین دہانی نہیں کروائی، وہ صرف خاموشی سے اس کی باتیں سنتی رہی۔ وہ جان نہیں پایا کہ وہ اس کی باتوں کو کس حد تک سمجھ سکی ہے۔"

"میں اس کو وقتاً فوقتاً یہ باتیں سمجھاتا رہوں گا۔" مظہر نے سوچا تھا۔

لیکن اسے دوبارہ خدیجہ نور سے کبھی کچھ کہنا نہیں پڑا۔ خدیجہ نور نے اسے یہ موقع ہی کبھی نہیں دیا۔ مظہر نے اگلے تین سال اسے شلوار قمیص کے علاوہ کسی اور لباس میں نہیں دیکھا۔ وہ گھر میں بھی بہت اچھے طریقے سے دوپٹے سے خود کو چھپائے رکھتی تھی۔ اس نے دوبارہ کبھی اپنے بالوں کو کٹوانے کی خواہش بھی نہیں کی۔ شادی کے دوسرے دن اس نے خود ہی اپنے دونوں ہاتھوں کے لمبے ناخنوں کو کاٹ دیا۔ مظہر نے دوبارہ اسے کبھی ناخن بڑھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔

تین سال کے عرصہ میں وہ کبھی مظہر کے بغیر گھر سے نہیں نکلی۔ اسے شاپنگ پر جانا ہوتا تو وہ مظہر کے ساتھ ہی جاتی۔ واحد جگہ جہاں وہ باقاعدگی سے جاتی تھی، وہ اسلامک سینٹر تھا، وہاں بھی وہ صبح مظہر کے ساتھ جاتی اور لنچ کے دوران وہ اسے واپس گھر چھوڑ جاتا اور اگر کبھی وہ اپنی مصروفیات کی وجہ سے ایسا نہ کر پاتا تو پھر وہ شام کو اس کے آفس سے فارغ ہونے تک وہیں رہتی۔

صرف ایک بار مظہر نے لنچ کے دوران کسی کلائنٹ کے آجانے پر اسے فون کر کے کہا کہ وہ خود آ جائے، مگر خدیجہ نے صاف انکار کر دیا۔

"نہیں، میں اکیلی واپس نہیں جاؤں گی۔ مجھے واپس چھوڑنا آپ کی ذمہ داری ہے، اور میں آپ کے ساتھ ہی واپس جاؤں گی۔ آپ شام کو مجھے واپس لے جائیں۔"

اس رات مظہر نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ اسے اس کے اکیلا جانے پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور اگر وہ اکیلی واپس چلی جایا کرے تو ان دونوں کو سہولت ہو گی۔ خدیجہ نے اس کی ساری باتیں سننے کے بعد کہا۔

"آپ کا آفس اسلامک سینٹر کے قریب ہے۔ آپ کے پاس گاڑی ہے آپ پٹرول کے چارجز بھی افورڈ کر سکتے ہیں۔ صرف یہ ہے کہ

لنچ آپ کو گاڑی میں کرنا پڑتا ہے۔ مگر مرد تو بہت بڑی بڑی تکلیفیں اٹھالیتا ہے۔ یہ ایسی کوئی تکلیف نہیں ہے پھر بھی اگر آپ چاہتے ہیں تو میں اکیلی واپس آجایا کروں گی۔''

مظہر نے دوبارہ کبھی اس سے اکیلے جانے کے لیے نہیں کہا۔

وہ کبھی کبھار اسے اپنی شادی شدہ دوستوں کے ہاں لے کر جایا کرتا تھا اور اس وقت اسے بہت اطمینان ہوتا جب وہ خدیجہ کا موازنہ ان دوستوں کی بیویوں سے کرتا۔ ان میں سے کچھ کی بیویاں پاکستانی تھیں۔ مگر وہ خدیجہ کی طرح عملی مسلمان نہیں تھیں۔ بعض دفعہ اسے یہ سوچ کر خوشی ہوتی کہ اس کا فیصلہ غلط ثابت نہیں ہوا تھا۔ خدیجہ ویسی ہی بیوی ثابت ہوئی تھی جیسی اس نے خواہش کی تھی۔ تین سال کے عرصے میں وہ ٹوٹی پھوٹی پشتو اور اردو بولنے لگی تھی۔ اسلامک سینٹر میں اس نے عربی میں قرآن پاک پڑھا۔ بیٹے کی پیدائش کے بعد وہ اب باقاعدگی سے اسلامک سینٹر نہیں جاتی تھی۔ وہ مظہر کی مدد سے قرآن پڑھا کرتی تھی۔ مظہر کی زندگی بہت پرسکون تھی اور اس کا خیال تھا سب کچھ ہمیشہ ایسے ہی رہے گا۔ مگر زندگی میں ایک ایسا طوفان اس کا منتظر تھا جو سب کو بہا لے جانے والا تھا......؟

❀

مظہر کو جو چیزیں بہت مشکل لگ رہی تھیں خدیجہ کے لیے ان میں ایک بھی مشکل نہیں تھی۔ وہ جس زندگی سے نکل کر آئی تھی۔ اس سے زیادہ مشکل اور صبر آزما چیز کوئی بھی نہیں تھی۔

''جو کچھ تم نے مجھے دیا ہے۔ وہ اتنا زیادہ ہے کہ اس کے بعد میں تمہاری نافرمانی کرنے کے قابل ہی نہیں رہی مظہر......! میں تمہاری اطاعت کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں کرنا چاہتی...... اگر میرے لیے تم نے سارے رشتے چھوڑ دیے ہیں۔ تو میں تمہاری زندگی میں پچھتاوے کا ایک لمحہ تک آنے نہیں دوں گی۔''

اس نے مظہر کی ساری باتوں کے جواب میں صرف یہ سوچا تھا۔

مظہر کے ساتھ خدیجہ وہ زندگی گزار رہی تھی جس کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اسے اپنا گزرا ہوا کل ایک بھیانک خواب لگتا۔ پھر اسے یاد آتا وہ اس زندگی کو بہت پیچھے چھوڑ آئی ہے۔ اتنا پیچھے کہ اب......''

''دنیا کی جس دلدل سے میں نکل کر آئی ہوں، اس کے بعد میں چاہتی ہوں میرے گھر میں کھڑکیاں اور دروازے تک نہ ہوں جنہیں کھول کر میں باہر جھانکوں یا کوئی مجھ تک آسکے...... اور اگر میرے اختیار میں ہو تو اپنے شوہر کے علاوہ میں کسی دوسرے مرد کا چہرہ تک نہ دیکھوں یا اپنے گرد ایسا حصار قائم کرلوں کہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جاؤں...... میں نے یہی سب کچھ چاہا تھا۔ گھر، شوہر، اولاد، اس سے بڑی نعمت ہوسکتی ہے کسی کے پاس۔'' وہ اکثر بیٹھے بیٹھے سوچتی۔

''اگر مجھے یقین ہو کہ میرا شوہر گھر سے باہر کسی گمراہی کے راستے پر نہیں چل رہا۔ اس کی زندگی میں کسی دوسری اور تیسری عورت کا وجود نہیں ہے اس کی صبح اور رات میرے ہی گھر میں ہوتی ہے وہ جو کماتا ہے مجھے ہی لا کر دیتا ہے۔ مجھ سے محبت اور میری عزت کرتا ہے تو پھر اگر وہ گھر کے اندر

رہنے کے بجائے گھر کے ایک کمرے میں رہنے کا بھی کہے تو میں رہ لوں گی...... بڑی خوش دلی اور کسی شکایت کے بغیر......''

مظہر کے ایک دوست کی بیوی نے ایک بار اس سے پوچھا تھا کہ کیا وہ مظہر جیسے کنزرویٹو شخص کے ساتھ رہ کر خوش ہے اور اس کے جواب نے اس عورت کو حیران کیا۔

''بھابھی! مجھے لگتا ہے، آپ تو مظہر سے بھی زیادہ قدامت پرست ہیں۔'' اس نے ہنس کر خدیجہ سے کہا۔ خدیجہ کچھ کہنے کے بجائے صرف مسکرا دی۔

''اگر تم لوگ یہ جان جاؤ کہ میرا لبرل ازم مجھے کس دوزخ میں لے گیا تھا تو شاید تم لوگ کبھی میری قدامت پرستی پر ہنس نہ سکو۔ بے عزتی کی زندگی گزارنے کے بعد اگر عزت کی قیمت ہمیشہ کے لیے گھر کے اندر بند رہنا بھی ہو تو میں ایک لمحہ کے لیے بھی سوچے سمجھے بغیر خود کو گھر کے اندر بند کر لوں گی اور یہی میں نے کیا ہے۔'' اس نے سوچا تھا۔

سترھواں باب

رات...... خاموشی...... تاروں کی مدھم روشنی، بلندی...... ٹھنڈک...... خوشبو...... نرم پھوار...... بھیگتا وجود...... ملائم نم فرش پر حرکت کرتے قدم...... سکون...... سرشاری، سرور، مستی...... وہ کہیں اور تھی...... وہ کہیں نہیں تھی۔

"میں سوچ رہی ہوں ذالعید! ہم دونوں مل کر سرامکس کی ایک فیکٹری شروع کریں۔"

اس دن صبح ناشتے کی میز پر مریم نے ذالعید سے کہا...... وہ چائے پیتے پیتے رک گیا۔

"سرامکس......؟ مگر اس کا میرے کام سے کیا تعلق ہے؟"

"ذالعید! صرف ایک فیکٹری سے کیا ہوگا، بزنس کو بڑھانا چاہیے۔ سرامکس میں اتنا اسکوپ ہے۔ تم اور میں ویسے بھی آرٹ کو جانتے ہیں، ہم کتنے نئے تجربات کر سکتے ہیں، ٹائلوں کے ساتھ...... ایکسپورٹ کر سکتے ہیں۔"

وہ ناشتہ کرتے ہوئے اسے اس منصوبے کے بارے میں تفصیل سے بتا رہی تھی۔

"لیکن ایک نئی فیکٹری لگانا اور پھر اسے اسٹیبلش کرنا بہت ٹائم مانگتا ہے۔ کم از کم پانچ گھنٹے روز چاہئیں مجھے، اس فیکٹری کے پیپر ورک کے لیے اور پھر جب کنسٹرکشن کا کام شروع ہوگا تو اللہ جانے کیا ہوگا......" اس نے ایک گہرا سانس لے کر چائے کا سپ لیا۔

"ہر چیز میں وقت لگتا ہے ذالعید! ترقی کرنے کے لیے وقت تو خرچ کرنا پڑتا ہے۔"

"مگر میں پانچ گھنٹے کہاں سے نکالوں گا...... ایک دو ماہ کی بات ہو تو چلو، یہ تو مستقل کام ہے۔"

"مگر ذالعید! تم یہ سوچو کہ کیا ساری زندگی ایک ہی فیکٹری لے کر بیٹھے رہیں گے۔ کیا اپنے بزنس کو بڑھانا نہیں ہے تم اپنے پاپا کو دیکھو۔ وہ کتنی چیزیں ایک ساتھ کر رہے ہیں، اپنی لاء فرم چلا رہے ہیں، ہوٹل چلا رہے ہیں۔ تین فیکٹریز ہیں، چوتھی انھوں نے تمھیں دی ہے۔ پھر زمینیں بھی ہیں۔"

"مگر مریم! میری فیکٹری بہت اچھی چل رہی ہے۔ میں بہت مطمئن ہوں۔"

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں، تمہاری فیکٹری اتنی اسٹیبلش ہے کہ تم اگر اسے بہت زیادہ وقت نہ بھی دو تو بھی یہ بہت اچھی طرح چل سکتی ہے۔ کیا بہتر نہیں ہے کہ تم ساتھ ہی کچھ اور بھی کرنا شروع کرو۔ ساری عمر چار کنال کے گھر میں تو نہیں رہنا ظاہر ہے اپنی اولاد کے لیے بھی کچھ چھوڑنا ہے اور پھر ہم اپنے آرٹ کا فائدہ کیوں نہ اٹھائیں۔ فیکٹری شروع ہو جائے تو میں خود بھی تمھارے ساتھ اسے دیکھا کروں گی۔ ہم کام بانٹ لیں گے۔"

"مگر مریم! بچے کے ساتھ تم سب کچھ کیسے سنبھالو گی؟" وہ اب بھی متذبذب تھا۔

''بچے کے لیے گورنس رکھ لیں گے، مجھے کون سا سارا دن اسے گود میں اٹھائے پھرنا ہے۔ پھر اسکول گوئنگ ایج ہو جائے گی تو کوئی مسئلہ ہی نہیں رہے گا۔''

اس نے جھٹ پٹ ہر مسئلے کا حل پیش کر دیا تھا۔ ذالعید چائے پیتے ہوئے کچھ سوچتا رہا۔

❁

مریم نے اس کے سامنے صرف تجویز پیش نہیں کی تھی۔ اس نے اس دن سے مسلسل اس کام کے لیے اس پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ ذالعید کے پاس ایک صنعتی پلاٹ تھا جو بے کار پڑا ہوا تھا۔ اس لیے فیکٹری کے لیے زمین کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ بالآخر جب اس نے پیپر ورک شروع کر دیا تو مریم پرسکون ہو گئی۔ وہ جانتی تھی۔ اب وہ خود ہی اس کام کو مکمل کر لے گا۔

ذالعید کے لیے اب صحیح معنوں میں ٹینشن شروع ہوئی تھی۔ وہ جو پہلے سر شام فیکٹری سے فارغ ہو کر گھر آ جاتا تھا۔ اب اسے ہر روز رات کو گھر آتے آتے ایک دو بج جاتے، صبح پھر وہ بہت جلد اٹھ کر فیکٹری چلا جاتا۔ وہ ٹینشن میں کام کرنے کا عادی نہیں تھا۔ مگر اب ایک دم اسے راؤنڈ دا کلاک کام کرنا پڑا تو وہ خاصا ٹینس رہنے لگا۔

❁

پاپا اس کے پروجیکٹ کے بارے میں سن کر بہت خوش ہوئے تھے۔ اس رات وہ نزہت کی دعوت پر مریم کے ساتھ ان کے ہاں ڈنر کے لیے گیا تھا۔ ڈنر ٹیبل پر ہی نئی فیکٹری کا ذکر شروع ہو گیا۔

''ابھی تو پیپر ورک میں مصروف ہوں مگر اس میں بھی بہت وقت لگ رہا ہے۔ جب کنسٹرکشن کا کام شروع ہو گا تو پھر مصروفیت اور بڑھ جائے گی۔'' اس نے اپنے پاپا کو بتایا۔

''لیکن یہ اچھا ہے، سرامکس میں اچھا خاصا اسکوپ ہے اور یہ ٹھیک کر رہے ہو کہ نئی فیکٹری ابھی شروع کر رہے ہو۔ چند سالوں میں یہ بھی اچھی طرح اسٹیبلش ہو جائے گی۔'' انھوں نے کھانا کھاتے ہوئے کہا۔

''پاپا! یہ تو تیار ہی نہیں ہو رہے تھے کہہ رہے تھے کہ میں پہلے ہی بہت مصروف ہوں۔ وقت نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر میں نے مجبور کر دیا۔'' مریم نے کچھ فخریہ انداز میں کہا۔

''اب آپ خود سوچیں پاپا! ایک فیکٹری تو لے کر نہیں بیٹھے رہنا۔''

''ہاں! مریم ٹھیک کہہ رہی ہے بزنس کو جتنا پھیلا سکو پھیلانا چاہیے۔ وقت اور حالات کا کچھ پتا نہیں ہوتا۔'' وہ اب مریم کے ساتھ باتوں میں مصروف تھے۔

ذالعید کو اچانک احساس ہوا کہ مریم اور اس کے پاپا کے درمیان اچھی خاصی ذہنی مطابقت ہے۔ بہت ساری چیزوں پر ان کے خیالات اتنے ملتے جلتے تھے کہ ذالعید کو اپنا آپ غیر متعلق لگنے لگتا۔ مریم اتنی ہی پروگریسو اور لبرل تھی جتنے اس کے پاپا، وہ آرٹسٹ ہونے کے باوجود زندگی کے

بارے میں بہت زیادہ پریکٹیکل اپروچ رکھتی تھی یا پھر یہ وہ مادہ پرستی تھی جو کہیں اس کے اندر چھپی ہوئی تھی اور اب یک دم باہر آ گئی تھی۔ پارٹیز، فنکشنز، ایگزیبیشن، ڈنرز، ورکشاپس، لیکچرز، اس کی زندگی ذالعید سے شادی کے بعد ان ہی چیزوں کے گرد گھومنے لگی تھی۔ بعض دفعہ ذالعید کو لگتا وہ اس سے زیادہ مصروف رہتی ہے۔ اور شاید یہ کسی حد تک ٹھیک بھی تھا۔ وہ بھی ایک جگہ ٹک کر نہیں بیٹھی تھی۔ کبھی کراچی، کبھی اسلام آباد، کبھی بیرونِ ملک، وہ ہر دو تین ہفتے کے بعد کہیں نہ کہیں گئی ہوئی تھی۔

ذالعید کا خیال تھا، شروع شروع کا یہ جوش وقت کے ساتھ ساتھ کم ہو جائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ وقت کے ساتھ پہلے سے زیادہ مصروف ہوتی گئی تھی۔

ان کی فیملی میں ہونے والے متوقع اضافے نے بھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی تھی۔ اس کا پورا گھر نوکروں کے سر پر چلتا تھا۔ یہ ذالعید کی خوش قسمتی تھی کہ اس کے تمام ملازم بہت پرانے اور وفادار تھے اور وہ اپنے گھر کی تعمیر کے بعد انھیں پاپا کے گھر سے لایا تھا۔ ورنہ شاید گھر خاصی تباہ کن صورت حال سے دوچار ہوتا مریم ہمیشہ گھر سے باہر ہوتی یا پھر اپنے اسٹوڈیو میں اگر کبھی ان کے درمیان کوئی لمبی چوڑی بات ہوتی بھی تو وہ کسی نہ کسی طرح بزنس کے گرد گھومتی رہتی۔

وہ ایک سال کی مختصر مدت میں آرٹ کے حلقوں میں اچھی طرح جانی پہچانی جانے لگی تھی۔ حکومت کے بعض بڑے اداروں کی عمارتوں میں اس کی تصاویر لگ چکی تھیں۔ پینٹنگز کی نمائشوں کے علاوہ وہ اپنے اسکلپچر کی بھی نمائش کر چکی تھی، اور آج کل وہ ایک نامور جیولر کے اشتراک سے زیورات کے ڈیزائنوں کی پہلی ایگزیبیشن کرنے والی تھی۔ ذالعید جانتا تھا اب بہت جگہ اُمّ مریم اس کے نام سے نہیں اُمّ مریم کے نام سے پہچانا جاتا تھا، اسے اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا، وہ بہت اچھی آرٹسٹ تھی اور اُمّ مریم کو ملنے والی پہچان سے اسے خوف نہیں آتا تھا۔ مگر بعض دفعہ اسے احساس ہوتا کہ اُمّ مریم کی زندگی صرف آرٹ اور شہرت کے گرد گھومتی ہے۔ وہ اکثر ماما جان اور مریم کا موازنہ کرتا اور حیران ہوتا کہ دونوں ایک دوسرے سے کس قدر مختلف تھیں۔

ماما جان کو اپنے گھر کے علاوہ شاید کسی اور چیز سے دلچسپی ہی نہیں تھی اور مریم کو گھر کے علاوہ ہر چیز سے دلچسپی تھی۔ ماما جان ہر چیز پر مطمئن تھیں، مریم کو کسی بھی چیز پر اطمینان نہیں تھا۔ ماما جان خاموشی اور تنہائی میں خوش رہتی تھیں۔ مریم کو لوگوں کا ہجوم اور قہقہے بھاتے تھے۔ ماما جان کے تعلقات صرف اس محلے کے لوگوں تک ہی تھے جہاں وہ رہتی تھیں باہر نہ نکلنے کے باوجود وہ محلے کے لوگوں کی پروا کرتیں اپنے طریقے سے ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتیں۔ مریم پوری دنیا سے تعلقات رکھنا چاہتی تھی۔ وہ ہر دھوم دھڑ کے والی جگہ پر موجود ہوتی۔ اسے ان دونوں کی فطرت کا تضاد حیران کرتا۔

⁂

وہ اپنے کام میں اتنا مصروف تھا کہ پورا ایک ہفتہ ماما جان کی طرف نہیں جا سکا اور جب ایک ہفتے کے بعد وہ ماما جان کی طرف گیا تو خاصا تھکا ہوا تھا۔ شاید اس کی یہ تھکن ہی اسے وہاں لے گئی تھی۔

''ذالعید! پچھلا ہفتہ کہاں رہے آپ؟'' ماما جان نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

''بہت مصروف تھا ماما جان! نئی فیکٹری کے پیپر ورک کے سلسلے میں بہت مصروف رہا۔''

''نئی فیکٹری......؟'' ماما جان نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''ہاں ماما جان! مریم کی فرمائش پر سرامکس کی فیکٹری لگا رہا ہوں۔''

''ماما جان کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہیں۔ دو فیکٹریز کو سنبھال سکو گے؟''

''یہ تو میں نہیں جانتا'' وہ ہنسا...... ''مگر بزنس کو بڑھانا ہے ہی، بس یہ ہے کہ سونے کے گھنٹے کچھ کم ہو جائیں گے اور باقی ایکٹیوٹیز بھی۔''

''مگر ذالعید! کیا صرف ایک فیکٹری کافی نہیں ہے؟''

''پتا نہیں، شاید ہاں، شاید نہیں۔''

''رزق کے پیچھے اتنا کیوں بھاگ رہے ہو؟'' وہ ان کی بات پر حیران ہوا۔

''ماما جان! ترقی تو ضروری ہوتی ہے۔''

''مگر کتنی ترقی ذالعید! آج دوسری فیکٹری لگا رہے ہو پھر تیسری اور چوتھی لگاؤ گے۔ ترقی کی تو کوئی حد نہیں ہے۔ مگر یہ سوچا ہے کہ چند ماہ بعد جب اولاد ہو جائے گی تو اس کے ساتھ گزارنے کے لیے وقت ہوگا آپ کے پاس؟ اولاد کی تربیت کون کرے گا۔'' وہ خاموش رہا۔

''اولاد کو ورثے میں کیا دیں گے۔ بس فیکٹریز اور گاڑیاں، بڑے گھر اور بنک بیلنس، اچھے تعلیمی ادارے اور بیرون ملک ڈگریاں؟ زندگی گزارنا کون سکھائے گا انھیں؟''

''ماما جان! زندگی تو ان ہی سب چیزوں کے ساتھ گزرتی ہے اور ورثے میں بھی یہی سب دیا جاتا ہے۔''

''آپ اپنا ورثہ بدل دینا، ورثے میں اپنے بچوں کو کچھ اور دینا۔'' وہ خاموشی سے ان کا چہرہ دیکھتا رہا۔

''ایک فیکٹری بھی تو کافی ہے آپ کے لیے۔ آرام سے کام کر رہے ہو، گھر چل رہا ہے۔ زندگی کی ہر سہولت ہے۔''

''مگر ماما جان! ایک فیکٹری سے کیا ہوتا ہے، اگر بزنس میں ڈاؤن فال آ جائے تو؟ دو چار فیکٹریز ہوں تو سکیورٹی تو ہوتی ہے نا کہ چلیں ایک فیکٹری نہیں چلے تو دوسری جگہ سے نقصان کور ہوتا رہتا ہے۔'' اس نے مریم والی منطق ان کے سامنے رکھی۔

''ذالعید! اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو رزق کی تنگی دینی ہے تو وہ تب بھی دے دے گا جب آپ کی چار فیکٹریاں ہوں گی۔ کیا کر لیں گے آپ اگر چاروں فیکٹریز میں ایک ہی وقت آگ لگ جائے۔ عمارتیں گر جائیں یا کچھ اور ہو جائے۔ ہم کتنے ہی بند کیوں نہ باندھ لیں۔ اگر سیلاب کے پانی کو ہم تک آنا ہے تو وہ سارے بند توڑ کر آ جائے گا۔ اگر ہماری قسمت میں پانی ایک قطرہ لکھا ہے ایک گھونٹ نہیں تو ہم دریا کے کنارے بیٹھ کر بھی ایک قطرہ ہی پی سکیں گے، ایک گھونٹ نہیں۔''

ذالعید نے کچھ دیر کے لیے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

''اسی فیکٹری پر اپنی توجہ رکھو۔ خود کو رزق کے پیچھے بھاگ کر تھکاؤ مت......'' وہ نرمی سے کہہ رہی تھیں۔

''باپ اور شوہر کے لیے بہت ضروری ہوتا ہے کہ وہ گھر کے اندر وقت گزارے، صرف روپیہ اور آسائشیں لا کر ڈھیر کر دینا تو سب کچھ نہیں ہوتا۔''

''ماما جان! یہ مریم کی ضد ہے۔'' اس نے بالآخر کہا۔ وہ بہت دیر خاموش بیٹھی رہیں۔

''آپ کو خود یہ طے کرنا چاہیے ذالعید! کہ آپ کو زندگی میں کیا کرنا ہے یا کیا نہیں۔ صرف عورت کے لیے ہی نہیں مرد کے لیے بھی سب سے اہم چیز گھر ہی ہونا چاہیے۔ کیا کرنا چاہتے ہیں آپ اپنے بچے کے لیے۔ آپ دونوں مصروف ہو جاؤ گے تو وہ کیا کرے گا۔ کیا اپنی طرح اس کو بھی بورڈنگ میں بھیج دو گے۔''

وہ ان کی باتیں سن کر بری طرح الجھ گیا۔

***

''میں نے سرامکس کی فیکٹری لگانے کا ارادہ چھوڑ دیا ہے۔''

اس رات اس نے بیڈ پر لیٹتے ہوئے بڑے پرسکون انداز میں مریم کو اطلاع دی۔ مریم کو ایک کرنٹ لگا۔

''کیا......؟'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی، اس نے ٹیبل لیمپ آن کر دیا۔

''میں فیکٹری نہیں لگا رہا؟''

''کیوں؟''

''کیونکہ میں دو فیکٹریز اچھے طریقے سے چلا نہیں پاؤں گا۔''

''کمال ہے ذالعید! میں نے تم سے کہا بھی ہے کہ میں تمہاری مدد کروں گی۔

''مریم! تم میری مدد نہیں کر سکتیں اور نہ ہی میں یہ چاہتا ہوں کہ تم میری مدد کرو۔ اتنے چھوٹے بچے کو گھر پر چھوڑ کر تم فیکٹری جایا کرو گی؟''

''وہ ساری عمر چھوٹا تو نہیں رہے گا نا اور پھر ہم گورنس رکھیں گے اس کے لیے۔''

''مریم! میں چاہتا ہوں، تم اسے خود پالو اور میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ تم اپنی ایکٹویٹیز کو اب آہستہ آہستہ کم کرنا شروع کر دو۔ ماں کی پہلی ذمہ داری اس کی اولاد ہوتی ہے، باقی ہر چیز بعد میں آتی ہے۔''

وہ بڑے پرسکون انداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ یک دم ٹھٹک گئی۔

''تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمھیں فیکٹری لگانے سے منع کس نے کیا ہے۔ کل تک تو تم اس پر پیپر ورک کر رہے تھے؟'' وہ اپنے شبہے کی تصدیق کرنا چاہتی تھی۔

''مجھے کسی نے منع نہیں کیا۔ بس میں فیکٹری لگانا نہیں چاہتا۔''

''تم سے ماما جان نے کہا ہوگا؟ انھوں نے منع کیا ہوگا۔''

''انھوں نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔'' ذالعید نے جھوٹ بولا۔

''تم مجھے احمق مت سمجھو۔ یہ سب کچھ ماما جان کے علاوہ اور کوئی کہہ ہی نہیں سکتا۔ انھوں نے ہی تمھیں میرے لیے یہ ہدایت نامہ دیا ہوگا۔''

''اگر ایسا ہے بھی تو کیا برا ہے؟ دو فیکٹریز لگانے کے بعد میں کتنا مصروف ہو جاؤں گا۔ تم نے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی ہے۔ میں نہ اپنے بچوں کو وقت دے پاؤں گا نہ تمھیں۔''

''مجھے اور میرے بچے کو تمھارے وقت کی ضرورت نہیں ہے۔ جتنا وقت ہم اکٹھے گزارتے ہیں، وہ کافی ہے۔ تم اگر اپنی اولاد کو کچھ دینا ہی چاہتے ہو تو اسے اچھا مستقبل دو۔ آسائشیں دو اور آسائشیں پیسے سے آتی ہیں۔''

''تمھیں مجھے میری ذمہ داری سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں مجھے اپنی اولاد کو کیا دینا ہے اور میں اسے سب کچھ دے سکتا ہوں۔'' ذالعید کو اس کی بات بری لگی۔

''تمھیں مجھ سے زیادہ ماما جان کی پروا ہے۔ ان کی باتوں کی زیادہ اہمیت ہے تمہاری نظر میں۔'' وہ بگڑ کر بولی۔

''ہاں، اس لیے کیونکہ وہ جو بات کہتی ہیں، وہ ٹھیک ہوتی ہے۔''

''یہ میرا گھر ہے ذالعید! ماما جان کا نہیں ہے اور یہاں ماما جان کے احکامات نہیں چل سکتے۔''

''مریم! میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا، میں سونا چاہتا ہوں۔'' وہ اکتا گیا۔ ''لائٹ آف کرو۔''

''تم اگر فیکٹری نہیں لگاؤ گے تو میں خود لگا لوں گی۔'' مریم کا غصہ بڑھ گیا۔

''ٹھیک ہے، تم خود لگا لو مگر پہلے تمھیں اس کے لیے زمین خریدنی ہوگی اور میں تمھیں نہ زمین کے لیے پیسہ دوں گا نہ ہی فیکٹری کے لیے۔ اگر تم پھر بھی افورڈ کر سکتی ہو تو بڑے شوق سے فیکٹری لگاؤ بلکہ ایک کے بجائے دو لگا لو۔''

اس نے ایک جھٹکے سے اٹھ کر ٹیبل لیمپ آف کیا اور دوبارہ لیٹ گیا۔ مریم اندھیرے میں اسے گھورتی رہی۔

اٹھارھواں باب

''خدیجہ! آج رات کے کھانے پر اچھا خاصا اہتمام ہونا چاہیے۔'' مظہر نے صبح ناشتے کی میز پر کہا۔

''کیوں آج ایسی کیا خاص بات ہے؟''

''پاکستان سے میرا ایک دوست آیا ہے عاصم، میں اسے آج رات کو کھانے پر گھر لانا چاہتا ہوں۔'' مظہر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''پہلی بار تمھارے اس دوست کا نام سن رہی ہوں، پہلے کبھی تم نے ذکر نہیں کیا۔'' خدیجہ نے اس کے لیے چائے کا کپ تیار کرتے ہوئے کہا۔

''وہ کیمبرج میں پڑھتا رہا ہے۔ میرے ساتھ لنکنز اِن نہیں گیا، مگر پاکستان میں ہم ایک ہی بورڈنگ میں تھے۔ تم اس سے نہیں ملی ہو۔ میں تمھیں بھی ملوانا چاہتا ہوں۔'' مظہر خاصا پُر جوش نظر آ رہا تھا۔

''میں شام کو آفس سے سیدھا اسے لینے کے لیے جاؤں گا اور پھر اسے لے کر ہی گھر آؤں گا۔''

''اگر مینو بتا دیں تو بہتر ہوگا، میں ان کی پسند کی ڈشز بنا لوں گی۔''

خدیجہ نے کہا، مظہر نے اسے کچھ ڈشز بتا دیں۔

اس نے رات کا کھانا بروقت تیار کر لیا۔ جس وقت مظہر گھر آیا، وہ اپنے بیٹے کو سلا رہی تھی دروازہ کھولنے پر اس نے جس شخص کو اپنے سامنے پایا، اسے دیکھ کر اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اس سے پہلے بھی اسے کہیں دیکھ چکی ہے۔ مگر کہاں؟ اسے یاد نہیں آیا۔ وہ شخص بھی اس پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ مظہر نے ان دونوں کا تعارف کروایا۔

''عاصم! یہ میری بیوی ہے خدیجہ اور خدیجہ یہ میرا دوست عاصم۔''

خدیجہ نے مسکرا کر اس کا حال احوال پوچھا۔ اسے محسوس ہوا کہ عاصم اس سے بات کرتے ہوئے عجیب سے تناؤ کا شکار تھا۔ خدیجہ نے اس بات کی زیادہ پروا نہیں کی۔

''ہو سکتا ہے، وہ کسی وجہ سے پریشان ہو۔''

خدیجہ نے کچن میں جاتے ہوئے سوچا، مظہر عاصم کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھا ہوا تھا۔ خدیجہ کھانا لگانے کی تیاری کر رہی تھی۔ ڈائننگ ٹیبل پر برتن رکھتے ہوئے اس کی نظر عاصم پر پڑی، وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ نظر ملنے پر وہ مظہر کی طرف دیکھنے لگا، مظہر اس سے باتیں کرتے ہوئے ہنس رہا تھا مگر خدیجہ الجھ گئی تھی۔ ایک بار پھر اسے شدت سے احساس ہوا کہ وہ چہرہ اس کا شناسا ہے مگر وہ اب بھی یہ یاد رکھنے میں کامیاب نہیں ہو پا رہی تھی کہ وہ اسے کہاں دیکھ چکی ہے۔

واپس کچن میں جا کر اس نے فریج کھولا اور اس کے دماغ میں ایک جھماکہ ہوا...... کیمبرج یونیورسٹی، کیمبرج...... عاصم...... میرے اللہ...... اسے اپنے پیروں کے نیچے سے زمین نکلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ وہ بھول گئی تھی، اسے فریج سے کیا نکالنا تھا۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ اس نے فریج بند کر دیا۔

میں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ اگر کبھی میرا کوئی گاہک میرے سامنے آ گیا تو کیا ہوگا؟ میں تب خود کو کیسے چھپا پاؤں گی۔ کیا سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ اس طرح اچانک...... مگر کیوں......؟ میں تو...... میں تو...... میرے اللہ اب کیا ہوگا؟

عاصم کی الجھن بھری نظروں سے ظاہر تھا کہ وہ اسے پہچان چکا تھا۔ مگر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ مجھے نہ پہچانا ہو۔ آخر اتنے سال گزر گئے ہیں اور پھر میں نے چادر اوڑھی ہوئی ہے۔ اور میرا چہرہ سادہ ہے مگر تب میں اور طرح کے لباس میں تھی۔ میک اپ کیے ہوئے، کٹے ہوئے بالوں کے ساتھ اور تب میرا نام بھی تو اور تھا، ہو سکتا ہے اسے صرف شبہ ہو یقین نہ ہو...... ہو سکتا ہے اس بار بھی اللہ تعالیٰ مجھے چھپا لے۔ وہ اب سنک کے سامنے کھڑی اپنے چہرے پر پانی کے چھینٹے مار رہی تھی۔ اس کا پورا وجود بے جان ہو رہا تھا۔

دوبارہ ٹیبل پر کھانا رکھتے ہوئے اس میں اتنی ہمت نہیں رہی تھی کہ وہ دوبارہ عاصم پر نظر ڈالے۔ مظہر عاصم کو لے کر کھانے کی میز پر آ گیا۔ عاصم کی نظریں ایک بار پھر اس پر اٹھی تھیں۔

''خدیجہ آؤ، کھانا شروع کریں۔'' وہ کچن کی طرف جانے لگی تو مظہر نے آواز دی۔

''نہیں...... آپ لوگ کھائیں، مجھے بھوک نہیں ہے۔'' اس نے بمشکل مسکراتے ہوئے کہا۔ ''پھر بھی تھوڑا بہت تو کھانا چاہیے۔'' مظہر نے اصرار کیا۔

''آپ کھانا شروع کریں۔ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ مجھے واقعی بھوک نہیں ہے۔'' وہ کچن میں گھس گئی۔

''خدیجہ بہت اچھا کھانا پکاتی ہے۔ اس نے سب کچھ خود پکانا سیکھا ہے۔ اور اب ایسے پاکستانی کھانے بناتی ہے کہ تم بھی کھا کر حیران ہو جاؤ گے۔''

مظہر کی آواز کچن میں آ رہی تھی، اس نے عاصم کو جواب میں کچھ بھی کہتے نہیں سنا، مظہر اصرار کر کے اسے کھانا کھلا رہا تھا۔

''میں حیران ہوں، تمہیں ہوا کیا ہے۔ تم اس طرح کے تکلفات برتنے والے انسان تو نہیں تھے۔''

وہ اس سے کہہ رہا تھا اور خدیجہ کو لگا۔ کوئی اس کے پیٹ میں گھونسے مار رہا ہو، کیا وہ مجھے پہچان چکا ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو کیا وہ...... کیا وہ......'' وہ آگے کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

کھانے کے بعد اس نے ان لوگوں کو چائے سرو کی اور اس بار خدیجہ نے عاصم کی نظروں میں جو سرد مہری اور حقارت دیکھی تھی۔ اس نے اسے لرزا دیا تھا۔ شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔ وہ اسے پہچان چکا تھا۔ وہ چائے سرو کر کے واپس کچن میں آئی اور اس وقت اس کا دل چاہا، وہ عاصم کے قدموں پر گر کر اس سے کہے کہ وہ اسے نہ پہچانے۔ اس کے اس ماضی کو بے شناخت رہنے دے جسے وہ چھوڑ آئی ہے۔ اس کے گھر کو تباہ نہ

کرے......وہ ایسا کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔

چائے پینے کے کچھ دیر بعد جب وہ برتن اٹھا رہی تھی تو مظہر عاصم کو چھوڑنے کے لیے اٹھ گیا، خدیجہ ایک بار پھر دروازہ بند کرنے کے لیے ان کے پیچھے گئی۔

''میں بس آدھے گھنٹے میں واپس آتا ہوں۔''

مظہر نے دروازے سے نکلتے ہوئے پلٹ کر مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔ وہ مسکرا نہیں سکی۔ اس کے گلے میں پھندا ڈالا جا چکا تھا۔

دروازہ بند کرتے ہی اس کا حوصلہ جواب دے گیا تھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی ہوئی واپس لاؤنج میں آئی، جلے پیر کی بلی کی طرح وہ روتے ہوئے بے تابی سے لاؤنج میں چکر لگانے لگی۔ میں کیا کروں کہ میرا گھر تباہ نہ ہو؟ میں کیا کروں کہ مظہر مجھے نہ چھوڑے......کب سب کچھ ایک بار پھر سے ختم ہو جائے گا؟ میرا سب کچھ ختم ہو جائے گا؟ وہ بچوں کی طرح بھاگتی ہوئی واش روم میں گئی۔

''میرے عیب کو چھپا دے۔ اللہ میرے عیب کو چھپا دے۔'' اس نے بے تحاشا روتے ہوئے وضو کیا۔

جائے نماز پر سجدے میں روتے ہوئے اس نے دعا کی عاصم مظہر کو کچھ نہ بتائے۔ میں نے کیا ریت کا گھر بنایا تھا کہ پانی کی ایک لہر ہی اس کو بہا لے جائے گی؟ مظہر مجھے چھوڑ دے گا تو میں کیا کروں گی؟'' اس نے اس رات وہاں جائے نماز پر ہر وہ دعا ہر وہ آیت پڑھی جو اسے آتی تھی۔

اور پھر اچانک اسے احساس ہوا کہ مظہر کو گئے ایک گھنٹہ ہو چکا ہے اور وہ ابھی تک واپس نہیں آیا۔ ''ٹھیک ہے، عاصم نے اس کو بتا دیا ہوگا۔ مگر مظہر مجھے کبھی نہیں چھوڑے گا تین سال سے میں اس کے ساتھ ہوں۔ اسے مجھ سے محبت ہے......اس کے بیٹے کی ماں ہوں میں......وہ ناراض ہوگا......چیخے گا، چلائے گا مگر مجھے چھوڑے گا نہیں......اپنا گھر کیسے تباہ کرے گا وہ؟ اپنے بیٹے اور میرے بغیر کیسے رہے گا وہ؟ اس نے چار سال میرے لیے انتظار کیا......میرے لیے سب کچھ چھوڑ دیا......ماں باپ، بہن بھائی، یہ تو نہیں ہو سکتا کہ وہ مجھے میرے ماضی کی وجہ سے چھوڑ دے......پھر تین سال میں نے اس کی اطاعت کی ہے۔ وہ میری تعریف کرتا ہے۔ اسے مجھ پر فخر ہے، پھر وہ تو نہیں چھوڑ سکتا مجھے۔ میں اس کو بتاؤں گی کہ میں کس قدر مجبور تھی میرے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ سمجھ جائے گا۔ وہ کیوں نہیں سمجھے گا آخر محبت ہے اسے مجھ سے۔'' وہ اپنے گالوں پر پھسلتے آنسوؤں کو رگڑتے ہوئے خود کو دلاسے دے رہی تھی۔

''وہ قرآن پڑھتا رہا ہے مجھے......نیکی کے بارے میں جانتا ہے اور معاف کرنا بھی تو نیکی ہوتی ہے۔ جو شخص اتنا مذہبی ہو، جتنا وہ ہے وہ بے رحم تو نہیں ہو سکتا۔ اور مظہر تو کبھی بھی نہیں۔''

گھڑی کی سوئیاں آہستہ آہستہ اپنا سفر طے کر رہی تھیں۔ اس کی زندگی بھی اپنا سفر طے کر رہی تھی، گھڑی کی سوئیاں وقت کو آگے لے جا رہی تھیں۔ اس کی زندگی اسے پیچھے لے جا رہی تھی۔ سوئیوں کو بار بار ایک ہی راستے پر سفر کرنا تھا۔ اس کی زندگی کو بھی بار بار ایک ہی راستے پر سفر طے کرنا تھا۔ زوال سے عروج، عروج سے زوال گھڑی کی سوئیاں بارہ پر پہنچ چکی تھیں، ایک......دو......تین......انھوں نے زوال کی طرف اپنا سفر شروع کر دیا۔

خدیجہ نے قرآن پاک کھول لیا۔ گھڑی کی سوئیوں کو نیچے جانے سے کوئی روک نہیں پا رہا تھا۔ اس کے زوال کو روکا جا سکتا تھا۔ صرف ایک

ذات یہ کام کرسکتی تھی اور وہ اسی کے سامنے دامن پھیلائے ہوئے بیٹھی تھی۔ اس سے اس زوال کو روکے جانے کی بھیک مانگ رہی تھی۔ مگر کیا اس کا زوال واقعی زوال تھا؟ اور کیا ہمارا زوال واقعی ہمارا زوال ہوتا ہے؟ یا پھر ہمارا زوال کسی دوسرے کا زوال ہوتا ہے؟

⁂

''تم بہت خاموش ہو؟'' مظہر نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے عاصم کی خاموشی کو محسوس کیا......

''نہیں......ایسی کوئی بات نہیں۔'' عاصم مسکرایا۔

''خدیجہ کیسی لگی تمھیں؟'' مظہر نے عاصم سے پوچھا، عاصم نے جواب دینے کے بجائے مظہر کے چہرے کو ایک نظر دیکھا۔

''پرانا نام کیا ہے اس کا؟'' جواب دینے کے بجائے اس نے سوال کیا۔

''کیتھرین براؤن......میں اس کو کیتھی کہتا تھا۔''

''اس کی فیملی کہاں ہے؟'' عاصم نے ایک اور سوال کیا۔

''خدیجہ کی......؟ اس کی کوئی فیملی نہیں ہے۔ والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ باپ پاکستانی تھا، چھوڑ کر چلا گیا اور ماں مر چکی ہے۔ تب سے اکیلی رہ رہی ہے۔'' مظہر نے کچھ حیران ہوتے ہوئے اسے بتایا۔

''کیا کرتی تھی شادی سے پہلے......؟''

مظہر اس کے سوالوں پر حیران ہو رہا تھا۔ عاصم کو اتنی لمبی چوڑی تفتیش کی عادت نہیں تھی اور اب اس کی خدیجہ کے بارے میں اس طرح گفتگو......

''کسی اسٹور میں سیلز گرل تھی۔'' عاصم اس کے جواب پر عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

''سیلز گرل؟ بس......'' اس نے الجھے ہوئے انداز میں اسے دیکھا۔ ''کیا مطلب ہے تمہارا؟ اس طرح سے بات کیوں کر رہے ہو؟''

''مظہر تمھیں کیتھی سے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی۔'' مظہر کو اس کا تبصرہ برا لگا۔

''کیتھی نہیں خدیجہ......اور مجھے اس سے شادی کیوں نہیں کرنی چاہیے تھی؟'' اس نے تصحیح کرتے ہوئے عاصم سے پوچھا۔

''خدیجہ نہیں کیتھی۔ وہ جس قسم کی عورت ہے ویسی عورتیں صرف کلمہ پڑھنے سے مسلمان نہیں ہوتیں۔'' عاصم نے خاصے تلخ لہجے میں کہا۔

''مائنڈ یور لینگویج عاصم! تم میری بیوی کے بارے میں بات کر رہے ہو اور میں اس کے بارے میں کوئی بے ہودہ تبصرہ نہیں سنوں گا...... اگر میں نے اپنے ماں باپ کو اس کے بارے میں کوئی بات کرنے نہیں دی تو تمھیں بھی نہیں کرنے دوں گا۔''

''جس عورت کو تم اپنی زندگی کا حصہ بنائے پھر رہے ہو، اس کے بارے میں کوئی کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

مظہر نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''تم خدیجہ کو جانتے ہو؟''

''گاڑی کو پہلے کہیں روک دو۔ اس کے بعد بات کرتے ہیں؟''

''تم ایسے ہی بات کرو۔''

''نہیں! تم پہلے گاڑی کو روکو۔'' عاصم اپنی بات پر مصر تھا۔

مظہر نے اس بار کچھ کہے بغیر خاموشی سے ایک جگہ تلاش کر کے گاڑی روک دی، عاصم نے اس کے چہرے پر تناؤ کی کیفیت محسوس کی۔

''دیکھو، اگر تم مجھے خدیجہ کے شادی سے پہلے کے کسی افیئر کے بارے میں بتانا چاہ رہے ہو تو مت بتانا...... میں نے اسے اس کی ساری خامیوں کے ساتھ قبول کیا ہے۔ وہ جس معاشرے سے تعلق رکھتی ہے وہاں بہت ساری چیزیں زندگی کا حصہ ہوتی ہیں یا بن جاتی ہیں۔ ہمارے اور یہاں کے کلچر اور روایات میں بہت فرق ہے۔ بلکہ اخلاقیات میں بھی۔ اور اس سے شادی سے پہلے بھی میں اس فرق سے واقف تھا، بہت غور کیا تھا میں نے اس پر اور یہ سوچ کر اس سے شادی کی تھی کہ اس سے بہت ساری ایسی غلطیاں ہو چکی ہوں گی جو شاید میرے اپنے معاشرے اور مذہب کی کسی لڑکی سے ہوں تو...... لیکن اس کے ساتھ میں نے اپنی زندگی شادی سے شروع کی ہے اور مجھے غرض ہے اس زندگی سے جو وہ شادی کے بعد میرے ساتھ گزار رہی ہے اور میں اس حوالے سے مطمئن ہوں...... وہ ایک اچھی بیوی ہے...... اچھی ماں ہے اور اچھی مسلمان بھی بننے کی کوشش کر رہی ہے۔''

گاڑی روکتے ہی عاصم کے کچھ کہنے سے پہلے مظہر نے کہنا شروع کر دیا تھا۔

''خود خدیجہ نے بھی شادی سے پہلے اپنی پارسائی کے کوئی دعوے نہیں کیے۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ اس کے کچھ بوائے فرینڈ رہے ہیں، وہ ڈرنک بھی کرتی رہی ہے۔ مگر ٹھیک ہے مجھے اس سب کی توقع تھی کیونکہ یہاں کی عورت کے لیے یہ سب کچھ برا نہیں سمجھا جاتا۔''

''بس کیتھی نے تمہیں یہی سب بتایا ہے یا کچھ اور بھی بتایا ہے؟'' عاصم نے بے تاثر آواز میں کہا۔

''کچھ اور......؟ کیا اس کے بارے میں ''کچھ اور'' بھی ہے؟'' مظہر نے کچھ طنزیہ انداز میں کہا۔

''میرا خیال ہے، نہیں ہے۔''

''تمہارا خیال غلط ہے۔ میری بات بہت تحمل سے سننا...... جس عورت کو تم کیتھرین براؤن کے نام سے جانتے ہو۔ میں اسے Dusky Damsel کے نام سے جانتا ہوں۔'' عاصم نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔ مظہر ایک لمحے کے لیے ساکت ہوا پھر یک دم مشتعل ہو گیا۔

''تم اسے کسی بھی نام سے جانتے ہو، میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ مجھے اس کے پچھلے بوائے فرینڈز کے بارے میں جاننے میں کوئی دلچسپی نہیں۔'' عاصم نے اس کی بات کاٹ دی۔

''بوائے فرینڈ میں اور گاہک میں فرق ہوتا ہے۔'' مظہر کو لگا اس کے خون کی گردش رک گئی تھی۔ گاڑی کے اندر اسے یک دم سردی لگنے لگی۔ پلکیں جھپکائے بغیر وہ عاصم کا چہرہ دیکھتا رہا۔

''شاید میں نے کچھ غلط سنا ہے یا پھر عاصم کی بات سمجھنے میں غلطی کی ہے۔'' اس نے دل ہی دل میں خود کو تسلی دینے کی کوشش کی۔

''وہ ایک کال گرل ہے۔'' عاصم نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''تم بکواس کر رہے ہو۔'' اس نے بے اختیار کہا۔ اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے عاصم نے اپنی جیب سے اپنا والٹ نکالا

اور اس میں سے کچھ تلاش کرنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے پاکٹ ڈائری نکالی اور ایک نمبر تلاش کر کے بلند آواز میں اسے پڑھنے لگا۔ مظہر کو اپنے پورے وجود پر چیونٹیاں رینگتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

''یہ لیسٹر میں کیتھی کے فلیٹ کا فون نمبر ہے۔'' مظہر نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں کو اسٹیئرنگ پر جما دیا۔ وہ کیسے جانتا تھا کہ وہ لیسٹر میں رہتی رہی ہے؟

''تین سال پہلے ایک دوست نے مجھے اس کا فون نمبر دیا تھا۔ تب ایک رات میں نے بھی اس کے ساتھ گزاری تھی۔'' عاصم اب مدھم آواز میں اس کے فلیٹ کا ایڈریس دہرا رہا تھا۔ گاڑی کے باہر پھیلی ہوئی تاریکی مظہر کو اپنے اندر اترتی محسوس ہوئی۔

''یونیورسٹی کے ہاسٹل میں رہنے والے میرے اکثر دوست اس کے مستقل کسٹمرز میں سے تھے۔ میں بھی ایسے ہی ایک دوست کے توسط سے اس تک پہنچا۔'' مظہر کو اب سانس لینے میں وقت ہو رہی تھی۔ ''میں نہیں جانتا تھا کہ اس کا نام کیتھرین ہے یا نہیں شاید جس رشتے سے میں اس تک پہنچا تھا وہاں نام کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔

ہم اسے Dusky Damsel کے نام سے جانتے تھے، تمہارے گھر اس کو پہلی نظر میں دیکھتے ہی میں پہچان گیا اور میرا خیال ہے وہ بھی مجھے پہچان گئی، وہاں ہم دونوں کی خاموشی کی وجہ یہی تھی۔''

مظہر کو اپنی ٹانگیں مفلوج لگیں۔

''تمہارے گھر میں تمہاری بیوی کے روپ میں اسے دیکھ کر میں شاکڈ رہ گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا میں کس ردعمل کا اظہار کروں۔ میں اندازہ نہیں کر سکا کہ تم نے جانتے بوجھتے ایک کال گرل سے شادی کی ہے یا پھر تم اس بات سے بے خبر تھے۔ یہاں گاڑی میں تم سے بات کرتے ہوئے مجھے اندازہ ہوا کہ تم کیتھی کے ماضی کے بارے میں بے خبر تھے۔'' مظہر نے عاصم کے چہرے سے نظریں ہٹا لیں، ونڈ اسکرین پر گرتی ہوئی برف ہر چیز کو اس کی نظر سے اوجھل کر رہی تھی۔

''مشرق ہو یا مغرب، کوئی بھی مرد کسی کال گرل کو بیوی کبھی نہیں بناتا، آنکھوں دیکھی مکھی کون نگل سکتا ہے۔ میں نہیں جانتا، تمہارے ساتھ وہ کتنی پارسائی کی زندگی گزار رہی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ گزار رہی ہو۔ مگر کب تک، دو سال، پانچ سال، دس سال، مغربی عورت تو ویسے ہی گھر نہیں بساتی۔ پھر ایسی عورت جو کال گرل بھی رہی ہو تو...... کتنی چوکیداری کرو گے اس کی؟ کس کس سے ملنے سے روکو گے؟ جو عورت تمہیں اپنی زندگی کی اتنی بڑی حقیقت سے بے خبر رکھ سکتی ہے وہ اور کیا تم سے چھپائے گی؟ تم اندازہ لگا سکتے ہو؟ ایسی عورت تمہاری نسل کو آگے بڑھائے گی جو......''

عاصم بات کرتے کرتے خاموش ہو گیا بعض دفعہ نہ کہی جانے والی بات زیادہ تلخ ہوتی ہے۔ مظہر نے اس کڑواہٹ کو محسوس کر لیا۔

''بیٹوں کی بات اور ہوتی ہے۔'' عاصم کچھ دیر بعد دوبارہ بولنے لگا۔

''مگر کل کو اگر اس عورت سے تمہاری کوئی بیٹی ہوئی تو کیا کرو گے؟ کال گرل کے طور پر اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ گزارنے والی عورت تمہاری بیٹی کو کیا سکھائے گی۔ نسلوں کا تعین اگر خون سے ہوتا ہے تو اس عورت کا خون تمہاری نسل کو خراب کر دے گا۔ ابھی صرف ایک بیٹا ہے تمہارا اور

وہ بھی بہت چھوٹا ہے۔ ابھی اس سے الگ ہو جاؤ گے تو سب کچھ بچ جائے گا۔ ابھی وقت اور حالات تمہاری مٹھی میں ہیں۔ کچھ وقت اور گزر گیا تو تم کہیں بھی پیر جمانے کے لیے زمین نہیں پاؤ گے۔

وہ اس کے کانوں میں صور پھونک رہا تھا۔ ونڈ اسکرین اب برف سے بالکل ڈھک چکی تھی۔ برف نے باہر نظر آنے والی دنیا کو چھپا دیا تھا...... مظہر کو اب دنیا دیکھنے کی خواہش بھی نہیں رہی تھی۔ عاصم نے اسٹیرنگ پر دھرے اس کے بائیں ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ ''تم ٹھیک تو ہو؟''

مظہر نے خالی نظروں سے اسے دیکھا۔

''میری باتوں پر غور کرنا مظہر! میں کسی فیصلے کے لیے تمھیں مجبور نہیں کر رہا ہوں، ہر فیصلہ تمھیں خود ہی کرنا ہے۔ دوست ہونے کے ناتے میں تمھیں دھوکے میں نہیں رکھ سکتا تھا۔ آج نہیں تو کل کبھی نہ کبھی تم کیتھی کے بارے میں سب کچھ جان جاتے اور...... اس وقت تمھیں یہ شکایت ہوتی کہ میں نے تمھیں بے خبر کیوں رکھا۔ تمھیں اس وقت حقیقت سے آگاہ کیوں نہیں کیا جب تم اس سب کچھ سے نکل سکتے تھے۔''

اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے مظہر نے گاڑی اسٹارٹ کر دی، عاصم نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے ہٹا لیا۔ وہ مظہر کی دلی اور ذہنی کیفیت کا اندازہ لگا سکتا تھا۔

عاصم کے کزن کا گھر آنے تک گاڑی میں مکمل خاموشی رہی۔ گفتگو کے لیے موضوع نہیں رہا تھا، یا پھر وقت...... یا پھر لفظ...... ان دونوں میں سے کوئی بھی اس کا اندازہ لگانے سے قاصر تھا۔

عاصم کے کزن کے گھر کے سامنے گاڑی روکنے پر بھی عاصم کچھ دیر گاڑی سے نیچے نہیں اترا بلکہ مظہر کو دیکھنے لگا۔ ''میرے اس انکشاف سے اگر تمھیں......''

اس نے مظہر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کچھ کہنے کی کوشش کی۔ مگر مظہر نے بڑی نرمی کے ساتھ اپنے کندھے سے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔

''اب اور کچھ نہیں، کوئی بھی بات مت کرو...... کچھ بھی مت بولو...... مجھے سب کچھ خود سمجھنے دو...... اب تم جاؤ۔''

اس سے نظریں ملائے بغیر مدھم آواز میں اس نے عاصم سے کہا۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔

مظہر نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ زندگی میں کبھی کوئی سڑک اسے اتنی طویل اور سیاہ نہیں لگی تھی جتنی اس رات اپنے سامنے موجود سڑک لگ رہی تھی اس نے پچھلے تین سالوں کو اپنی نظروں کے سامنے بھربھری ریت کی طرح بکھرتے دیکھا۔ وہ کون تھی خدیجہ نور...... کیتھرین براؤن...... یا پھر Dusky Damsel۔

کیا وہ اتنا بے وقوف تھا کہ ایک کال گرل کو پہچان نہیں سکا۔ یا پھر اتنا بدقسمت تھا کہ اسے بیوی کے روپ......

بہت آگے جا کر اس نے گاڑی روک لی۔ سگریٹ لائٹر نکال کر اس نے سگریٹ لگایا، لمبے لمبے کش لیتے ہوئے اس نے سڑک پر آتی جاتی اکا دکا گاڑیوں پر نظر جما دی۔

''میرا نام، میرا نام کیتھرین براؤن ہے، تم مجھے کیتھی کہہ سکتے ہو۔''

شاک، غصہ، غم، بے یقینی، اس نے اپنے احساسات کو پہچاننے کی کوشش کی۔

''میں نے اس عورت کو کیا دیا اور اس عورت نے میری آنکھوں میں دھول جھونک دی۔'' وہ آہستہ آہستہ اس شاک سے باہر آنے لگا۔

تین سال میں ایک بار بھی اس عورت میں اتنی جرأت نہیں ہوئی کہ یہ مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیتی۔''

اسے یاد نہیں اس رات وہاں گاڑی میں بیٹھے بیٹھے اس نے کتنے سگریٹ پیے تھے، وہ چین اسموکر نہیں تھا مگر اس رات وہ ایک کے بعد ایک سگریٹ سلگاتا گیا پھر ایک وقت وہ آیا جب اس کے پاس موجود سارے سگریٹ ختم ہو گئے، سڑک پر ٹریفک ختم ہو چکی تھی۔ کھڑکیوں کے شیشے دھندلے تھے۔ ونڈ اسکرین برف سے ڈھک چکی تھی۔ گاڑی دھوئیں سے بھری ہوئی تھی۔ اس نے گھڑی دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ بعض دفعہ زندگی میں آنے والی ہر چیز دھندلا جاتی ہے اور انسان کو یوں لگتا ہے جیسے وہ کسی برمودا ٹرائی اینگل میں آ گیا ہے، جہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔

انیسواں باب

ہوا کے جھونکوں میں شدت آتی جا رہی تھی۔ پھوار کے قطروں میں تیزی آ گئی۔ اس کا لباس بھیگ کر اس کے جسم سے چپک گیا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ بارش میں کھڑے ہونا اب مشکل ہو رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے کی مسحور کن خاموشی ختم ہو چکی تھی۔ ماربل کے فرش پر موسلا دھار بارش عجیب سا شور پیدا کر رہی تھی۔ مٹی کے کچے فرش پر شاید ایسا شور پیدا نہ کرتی۔ اس نے پہلی بار سوچا، ہوا کے تیز جھونکوں کی شدت اسے چبھنے لگی۔ آسمان اب بھی پہلے کی طرح صاف تھا مگر اب آسمان کی طرف دیکھنا اس کے لیے مشکل ہو گیا تھا۔ اس نے واپس سیڑھیوں کی طرف جانے کے لیے پیر اٹھایا اور دوبارہ فرش پر قدم رکھنا اس کے لیے مشکل ہو گیا۔ موسلا دھار برستی بارش نے چکنے فرش کی پھسلن کو اور بڑھا دیا اور اس قدر چکنے فرش پر چلنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ دوسرا پیر نہیں اٹھا سکی۔ وہ اپنی جگہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ اور ایک ننھے بچے کی طرح ہاتھوں کے پنجوں اور گھٹنوں کے بل آہستہ آہستہ محتاط طریقے سے واپس جانے کی کوشش کی۔ فضا میں ہوا اور بارش نے عجیب سا شور برپا کیا ہوا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اس جگہ پہنچ گئی جہاں سیڑھیاں تھیں۔ بہت محتاط طریقے سے وہ پھسلنے سے خود کو بچاتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔ نیچے جانے کے لیے پہلی سیڑھی پر قدم رکھنے کے لیے اس نے نیچے جھانکا، اور وہ ہل نہیں سکی۔ خوف کی ایک لہر نے اس کے وجود کو اپنے حصار میں لے لیا۔

.........❀.........

وہ ہمیشہ کی طرح ماما جان کے کمرے میں مریم کے بستر پر لیٹا ہوا تھا، ماما جان تھوڑی دیر پہلے نہا کر آئی تھیں اور اس وقت وہ اپنے بستر پر بیٹھی اپنے بالوں میں کنگھی کر رہی تھیں۔ ذالعیدان کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ اس نے پہلی بار ماما جان کو چادر کے بغیر دیکھا اور اسے احساس ہوا کہ وہ بے حد خوبصورت ہیں۔ ان کے سنہری بال جنھیں وہ کچھ دیر پہلے باہر صحن میں تولیے سے خشک کر کے آئی تھیں۔ اب ان کے کندھوں اور پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ بات کرتے کرتے رک کر انھیں دیکھنے لگا۔

''ماما جان! آپ بہت خوبصورت ہیں۔'' چند لمحوں کے بعد مدھم آواز میں اس نے ان سے کہا۔

''اچھا......'' وہ بے اختیار ہنسیں۔

''انگریز عورتیں اتنی خوبصورت تو نہیں ہوتیں۔'' وہ ایک بار پھر ہنسیں۔

''کتنی انگریز عورتوں کو جانتے ہو تم؟''

وہ مسکرا دیا۔ ''میرا دل چاہ رہا ہے میں آپ کو Paint کروں آپ کو پتا ہے آپ کی آنکھیں اور بال کتنے خوبصورت ہیں۔''

ذالعید کو آج انھیں دیکھتے ہوئے بہت عجیب سا احساس ہوا۔ ماما جان بھی اب یک ٹک اسے دیکھ رہی تھیں۔

''بہت عرصے بعد آج کسی نے تعریف کی ہے میری۔'' ان کے چہرے پر بہت عجیب سے تاثرات تھے وہ انھیں دیکھتے ہوئے جیسے ایک ٹرانس میں آ گیا۔ ''میں تم سے ایک فرمائش کرنا چاہتی ہوں، ذالعید، اگر تم مان سکو تو......''

ذالعید کا دل چاہا وہ ان سے کہہ دے کہ وہ اس سے کچھ بھی مانگ سکتی ہیں۔ وہ اب اپنے بال سمیٹ رہی تھیں۔ وہ ایک بار پھر ان کی آنکھیں دیکھ رہا تھا اسے ان کی آنکھیں دیکھ کر پہلی بار ایک عجیب سا احساس ہوا، وہ ان سے ایک بات کہنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا وہ کیا سوچیں گی؟ وہ کس ردعمل کا اظہار کریں گی مگر خود کو روک نہیں پایا۔ اس نے انھیں چند لمحوں کے لیے بالکل ساکت پایا۔ پھر اس نے ان کے چہرے پر عجیب سی چمک دیکھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے پاس آ گئیں۔ اس کے پاس بستر پر بیٹھ کر انھوں نے جھک کر اس کی دونوں آنکھوں کو چوم لیا۔ وہ شاکڈ رہ گیا۔

❀

مریم نے اپنے جسم کے گرد ساڑھی لپیٹتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں ذالعید کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔ وہ جس خاموشی کے ساتھ اندر آیا تھا، اسی خاموشی کے ساتھ بیڈ پر لیٹ گیا۔ اس نے مریم کو نظر انداز کیا تھا یا دیکھا ہی نہیں تھا۔ مریم جان نہیں سکی۔

بالوں میں برش کرتے ہوئے اس نے مڑ کر ذالعید کو دیکھا۔ وہ جوتوں سمیت بیڈ پر سیدھا لیٹا ہوا تھا۔ اس نے اپنا دایاں بازو اپنی آنکھوں پر رکھا ہوا تھا۔

''ذالعید۔'' مریم نے اسے مخاطب کیا، وہ کچھ نہیں بولا۔ نہ ہی اس نے اپنے چہرے سے بازو ہٹایا۔

''ذالعید!'' مریم نے وہیں کھڑے کھڑے اسے دوبارہ اپنی موجودگی کا احساس دلانے کی کوشش کی۔ اس کے جسم میں اب بھی کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔

مریم کچھ پریشان ہو کر اس کی طرف آئی۔ اس کے پاس بیڈ پر بیٹھ کر اس نے ذالعید کے چہرے سے بازو ہٹانے کی کوشش کی۔ ذالعید نے بازو نہیں ہٹایا۔

''تم ٹھیک ہو؟'' مریم نے پوچھا۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں۔'' اس کی آواز ستی ہوئی تھی۔

''بازو تو ہٹاؤ۔'' مریم نے زبردستی اس کا بازو ہٹا دیا اور وہ چونک گئی۔ ذالعید کی آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئی تھیں۔ یوں جیسے وہ بہت دیر تک روتا رہا ہو۔

''ذالعید! کیا ہوا تمھیں؟'' مریم نے کچھ پریشان ہو کر پوچھا۔

''کچھ نہیں...... میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' ایک گہری سانس لے کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

''تم روتے رہے ہو؟''

''کم آن، میں کیوں روؤں گا۔'' وہ اسی طرح آنکھیں بند کیے بولا۔

''پھر تمہاری آنکھیں کیوں سرخ ہیں۔ سوجی ہوئی ہیں۔ کیا بات ہے ذالعید؟ فیکٹری میں تو سب کچھ ٹھیک ہے۔''

ذالعید نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے چہرے پر اب ناراضگی تھی۔ ''کچھ نہیں ہوا میں ٹھیک ہوں۔ شاید کچھ فلو ہو رہا ہے اور بس۔ تم خوامخواہ......''

اس نے بات ادھوری چھوڑ کر ایک بار پھر آنکھیں بند کر لیں۔

مریم نے اطمینان کا سانس لیا۔

''تو تم ڈاکٹر کے پاس چلے جاتے۔'' اس نے فوراً کہا۔

''گیا تھا۔'' بہت مختصر جواب آیا۔

''کھانا لگوا دوں؟''

''مجھے بھوک نہیں۔''

''تھوڑا سا تو کھا لو۔''

''میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔''

''کھانا کھا کر سو جانا۔''

ذالعید نے آنکھیں کھول دیں۔ ''تم کہیں جا رہی تھیں؟''

''ہاں وہ مسز یزدانی نے ڈنر دیا ہے آج اور......''

ذالعید نے اس کی بات کاٹ دی ''تو پھر جاؤ، تمہیں دیر ہو رہی ہو گی۔''

''ہاں دیر تو ہو رہی ہے مگر تم کھانا کھا لیتے تو اچھا تھا۔''

ذالعید نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر لیں۔

''میں کچھ دیر آرام کرنے کے بعد کھا لوں گا۔ تم فکر مت کرو۔''

''یہ ڈنر بہت امپورٹنٹ ہے ورنہ میں کبھی بھی تمہیں چھوڑ کر نہ جاتی۔ میں کوشش کروں گی جلدی آنے کی۔'' مریم نے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں جانتا ہوں۔'' وہ اسی طرح آنکھیں بند کیے ہوئے بولا۔ وہ چند لمحے اسی طرح اس کے پاس بیٹھی رہی۔ پھر اس نے اس کے سینے پر رکھا ہوا اپنا ہاتھ اٹھایا اور اسی لمحے ذالعید کے سویٹر پر چپکے ہوئے کچھ بال اس کی نظر میں آ گئے۔ چند لمحوں کے لیے وہ ساکت ہو گئی۔ ذالعید آنکھیں بند کیے ہوئے تھا۔ مریم نے اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے غیر محسوس انداز میں اپنے ہاتھ سے وہ بال اٹھا لیے۔ اس کی ہتھیلی پر، وہ چند لمبے سونے جیسے بال ٹیبل لیمپ کی روشنی میں اس کا منہ چڑانے لگے۔

اسے لگا وہ آسمان سے زمین پر آ گری ہے۔

❀

اس رات مسز یزدانی کے ہاں ڈنر میں بار بار اس کا ذہن ان بالوں میں الجھتا رہا۔ وہ اس کی طبیعت کی خرابی بھی بھول گئی تھی اور اس کی سوجی ہوئی آنکھیں بھی۔ وہ اگر کسی چیز کے بارے میں سوچ رہی تھی تو ان سونے جیسے بالوں کے بارے میں۔

اسے ذالعید کے بارے میں کبھی کوئی شک نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ شادی سے پہلے اس کی کچھ گرل فرینڈز تھیں مگر ان سے ذالعید کے تعلقات ایسے نہیں تھے جو اسے پریشان کر دیتے۔ ذالعید کی ضرورت سے کچھ زیادہ دلچسپی صوفیہ میں تھی مگر وہ شادی سے پہلے کی بات تھی اور صوفیہ اب انگیجڈ تھی۔

ذالعید طبیعتاً سنجیدہ اور ریزرو تھا اور ابھی ان کی شادی کو اتنا عرصہ نہیں ہوا تھا کہ وہ ذالعید سے ایسی کسی حماقت کی توقع کرتی۔ وہ خود شادی کے بعد اتنا مصروف ہو گئی تھی کہ ذالعید کی روٹین لائف کے بارے میں بھی بے خبر رہنے لگی تھی۔

صبح جس وقت وہ آفس جاتا وہ اس وقت سو رہی ہوتی۔ دوپہر کو وہ لنچ باہر ہی کیا کرتا اور رات کو جس وقت وہ گھر آتا وہ گھر پر موجود نہ ہوتی یا اکثر اس وقت باہر نکل رہی ہوتی اور جب رات گئے وہ واپس آتی تو وہ سو چکا ہوتا یا کبھی کبھار اپنے کسی نہ کسی دوست کے ہاں چلا جاتا مگر اس نے کبھی بھی اسے بے خبر نہیں رکھا تھا وہ جس دوست کے بھی پاس جاتا اسے مطلع ضرور کر دیتا۔

اور اب اچانک وہ بال...... ''ہو سکتا ہے میرا وہم ہو۔ ذالعید ایسا نہیں ہے۔'' وہ بار بار اپنے ذہن سے ان خیالات کو جھٹکتی رہی۔ کسی حد تک وہ اس کوشش میں کامیاب بھی ہو گئی۔ ڈنر کے بعد محفل موسیقی کا اہتمام کیا گیا تھا۔

رات کے ایک بجے جس وقت وہ واپس آئی اس وقت ذالعید لان میں بیٹھا ہوا تھا۔ سردی بہت بڑھ چکی تھی اور رات کے اس وقت اس سردی میں اسے وہاں بیٹھے دیکھ کر مریم کو ایک بار پھر تشویش ہونے لگی۔ وہ گاڑی سے اترتے ہی سیدھا اس کی طرف چلی گئی۔ وہ اسے آتا دیکھ چکا تھا لیکن اس نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اسی طرح لان چیئر میں نیم دراز سگریٹ پیتا رہا۔ مریم اس کے اور قریب آئی تو اس نے اس کے اردگرد گھاس پر سگریٹ کے بہت سے ٹکڑے دیکھ لیے تھے۔ وہ پتا نہیں کب سے وہاں بیٹھا اسموکنگ کر رہا تھا۔

''ذالعید! تم اس وقت اتنی سردی میں یہاں کیا کر رہے ہو؟'' اس نے اس کے سوال کا جواب ایک بار پھر اسی گہری خاموشی سے دیا۔

''تم اندر جاؤ، میں آ جاؤں گا۔'' اس کے لہجے میں بھی ایک عجیب سی خنکی تھی۔ مریم اسے تشویش سے دیکھتی رہی۔

''میں نے کہا ہے نا، میں آ جاؤں گا۔ جاؤ یہاں سے تم۔'' وہ یک دم بلند آواز میں چلایا۔

مریم کو یقین نہیں آیا کہ وہ اس پر چلا رہا تھا۔ اس نے آج تک ذالعید کو چلاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اسے غصہ آتا تو وہ خاموش ہو جاتا اور اس کی اس خاموشی کا عرصہ بھی بہت طویل نہیں ہوتا تھا اور اب وہ اس پر چلا رہا تھا۔ مریم کو ایک بار پھر وہ سونے کی رنگت والے بال یاد آنے لگے۔ کچھ کہنے کے بجائے وہ خاموشی سے اندر چلی گئی۔

کپڑے تبدیل کرنے کے بعد اس نے ایک بار پھر کھڑکی سے جھانک کر لان میں دیکھا۔ وہ اب بھی اسی طرح بیٹھا سامنے پڑی میز پر

ٹانگیں رکھے سگریٹ پی رہا تھا۔ مریم نے لائٹ آف کر دی۔ بیڈ پر لیٹتے ہوئے اپنی شادی شدہ زندگی کے ایک سال میں پہلی بار وہ عجیب سے خوف اور وہم کا شکار ہو رہی تھی۔

وہ رات کے کس پہر اندر آیا۔ اسے علم نہیں۔ وہ جب صبح بیدار ہوئی تو وہ بیڈ پر سو رہا تھا۔ مریم نے اسے جگانے کی کوشش نہیں کی۔ چھٹی کا دن تھا اور وہ جانتی تھی، آج وہ دیر تک سوتا رہے گا۔

ناشتے کی میز پر بھی وہ رات کے واقعات کے بارے میں سوچ کر پریشان ہوتی رہی۔ مگر اس کی یہ تمام پریشانی اس وقت غائب ہو گئی جب ذالعید نے جاگتے ہی اپنے رات کے رویے کے بارے میں اس سے معذرت کی۔ مریم نے بڑی خوش دلی کے ساتھ اسے معاف کر دیا۔

اگلے چند ہفتے مریم بڑے محتاط طریقے سے اس کے معمولات دیکھتی رہی مگر اس کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ اسی روٹین لائف کو جاری رکھے ہوئے تھا۔ مگر وہ اب بہت خاموش ہو گیا تھا۔ ایک دو بار مریم کی اس کے کچھ بہت اچھے دوستوں سے فون پر بات ہوئی اور اسے پتا چلا کہ وہ اب ان سے بھی نہیں مل رہا۔

''شادی کے بعد وہ بہت بدل گیا ہے، خاص طور پر پچھلے کچھ ہفتوں میں...... بہت خاموش اور سنجیدہ ہو گیا ہے پہلے کی طرح ملتا جلتا بھی نہیں۔'' اس کے ایک دوست نے مریم سے شکایت کی۔ مریم خاموشی سے اس کی گفتگو سنتی رہی۔

ذالعید کی خاموشی یا سنجیدگی اس کے لیے پریشان کن نہیں تھی نہ ہی اس سے ان کی زندگی میں کوئی تبدیلی آ سکتی تھی، اس لیے مریم مطمئن ہو گئی۔

* * *

''میں ماما جان کو یہاں لانا چاہتا ہوں۔'' مریم اپنے چہرے کی کلینزنگ کرتے کرتے رک گئی۔

''کیا؟''

''میں ماما جان کو یہاں لانا چاہتا ہوں۔'' ذالعید نے بیڈ پر لیٹتے ہوئے کہا۔ مریم نے ڈریسنگ ٹیبل کے اسٹول پر بیٹھے بیٹھے اپنا رخ ذالعید کی طرف کر لیا۔

''کیوں؟'' وہ واقعی حیران تھی۔

''وہ وہاں اکیلی ہوتی ہیں۔''

''وہ ہمیشہ سے اکیلی رہتی آ رہی ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔''

''پہلے تم ان کے پاس ہوتی تھیں۔''

''مگر ایک سال سے وہ اکیلی رہ رہی ہیں اور انہیں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' وہ واقعی الجھ رہی تھی۔

''میں تمہارے آرام کے لیے کہہ رہا ہوں، وہ یہاں آ جائیں گی تو تم اچھا محسوس کرو گی۔''

''نہیں۔ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ میں سب کچھ خود کر سکتی ہوں۔''

''تم ضد کیوں کر رہی ہو مریم؟'' ذالعید نے الجھتے ہوئے کہا۔

''بات ضد کی نہیں ہے...... میں نہیں چاہتی کہ وہ یہاں آئیں اور سب لوگ یہ کہیں کہ بیٹی کے ساتھ ماں بھی داماد کے گھر آ گئی ہے۔''

''سب لوگوں سے کیا مراد ہے تمہاری؟''

''تمہارے گھر والے۔''

''میرے گھر والے کچھ نہیں کہیں گے اور اگر کہیں گے بھی تو مجھے ان کی پروا نہیں ہے۔''

''مگر مجھے پروا ہے، ویسے بھی ماما جان یہاں رہنا کبھی پسند نہیں کریں گی۔'' مریم نے بات کرتے کرتے اچانک ساری ذمہ داری ماما جان کے کندھوں پر منتقل کر دی۔

''ان سے میں بات کر لوں گا۔ تم ان کی فکر نہ کرو۔'' ذالعید کچھ مطمئن نظر آنے لگا۔

''نہیں ذالعید! یہ مناسب نہیں ہے۔''

''اس میں کیا چیز نامناسب ہے، میں اپنی مرضی سے انھیں یہاں رکھنا چاہتا ہوں۔'' اس بار اس نے قدرے ترش انداز میں کہا۔

''تم کیوں اس چیز پر اتنا اصرار کر رہے ہو جو مجھے ناپسند ہے۔'' مریم نے بلند آواز میں کہا۔

''میں تم سے بحث کرنا نہیں چاہتا، میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ ماما جان یہاں آ جائیں۔''

''لیکن میں یہ نہیں چاہتی اور نہ ہی یہ ہونے دوں گی۔ وہ چند دنوں کے لیے رہنا چاہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن مستقل طور پر ان کو یہاں رہنے کی اجازت میں نہیں دوں گی۔'' مریم نے قطعی لہجے میں کہا۔

''اجازت؟ تم سے اجازت کون مانگ رہا ہے؟'' وہ اس بار اس کی بات پر بری طرح بھڑکا۔ ''یہ میرا گھر ہے میں جسے چاہوں یہاں لا کر رکھ سکتا ہوں۔ مجھے ایسا کرنے کے لیے تمہاری اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ ذالعید کے لب و لہجے پر حیران رہ گئی۔ وہ اتنی بلند آواز میں بات نہیں کرتا تھا اور اب وہ ماما جان کے لیے اس طرح چلا رہا تھا۔ مریم کو بے تحاشا غصہ آیا۔

کیا اس شخص کو مجھ سے زیادہ میری ماں کی پروا ہے۔ اسے میری پسند ناپسند کی پروا نہیں ہے۔ اسے اپنے ہونے والے بچے کی فکر بھی نہیں ہے، اسے خیال ہے تو صرف ماما جان کا...... کیوں؟

''یہ صرف تمہارا گھر نہیں ہے، میرا بھی گھر ہے اور میں جانتی ہوں کہ یہاں کس کو آنا چاہیے اور کس کو نہیں۔ ماما جان پچھلے اکیس سال سے اس گھر میں رہ رہی ہیں اور اب تمھیں یک دم انھیں یہاں لانے کا بھوت سوار ہو گیا ہے۔ کیوں؟ آخر تمہارا ان کے ساتھ رشتہ کیا ہے؟ کیا مجھ سے زیادہ سگے ہو تم ان کے...... بیوی کی ماں کے لیے تم بیوی پر چلاؤ گے۔ کون کہہ رہا ہے تمھیں اتنی انسانی ہمدردی دکھانے کے لیے۔'' وہ تلخ لہجے میں بے اختیار کہتی چلی گئی۔

ذالعید نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر کمرے سے چلا گیا۔

❀

اگلے چند دن ان دونوں کے درمیان بول چال بند رہی اور مریم کی جھنجھلاہٹ بڑھتی رہی۔ وہ توقع نہیں کر سکتی تھی کہ ذالعید اس طرح کی بات پر اس سے ناراض ہو جائے گا۔

اس گھر میں نہ ہونے کے باوجود ذالعید پر ان کا اتنا اثر ہو گیا ہے اور انھیں اس گھر میں لا کر تو وہ بالکل ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ''میں اتنی احمق تو نہیں ہوں کہ اپنی ساری کشتیاں اپنے ہاتھ سے جلا دوں۔ میں ماما جان کی فلاسفی پر چلنے والے کسی شخص کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی۔ وہ پہلے ہی میری زندگی میں بہت زیادہ دخل اندازی کر رہی ہیں۔ اب انھیں چوبیس گھنٹے کے لیے لا کر میں سر پر تو نہیں بٹھا سکتی اور انھیں خود احساس ہونا چاہیے، کیا بیٹی کے گھر آ کر رہ لیں گی وہ......؟ اور ذالعید یہ کس طرح کا آدمی ہے......؟ کس طرح کی بوڑھی روح اس کے اندر سما گئی ہے......؟ ماما جان، ماما جان...... آخر کیا جادو کر دیا ہے ماما جان نے اس پر......؟ ایسے کون سے تعویذ گھول کر پلا دیے ہیں کہ اسے ان کے علاوہ کوئی نظر ہی نہیں آ رہا؟ ان کی بات ذالعید کے لیے پتھر پر لکیر کیوں ہو جاتی ہے۔ پچھلے ایک سال میں ایک بار بھی یہ شخص مجھ سے ناراض نہیں ہوا اور اب اگر ناراض ہوا ہے تو وہ بھی ماما جان کی وجہ سے...... کیا ماما جان اس کے لیے مجھ سے زیادہ اہمیت اختیار کر گئی ہیں...... آخر کیوں؟ ایسا کیا ہے ان میں......؟''

وہ جتنا سوچتی رہی، اتنا ہی الجھتی گئی اور اس کا یہ اضطراب اور الجھن ہی اسے ماما جان کے پاس لے گئی تھی۔

''ذالعید ضد کر رہا ہے کہ میں آپ کو اپنے گھر لے آؤں مگر آپ خود سوچیں ماما جان! میں یہ کیسے کر سکتی ہوں۔ ٹھیک ہے سسرال والوں کے ساتھ نہیں رہتی مگر پھر بھی انھیں میرے گھر میں ہونے والے ہر معاملے کے بارے میں پتا چلتا رہتا ہے۔ آخر ایک ہی سڑک پر تو گھر ہے میرا اور ان کا۔ وہ کیا کہیں گے کہ میں اپنی ماں کو اپنے گھر لے آئی ہوں، وہ تنقید کریں گے مجھ پر۔ پہلے ہی شادی کی وجہ سے وہ خفا ہیں، اب ان کی ناراضگی مزید بڑھ جائے گی۔ آپ تو اندازہ لگا سکتی ہیں ساری صورتِ حال کا مگر ذالعید کچھ بھی سمجھنے پر تیار نہیں۔ اس نے اس بات پر جھگڑا کیا ہے مجھ سے اور پچھلے ایک ہفتے سے مجھ سے بات تک نہیں کر رہا۔'' اس دن ماما جان کے پاس جا کر اس نے اپنے جھگڑے کی تمام تفصیلات انھیں بتا دیں۔

وہ چپ، بے تاثر چہرے کے ساتھ اس کی باتیں سنتی رہیں۔ جب وہ خاموش ہوئی تو انھوں نے مدھم آواز میں کہا۔

''تمھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ذالعید کو سمجھا دوں گی، وہ ضد نہیں کرے گا۔''

''اس نے آپ سے بات نہیں کی؟'' مریم کو کچھ تجسس ہوا۔

''اس نے چند ہفتے پہلے بات کی تھی۔ میں نے اس سے کہا تھا وہ پہلے تم سے بات کرے، اگر تمھیں کوئی اعتراض نہ ہوا تو پھر میں تم لوگوں کے ہاں آ جاؤں گی۔''

''دیکھیں ماما جان! مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میرے لیے تو ظاہر ہے یہ بہت خوشی کی بات ہوگی کہ آپ میرے پاس آ کر رہیں۔ اس طرح آپ کی تنہائی بھی ختم ہو جاتی اور میں بھی آپ کے بارے میں مطمئن رہتی لیکن میرے سسرال والے...... آپ تو اندازہ لگا سکتی ہیں......''

مریم نے فوراً صفائیاں دینا شروع کر دیں۔ ماما جان نے نرمی سے بات کاٹ دی۔

''میں اندازہ لگا سکتی ہوں مریم! تم بالکل ٹھیک کہتی ہو۔ میں تمہاری سچویشن کو اچھی طرح سمجھ سکتی ہوں۔'' مریم نے اطمینان بھری سانس

لی۔ ماما جان کے سامنے اس نے اپنی پوزیشن کلیئر کر دی تھی۔

''پھر آپ ذالعید سے بات کریں گی؟'' مریم نے فوراً کہا۔

''ہاں، میں اس سے بات کروں گی، تمھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' انھوں نے اسے تسلی دی۔

''آپ اسے یہ مت بتائیں کہ میں نے آپ سے یہ ساری گفتگو کی ہے، میں نہیں چاہتی کہ وہ اور ناراض ہو جائے۔'' مریم کو یک دم خیال آیا۔

''میں اسے نہیں بتاؤں گی۔'' ماما جان نے ایک بار پھر یقین دہانی کروائی۔

وہ نہیں جانتی تھی ماما جان نے اس سے کیسے اور کیا کہا تھا مگر اس رات ایک ہفتے کے بعد پہلی بار ذالعید نے اس سے معمول کے مطابق گفتگو کی تھی۔ اس کے انداز سے یہ بالکل نہیں لگتا تھا کہ ان کے درمیان ایک ہفتہ پہلے کوئی جھگڑا ہو چکا تھا۔

مریم نے کھانے کی میز پر اس سے باتیں کرتے کرتے ایک بار پھر ماما جان کے قیام کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر بتانا چاہا مگر ذالعید نے اسے درمیان میں ہی ٹوک دیا۔

''اس موضوع پر دوبارہ ہمارے درمیان کوئی بات نہیں ہوگی۔ میں نہیں چاہتا اس موضوع پر بات ہو اور ہمارے درمیان دوبارہ جھگڑا ہو۔ تم نے ایک فضول اور غلط ضد کی ہے۔ اس معاملے میں میں کبھی بھی تمھارے پوائنٹ آف ویو کو صحیح نہیں مان سکتا۔ اس لیے تم مجھے قائل کرنے کی ناکام کوشش مت کرو۔ تمہاری ضد تھی ماما جان یہاں نہ آئیں، میں نے تمہاری خواہش کا احترام کیا ہے۔ پھر اب اس پر بے کار بحث کی کیا ضرورت ہے۔ بہتر ہے ہم آئندہ اس معاملے پر بات نہ کریں۔'' اس کا لہجہ حتمی تھا اور مریم چاہتے ہوئے بھی اپنی بات جاری نہیں رکھ سکی۔

ذالعید نے واقعی دوبارہ کبھی ماما جان کے قیام کے بارے میں بات نہیں کی اور مریم اس پر خوش تھی۔ اچھے طریقے سے یا برے طریقے سے بہر حال وہ اپنی بات منوانے میں کامیاب رہی تھی۔

❁

''میں اس کا نام زینب رکھنا چاہتا ہوں۔'' ہاسپٹل سے گھر آنے کے تیسرے دن ذالعید نے مریم سے کہا۔ وہ اس وقت اپنی بیٹی کو اٹھائے ہوئے تھا۔

''کم آن ذالعید! اس قدر پرانا اور آؤٹ ڈیٹڈ نام...... اس سے بہتر نام ہیں، ہم ان میں سے کوئی منتخب کر لیں گے۔'' مریم نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں میں اس کا نام زینب ہی رکھنا چاہتا ہوں۔'' ذالعید نے اصرار کیا۔

''زینب!'' وہ چونک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ ذالعید اپنی بیٹی کے ساتھ کھیلنے میں مصروف تھا۔

''کیا ماما جان نے تمھیں اس کا نام زینب رکھنے کے لیے کہا ہے؟'' اس بار مریم کا لہجہ سرد تھا۔ ذالعید نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''نہیں۔ میں خود یہ نام رکھنا چاہتا ہوں۔''

''کیوں اس نام میں کیا خاص بات ہے؟''

''مجھے یہ نام اچھا لگتا ہے، بس اتنی سی بات ہے۔''

''لیکن مجھے یہ نام پسند نہیں ہے اور میرا خیال ہے کہ ماں ہونے کے ناتے میرا اتنا حق ضرور ہے کہ میں اپنی اولاد کا نام خود رکھوں اور میں اس کا نام زینب نہیں رکھنا چاہتی۔''

''تو ٹھیک ہے، تمہیں جو نام پسند ہو، تم اس نام سے اسے پکار لیا کرو مگر میرے لیے یہ زینب ہے۔ کوئی اور نام میں اسے نہیں دوں گا۔

مریم کے دل میں پڑی ہوئی گرہوں میں ایک اور کا اضافہ ہو گیا۔ ذالعید نے اس کا نام زینب ہی رکھا تھا اور ہر بار جب وہ اسے اس نام سے پکارتا تو مریم کی ناراضی میں اضافہ ہوتا جاتا۔ اسے یقین تھا کہ ذالعید نے اس سے جھوٹ بولا تھا۔ اور اس نے یہ نام ماما جان کے کہنے پر ہی رکھا تھا۔

بیسواں باب

دروازے پر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ خدیجہ کی ساری حسیات بیدار ہوگئیں۔ چند لمحوں بعد اس نے کی ہول میں چابی لگنے کی آواز سنی۔ خلاف معمول مظہر نے ڈور بیل نہیں بجائی تھی۔ چند لمحوں بعد دروازہ کھل گیا۔ مظہر اندر آیا۔ وہ اب اپنا کوٹ دروازے کے پیچھے لٹکا رہا تھا۔ خدیجہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔

وہ کوٹ لٹکانے کے بعد اندر آیا۔ خدیجہ پر اس نے ایک نظر ڈالی اور پھر کچھ کہے بغیر بیڈروم کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ خدیجہ کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ بے اختیار سینٹر ٹیبل کا سہارا لیتے ہوئے وہ صوفہ پر بیٹھ گئی۔ پچھلے تین سالوں میں وہ اس کے ہر انداز ہر نظر کو پہچان چکی تھی۔ مگر چند لمحے پہلے خود پر پڑنے والی نظر سے وہ آشنا نہیں تھی...... اس کے تمام خدشات سچ ہو چکے تھے...... عاصم اسے پہچان چکا تھا اور اس نے......

''اس نے مظہر کو میرے بارے میں کیا بتایا ہے؟'' اس کا دل ڈوبنے لگا۔ ''یہ کہ میں......'' اس کا جسم سرد تھا مگر ماتھے پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے۔

تین سالوں میں تاش کے پتوں سے بنایا جانے والا گھر ہوا کے ایک ہی جھونکے میں زمین بوس ہو چکا تھا۔ ''اب آگے کیا ہوگا؟ مجھے کیا کرنا چاہیے...... مظہر کے سامنے کس طرح......'' زوال کا وقت شروع ہو چکا تھا۔ لاؤنج کی خاموشی اس کے اعصاب کو چٹخانے لگی تھی۔

''مجھے اس سے بات کرنی چاہیے۔ اسے بتانا چاہیے کہ میں نے کیوں سب کچھ اس سے چھپایا...... میں کن حالات میں کال گرل بنی...... وہ تین سال سے مجھے جانتا ہے۔ میں جس طرح کی زندگی گزار رہی ہوں وہ اس کے سامنے ہے...... میں اس کے بچے کی ماں ہوں...... وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ میں نے تین سال میں کبھی اسے شکایت کا موقع نہیں دیا...... کبھی اس کی حکم عدولی نہیں کی۔ کبھی اسے دھوکا نہیں دیا...... وہ صرف میرے ماضی کی بنا پر تو مجھے نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ ایک اچھا مسلمان ہے۔ نماز پڑھتا ہے۔ روزے رکھتا ہے۔ زکوۃ دیتا ہے...... اسلام کے بارے میں مکمل علم رکھتا ہے۔ وہ مجھے معاف کر دے گا...... کچھ دیر کے لیے ناراض ضرور ہوگا، مگر مجھے معاف کر دے گا۔ ہماری زندگی کو نارمل ہونے میں کچھ وقت لگے گا...... مگر پھر وہاں کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی۔

دھیمے قدموں سے چلتے ہوئے وہ بیڈروم کے دروازے تک گئی۔ چند لمحوں تک وہ اپنی ہمت مجتمع کرتی رہی، پھر اس نے کانپتا ہوا ہاتھ دروازے پر رکھ کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے موجود بیڈ بے شکن تھا۔ لیکن کمرے کے ایک کونے میں موجود وارڈ روب کھلی ہوئی تھی اور مظہر اس وارڈ روب میں سے اپنے کپڑے نکال کر فرش پر پڑے ہوئے سوٹ کیس میں پھینکتا جا رہا تھا۔

خدیجہ کا دل ڈوب گیا۔ ''کیا وہ گھر چھوڑنے لگا تھا؟''

''مظہر! کیا...... کیا کر رہے ہو؟'' لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں اس نے مظہر کو مخاطب کیا۔

وہ اپنے کام میں مصروف رہا۔ وہ کچھ دیر اس کے جواب کی منتظر رہی، پھر کچھ اضطراب کے عالم میں آگے بڑھ آئی۔

''کیا بات ہے؟'' وہ اب بھی بے تاثر چہرے کے ساتھ اپنے کام میں مصروف رہا۔ خدیجہ نے وارڈ روب میں سے ایک سوٹ اتارتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی۔

''عاصم نے کیا کہا ہے تم سے؟'' مظہر نے اس کی بات کے جواب میں برق رفتاری سے بائیں ہاتھ کا تھپڑ اس کے منہ پر مارا۔ وہ بری طرح فرش پر گری۔

''دوبارہ کبھی مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش مت کرنا'' وہ بلند آواز میں چلایا۔ تین سال میں پہلی بار اس نے مظہر کو چلاتے دیکھا تھا۔

خدیجہ کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔ اس کے لیے تشدد کوئی نئی چیز نہیں تھی، سولہ سال سے بائیس سال کی عمر تک وہ جس پیشے سے وابستہ رہی تھی۔ وہاں گالیاں، مار کٹائی اس پروفیشن کا ایک حصہ تھا (اگر اسے پروفیشن کہا جا سکے تو) مگر مظہر کے ہاتھ کے ایک تھپڑ نے اسے جتنی تکلیف پہنچائی تھی اس سے پہلے اسے اس کا سامنا نہیں ہوا تھا۔

مظہر ایک بار پھر اس کی طرف پشت کیے، اپنے کپڑے نکالنے میں مصروف تھا۔ خدیجہ کو اپنی ناک سے کوئی چیز بہتی محسوس ہوئی۔ اس نے ہاتھ لگا کر دیکھنے کی کوشش کی۔ اس کے ہاتھ کی پوریں خون آلود ہو گئیں۔

قمیض کی آستین سے اس نے ناک سے بہنے والا خون صاف کیا اور ایک بار پھر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ ''مظہر پلیز! مجھے معاف کر دو...... تم مجھے مارنا چاہتے ہو تو مار لو...... برا بھلا کہنا چاہتے ہو کہو...... مگر یہاں سے مت جاؤ۔'' اس نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیے۔

''یہاں سے نہ جاؤں...... اور ساری زندگی ایک کال گرل کے ساتھ گزار دوں۔'' وہ اپنے کپڑے ہینگر سے اتارتے ہوئے رک گیا۔ ''تم نے کبھی سوچا ہے میرے ساتھ کیا کیا ہے تم نے؟ میری آنکھوں پر کس طرح پٹی باندھ کر چلا رہی ہو مجھے؟...... میری محبت اور خلوص کا کس طرح مذاق اڑایا ہے تم نے...... میرا باپ ٹھیک کہتا تھا مغرب میں مرد اور عورت نہیں ہوتے...... جانور ہوتے ہیں۔ مہذب اور ترقی یافتہ نظر آنے والے جانور...... میرے خاندان کو جانتی ہو، تم وہاں کتا رکھنے سے پہلے اس کی بھی نسل دیکھی جاتی ہے۔ جس لڑکی سے میرا باپ میری شادی کروانا چاہتا تھا، اس کا سایہ تک کسی دوسرے مرد نے نہیں دیکھا...... اور تم...... تم وہ عورت ہو جو پیسوں کے عوض......'' وہ رک گیا۔

خدیجہ کو لگا وہ ایک الاؤ میں کھڑی ہے اور مظہر اس الاؤ میں ایک ایک کر کے لکڑیاں ڈال رہا ہے۔

''مجھے لگتا ہے، مجھے اپنے والدین کی نافرمانی کی سزا ملی ہے تمہاری صورت میں......''

الاؤ میں ایک اور لکڑی گری۔ آگ اور بھڑکی۔ ''مظہر خان کی بیوی ایک کال گرل...... Dusky Damsel یہی نام ہے نا تمہارا جس سے تم یہاں جانی جاتی تھیں۔'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''میں سب کچھ چھوڑ چکی ہوں مظہر! سب کچھ، میں نے تمہارے ساتھ اپنی زندگی دوبارہ شروع کی ہے۔''

''کتنے عرصہ کے لیے؟ پانچ سال کے لیے یا دس سال کے لیے......اور کیوں جسٹ فار اے چینج یا پھر یہ سوچ کر کہ کبھی کبھی صرف ایک مستقل گاہک بھی تو ہونا چاہیے، میرے جیسا گاہک......جس کی جیبیں نوٹوں سے بھری ہوئی ہوں۔ پڑھا لکھا ہو......خوبصورت ہو......اور ہاں بے وقوف بھی ہو، جو تمھارے ساتھ شادی بھی کر لے، اپنے بچے کی ماں بھی بنا دے...... ہے کوئی مظہر جیسا بے وقوف؟'' اس کے لہجے کی تلخی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ اب اپنا سوٹ کیس بند کر کے دوسرا سوٹ کیس کھول رہا تھا۔

''میرے ماضی کو مت دیکھو مظہر! میرے ماضی کو بھول جاؤ۔ میری آئندہ زندگی میں تم کوئی برائی نہیں پاؤ گے۔ میں تین سال سے تمھارے ساتھ ہوں...... کیا میں نے تین سال میں خود کو اچھی بیوی ثابت نہیں کیا؟ کیا میں اچھی ماں نہیں ہوں؟...... کیا تین سال میں، میں نے تمھاری اطاعت نہیں کی......؟ کیا تین سال میں، میں تمھارے علاوہ کسی دوسرے مرد کی طرف گئی؟ کیا میں نے اپنے جسم کو اس طرح چھپائے نہیں رکھا جس طرح تم نے چاہا؟ کیا میں نے اپنی نظروں کو اس طرح جھکائے نہیں رکھا جس طرح تمھاری خواہش تھی؟ کیا میں کبھی تم سے پوچھے بغیر گھر سے باہر نکلی؟ یا کسی ایسے شخص کو گھر میں آنے دیا جسے تم نے ناپسند کیا؟ کیا میں اسلام قبول کرنے کے بعد اس طرح عبادت نہیں کرتی جس طرح حکم ہے؟ کیا شادی سے پہلے میں نے تمھارے سامنے اپنی پارسائی کے ڈنکے بجائے تھے، جس اللہ سے تم محبت کرتے ہو، میں بھی اسی سے محبت کرتی ہوں، جس پیغمبر ﷺ کو تم مانتے ہو، میں بھی اب اسی کو مانتی ہوں۔ دین کے جس راستے پر تم چل رہے تھے اب میں بھی اسی پر چل رہی ہوں۔''

''تم نے جو کچھ کیا پیسے کے لیے کیا...... جو کچھ کر رہی ہو پیسے کے لیے کر رہی ہو۔'' وہ اس کی بات پر ساکت رہ گئی۔

''جانتی ہو شادی سے پہلے کس علاقے میں رہتی تھیں اور اب کہاں ہو......کون سی چیز ہے جو میں نے تمھیں مہیا نہیں کی...... میرے بجائے کوئی اور تمھیں یہ سب کچھ دیتا، چاہے اس کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہوتا تو تم وہی کرتیں جو وہ کہتا...... پارسا ہونے کے لیے کہتا تو پارسا ہو جاتیں اور تب تک پارسا ہی رہتیں جب تک سب کچھ ملتا رہتا۔'' خدیجہ کا چہرہ زرد ہو گیا۔

''میں تمھاری پارسائی کو تب تسلیم کرتا اگر میرے بجائے کسی بھکاری سے شادی کرتیں جو تمھیں زندگی کی ہر نعمت کے لیے ترساتا اور تم پھر بھی مسلمان رہتیں پھر بھی پارسا رہتیں پھر بھی اس شخص کی وفادار ہوتیں پھر بھی اسی طرح عبادت کرتیں پھر بھی گھر کے اندر رہتیں پھر بھی اپنے شوہر کی اطاعت کرتیں۔ اچھی بیوی بنتیں، اچھی ماں ہوتیں...... مگر تب تم کبھی یہ سب کچھ نہ کرتیں، اگر تم میں اتنی قناعت ہوتی تو تم کچھ بھی ہوتیں مگر کال گرل نہ ہوتیں۔'' وہ اپنا دوسرا سوٹ کیس بھی اپنی کتابوں اور دوسری چیزوں سے بھر چکا تھا۔

''نہیں تم سے پیسے کے لیے شادی نہیں کی تھی۔ تم سے یہ سوچ کر بھی شادی نہیں کی تھی کہ تم بہت پڑھے لکھے ہو، یا بہت بڑے وکیل بنو گے......تم سے تو اس عزت کے لیے شادی کی جو تم مجھے دے رہے تھے، پیسہ بہت سے لوگوں نے دیا مجھے لیکن عزت کسی نے نہیں دی۔'' وہ اب جیسے بڑبڑا رہی تھی۔ ''خواہش ہونے لگی میں ویسی زندگی گزاروں جیسی تم گزارتے تھے۔ مجھے لگا میں تمھارے ساتھ بات کر سکتی ہوں۔ اللہ کے بارے میں بلکہ شاید صرف تم ہی سے بات کر سکتی تھی اللہ کے بارے میں...... میں نے ان دنوں اپنے مذہب کے بارے میں کچھ نہ جانتے ہوئے بھی اللہ سے اتنی دعا کی...... کہ تم مجھے مل جاؤ کہ تم میرا مقدر بن جاؤ کہ تم کو میرے بارے میں کچھ پتا نہ چلے۔ یقین کرو مظہر! میں نے اس رمضان میں روزے بھی

رکھے تھے صرف اس لیے کہ تم رکھتے تھے۔ میں ہر وہ چیز کرتی تھی جو تم کرتے تھے۔ میں نے پیسہ کہاں دیکھا تھا تمہارا۔''

''طوائف کا خدا صرف پیسہ ہوتا ہے...... اس کا ہر رشتہ پیسے سے شروع ہوتا ہے، پیسہ پر ختم ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ کا نام لے تو یہ بھی ڈھونگ لگتا ہے۔ کیا طوائف کو کبھی اللہ مل سکتا ہے؟'' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پوچھ رہا تھا۔

وہ کچھ بول نہیں سکی۔ اس نے اعتراف کیا، زندگی میں بہت سے سوال لاجواب کر دیتے ہیں۔

''ہاں، یہ میں نے کبھی نہیں سوچا کہ کیا طوائف کو اللہ مل سکتا ہے؟''

مظہر ایک سوٹ کیس اٹھا کر بیڈروم سے نکل گیا۔ خدیجہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔ وہ کچھ دیر کے بعد دوبارہ کمرے میں داخل ہوا اور دوسرے سوٹ کیس اٹھانے لگا۔

''تم ایک اچھے مسلمان ہو! مظہر ایک عملی مسلمان۔ ایک اچھا مسلمان معاف بھی تو کر دیتا ہے۔ تم مجھے معاف کر دو۔'' مظہر نے ایک نظر اس پر ڈالی اور دوٹوک انداز میں کہا۔

''نہیں، طوائف کو کوئی معاف نہیں کرتا اور میں نے زندگی میں اتنے گناہ نہیں کیے کہ مجھے اپنی زندگی ایک کال گرل کے ساتھ گزارنی پڑے یا میری اولاد ایک کال گرل کے ہاتھوں میں پرورش پائے۔'' وہ ایک بار پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔ خدیجہ یک دم لرز گئی۔

''اولاد؟ کیا وہ اپنے بیٹے کو بھی لے جائے گا؟'' وہ تقریباً بھاگتی ہوئی بے بی کاٹ کے پاس گئی جہاں اس کا بیٹا سو رہا تھا۔

مظہر کچھ دیر بعد پھر بیڈروم میں آیا۔ اس بار وہ سائیڈ ٹیبل کے پاس گیا۔ ایک کاغذ پر اس نے کچھ لکھا۔ جیب سے چیک بک نکال کر ایک چیک سائن کیا اور پھر بے بی کاٹ کی طرف بڑھا۔ خدیجہ خوف کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی۔ کاغذ اور چیک کو اس نے خدیجہ کی طرف اچھالا اور خود بچے کو اٹھانے لگا۔

''نہیں مظہر! اس کو مت لے جاؤ۔ اسے میرے پاس رہنے دو...... یہ بہت چھوٹا ہے۔ میرے بغیر کیسے رہے گا؟'' خدیجہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنے بیٹے کو پکڑ لیا۔ مظہر نے ایک جھٹکے سے اسے کھینچ لیا۔

''میں نے تمہیں طلاق دے دی ہے، اس لیے اپنے بیٹے کو یہاں چھوڑنے کا تو جواز ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''نہیں مظہر! تم اسے نہیں لے جا سکتے۔ یہ میرا بیٹا ہے، میرے پاس رہے گا۔ کچھ تو میرے پاس رہنے دو۔'' وہ روتی ہوئی اس کے سامنے آ گئی۔

''میں اپنی اولاد تمہارے پاس نہیں چھوڑوں گا، تمہارے پاس اسے چھوڑنے کے بجائے میں اسے مار دوں گا۔ تمہارے سامنے مار دوں؟'' مظہر نے ایک ہاتھ بچے کی گردن پر رکھ دیا۔ وہ بے اختیار خوف کے عالم میں پیچھے ہو گئی۔

''کبھی اس کے لیے کچھ مت کرنا۔ جس دن تم نے کورٹ کے ذریعے اسے لینے کی کوشش کی، اس دن میں اسے قتل کر دوں گا لیکن تمہیں نہیں دوں گا۔ تمہیں اگر اس سے محبت ہے تو دوبارہ کبھی اس کے پیچھے مت آنا۔ میں حق مہر کا چیک چھوڑے جا رہا ہوں۔ میں تمہیں طلاق دے چکا ہوں۔ کچھ دنوں بعد تمہیں باقاعدہ طور پر طلاق کے کاغذات بھی مل جائیں گے۔'' اس کا بیٹا اب اٹھ کر رونے لگا تھا۔

''تم تب تک اس گھر میں رہ سکتی ہو جب تک کرایہ ختم نہیں ہو جاتا۔ اس کے بعد اپنے لیے نیا ٹھکانہ ڈھونڈ لینا اور تمھارے جیسی عورتوں کے لیے تو یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' وہ اب بیڈ روم سے باہر نکل گیا تھا۔ وہ ماؤف ہوتے ہوئے ذہن کے ساتھ اسے باہر جاتا دیکھتی رہی۔

سب کچھ ختم ہونے میں صرف چند گھنٹے لگے تھے۔ عاصم کی آمد، اس کی روانگی اور اس کے بعد مظہر کا اپنے بیٹے کو لے کر چلے جانا۔

وہ خالی دماغ کے ساتھ بیڈ روم سے نکل آئی۔ لاؤنج خالی تھا۔ دنیا بھی خالی تھی۔ باہر کا دروازہ کھلا ہوا تھا، اس کے اندر بھی بہت سارے دروازے کھل گئے تھے۔ اسے یاد آیا، اس کا بیٹا رو رہا تھا۔ وہ یک دم ننگے پاؤں بھاگتی ہوئی بیرونی دروازے سے باہر نکلی۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ کہیں بھی کچھ نہیں تھا سڑک سنسان تھی، بس اس پر برف گر رہی تھی۔

وہ باہر سڑک پر آ گئی۔ دونوں طرف کہیں بھی مظہر کی گاڑی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس کے پاؤں ٹھنڈی برف پر سن ہو رہے تھے۔ اس کے جسم پر موجود لباس پھڑ پھڑا رہا تھا۔ وہ فٹ پاتھ پر لگے ہوئے لیمپ پوسٹ کے نیچے بیٹھ گئی۔ وہاں سے گزرنے والا کوئی بھی شخص اس وقت اس حالت میں دیکھ کر اسے پاگل سمجھتا۔

لیمپ کی روشنی میں اس نے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو پھیلا کر دیکھا۔ اسے یاد آیا۔ بہت سال پہلے اس کے ایک ہندو گاہک نے اس کا ہاتھ دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''تمھیں جس سے محبت ہوگی تمہاری اس سے شادی ہو جائے گی۔'' تب اس نے ہنس کر اس شخص سے کہا تھا۔

''میری کبھی شادی نہیں ہوگی۔ کال گرل سے کون شادی کرتا ہے۔''

''تمہاری نہ صرف شادی ہوگی بلکہ ایک ایسا بیٹا بھی ہوگا جس پر تمھیں فخر ہوگا۔'' اس شخص نے کندھے اچکاتے ہوئے اس سے کہا۔

''کال گرل کی شادی، اولاد اور فخر؟'' وہ بہت دیر تک پاگلوں کی طرح اس شخص کی بات پر ہنستی رہی یہاں تک کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

اور اب برف میں ننگے پاؤں اور ننگے سر لیمپ پوسٹ کے نیچے بیٹھی، وہ اپنے ہاتھ کی لکیروں میں اپنا مقدر ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''مجھے کیا کرنا چاہیے؟ رونا چاہیے؟ چلانا چاہیے؟ یا پھر مر جانا چاہیے؟ میں اس شہر میں کس کو جا کر بتا سکتی ہوں کہ آج رات میں برباد ہو گئی ہوں۔ میرا سب کچھ ختم ہو گیا؟ کچھ بھی نہیں رہا۔ میں کس کے کندھے پر سر رکھ کر رو سکتی ہوں؟''

اسے یاد نہیں وہ وہاں کتنی دیر بیٹھی رہی۔ پچھلے تین سال ایک فلم کی طرح اس کی نظروں کے سامنے چل رہے تھے۔ مظہر سے ہونے والی پہلی ملاقات اور اس سے ہونے والی آخری ملاقات...... درمیان میں کیا تھا حقیقت یا خواب۔

پھر اسے یاد آیا اس کا بیٹا رو رہا تھا۔ وہ بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھی اور تب اسے پتہ چلا اس پر کتنی برف پڑ چکی ہے۔ اس نے جتنی تیزی سے قدم اٹھایا وہ اتنی ہی تیزی سے منہ کے بل برف پر گری۔ اس کے پیر شاید برف بن چکے تھے۔

''مظہر کے دل کی طرح یا پھر میرے مقدر کی طرح۔'' اس نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے سوچا۔

''مظہر نے ایک بار بھی نہیں سوچا کہ اس کے بغیر میرا کیا ہوگا۔'' گھر کی سیڑھیوں تک پہنچتے پہنچتے وہ تین بار برف میں گری۔

اسے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ کچھ بھی سنائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ کہاں تھی؟ کیوں تھی؟ وہ یہ بھی سمجھنے سے قاصر تھی، گھر کے اندر پہنچنے کے بعد بھی وہ خالی نظروں کے ساتھ وہاں پڑی چیزوں کو دیکھتی رہی۔

صرف چند گھنٹے پہلے یہ گھر تھا، اب کچھ بھی نہیں تھا۔ ایک شخص کو ایمان داری کا شوق پیدا ہوا تھا دوست سے دوستی نبھانے کا۔ دوسرے شخص کو اچانک یاد آ گیا کہ وہ کتنے اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور تیسرا شخص اب وہاں کھڑا اپنی زندگی کے اڑتے ہوئے پرخچے دیکھ رہا تھا۔

پچھلے تین سال سے وہ اس گھر کے ایک ایک کونے کو سجاتی رہی تھی۔ دیواروں پر لگی ہوئی تصویروں سے لے کر ان ڈور پلانٹس تک ہر چیز کو اس نے اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا اور اب وہاں پڑی ہر بے جان چیز یک دم جاندار ہو کر اس کا منہ چڑانے لگی تھی۔

پھر اسے یاد آیا اس کا بیٹا رو رہا تھا، وہ یک دم ہوش میں آ گئی۔ واش روم میں جا کر اس نے اپنے چہرے پر پانی کے چھپکے مارے، سامنے شیشے میں اپنا چہرہ دیکھ کر وہ ہل نہیں سکی۔ اسے یاد آیا۔ نو سال پہلے سولہ سال کی عمر میں جب پہلی بار وہ ایک شخص کے ساتھ کچھ وقت گزار کر آئی تھی تو اسی طرح واش بیسن کے آئینے میں خود کو بہت دیر تک دیکھتی رہی تھی۔ تب اسے اپنے وجود سے بہت گھن آئی تھی۔ اسے یوں لگا تھا جیسے وہ سب کچھ گنوا آئی ہے۔

نو سال بعد آج پھر وہ اسی طرح خود کو آئینے میں دیکھ رہی تھی، آج گھن نہیں آ رہی تھی، ترس آ رہا تھا مگر آج بھی وہ اسی طرح خالی ہاتھ تھی۔

تب ایک رات کے عوض ملنے والے پاؤنڈز سے اس نے کھانا اور ایک سویٹر خریدا تھا۔ آج تین سال کے بدلے ملنے والے چیک سے وہ دنیا کی کون سی آسائش خریدے گی؟

اس کے بالوں اور لباس پر چپکی ہوئی برف اب پگھل کر پانی میں تبدیل ہو رہی تھی۔ اس نے اپنی ناک اور ہونٹوں پر لگا ہوا خون صاف کیا اور پھر اسے کچھ یاد آیا۔ وہ واش روم سے باہر نکل آئی۔

مظہر کے واپس آنے سے پہلے اس نے وہ ساری دعائیں پڑھ لی تھیں جو وہ پچھلے تین سال میں یاد کر سکی تھی۔ وہ ننگے سر قرآن کھول کر بیٹھ گئی۔

''کیا طوائف کو بھی اللہ مل سکتا ہے؟'' مظہر کی آواز اس کے کانوں میں گونجی، اس کا پورا وجود موم کی طرح پگھلنے لگا۔

''میں ساری عمر کیا طوائف ہی کہلاؤں گی۔'' ننھے بچوں کی طرح قرآن ہاتھ میں لے کر وہ بلک بلک کر روتی رہی۔

اس نے اپنے آنسوؤں کو قرآن پاک کے صفحوں میں جذب ہوتے دیکھا۔

''سورۃ یاسین تب پڑھتے ہیں جب کوئی شخص حالت نزع میں ہو۔ اس وقت یہ سورۃ تکلیف سے نجات دے دیتی ہے۔'' اسے یاد آیا ایک بار مظہر نے اسے بتایا تھا، اس وقت بھی اس کے سامنے سورۃ یاسین ہی تھی۔

''حالت نزع؟ کیا کوئی تکلیف اس تکلیف سے بڑی ہو سکتی ہے جس سے میں گزر رہی ہوں۔'' وہ بلند آواز میں سورۃ یاسین کا ترجمہ پڑھنے لگی۔

''طوائف کا ہر رشتہ پیسے سے شروع ہوتا ہے اور پیسے پر ختم ہو جاتا ہے۔'' وہ اور بلند آواز میں سورۃ یاسین پڑھنے لگی۔

''تو ان کی باتیں تمھیں غمناک نہ کر دیں یہ جو کچھ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں ہمیں سب معلوم ہے۔''اس کی آنسوؤں میں بھیگی ہوئی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔

''نہیں طوائف کو کوئی معاف نہیں کرتا۔ میں نے اتنے گناہ نہیں کیے کہ مجھے ایک کال گرل کے ساتھ اپنی زندگی گزارنی پڑے یا میری اولاد ایک کال گرل کے ہاتھوں پرورش پائے۔''

''کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو نطفے سے پیدا کیا پھر وہ تڑاق پڑاق جھگڑنے لگا۔'' خدیجہ کی تکلیف بڑھتی جا رہی تھی۔

''طوائف اللہ کا نام لے تو یہ بھی ڈھونگ لگتا ہے۔ کیا طوائف کو بھی اللہ مل سکتا ہے؟''

''پھر وہ تڑاق پڑاق جھگڑنے لگا اور ہمارے بارے میں مثالیں پیش کرنے لگا، کیا وہ اپنی پیدائش بھول گیا۔''

چند لمحوں کے لیے وہ خاموش ہو گئی۔ اس نے اپنے بھیگے ہوئے چہرے کو آستین سے صاف کیا۔

''میں اپنی اولاد تمھارے پاس نہیں چھوڑوں گا۔ کبھی میرے بیٹے کے پیچھے مت آنا، جس دن تم نے اسے کورٹ کے ذریعے لینے کی کوشش کی اس دن میں اسے قتل کر دوں گا۔''

اس کی آستین آنسوؤں سے بھیگ گئی۔ سامنے دیوار پر اس کے بیٹے کی تصویر لگی تھی۔ اس نے چند لمحوں کے لیے اسے دیکھا...... اسے یاد آیا، وہ رو رہا تھا۔ اس کا دل بھر آیا۔

''مجھے مظہر نہیں مل سکتا یا اللہ! مگر میرا بیٹا تو مل سکتا ہے۔ آج نہیں تو کل، کبھی...... بس وہ مل جائے۔'' اس کے دل میں چند لمحوں کے بعد خواہش پیدا ہوئی۔

اپنی آستین سے اس نے ایک بار پھر اپنا چہرہ صاف کیا۔ سورۃ یاسین کی آخری چند آیات باقی تھیں۔ اس نے تصویر سے نظریں ہٹا کر سر جھکا لیا۔

''اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ وہ ذات پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔''

❁

مظہر اس رات اپنا سامان اور بیٹا لے کر اپنی بہن کے گھر آیا۔ اس کا بیٹا گاڑی میں کچھ دیر روتا رہا پھر خاموش ہو گیا۔

اس کی بہن دروازے پر مظہر کو دیکھ کر حیران ہوئی مگر اس کا سامان اور بیٹا دیکھ کر اس کے چہرے پر ایک اطمینان بھری مسکراہٹ ابھری۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کے بیٹے کو پکڑ لیا۔

''میں نے اسے طلاق دے دی ہے۔'' اس ایک جملے کے بعد اسے کسی اور سوال کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اس کی بہن یا بہنوئی نے اس سے کچھ بھی نہیں پوچھا۔

اس کی بہن نے اسی وقت پاکستان فون کر کے اپنے ماں باپ کو یہ خوش خبری سنا دی تھی۔ تین سال کے بعد پہلی بار اس کے ماں باپ نے فون پر اس سے بات کی۔ اس کا وہ سوشل بائیکاٹ ختم کر دیا گیا تھا جس کا وہ پچھلے تین سال سے سامنا کر رہا تھا۔

تیسرے دن اس نے اپنے بیٹے کو پاکستان بھجوا دیا۔ خدیجہ کو دھمکی کے باوجود اسے خدشہ تھا کہ وہ کبھی بھی پولیس کے ذریعے اپنا بیٹا لینے کی کوشش کر سکتی ہے۔ بیٹے کو پاکستان بھجوانے کے بعد وہ اس حوالے سے مطمئن ہو گیا۔

اگلے چند دن اس نے آفس سے چھٹی کی۔ ایک نیا فلیٹ تلاش کیا۔ اسے فرنشڈ کیا۔ اپنے ذہنی اضطراب کو مختلف سرگرمیوں میں کم کرنے کی کوشش کی۔

لیکن ایک ہفتہ کے بعد پہلے دن آفس سے واپس آنے کے بعد اسے احساس ہو گیا کہ سب کچھ کبھی بھی پہلے کی طرح نارمل نہیں ہو سکتا۔ تین سال سے گھر آنے پر وہ جس وجود کو دیکھنے کا عادی تھا، وہ اب وہاں نہیں تھا۔ تین سال سے وہ اپنا ہر کام اس سے کروانے کا عادی ہو چکا تھا۔

بیوی اور بچہ اب دونوں ایک جھماکے کے ساتھ اس کی زندگی سے نکل گئے تھے...... وہ پہلے صرف سگریٹ پیتا تھا پھر آہستہ آہستہ زندگی میں پہلی بار اس نے شراب نوشی شروع کر دی۔

کبھی کبھار اسے سب کچھ خواب لگتا۔ ایک ڈراؤنا خواب۔ بعض اوقات اس کا دل چاہتا۔ سڑک سے گزرتے ہوئے اسے کہیں کبھی وہ دکھائی دے جائے۔ پھر وہ خود پر لعنت بھیجنے لگتا۔

''اب بھی وہی...... اس سب کے باوجود بھی جو میں اس کے بارے میں جان چکا ہوں، مظہر خان! تم کیسے انسان ہو، کیسے مرد ہو۔'' وہ خود کو ملامت کرتا۔

اس رات کے بعد وہ عاصم سے دوبارہ نہیں ملا۔ عاصم نے اس سے فون پر رابطہ کرنے کی کوشش کی۔

''میں تم سے ملنا نہیں چاہتا۔ ہماری دوستی بس یہیں تک تھی۔ دوبارہ کبھی مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش مت کرنا۔'' اس نے عاصم سے فون پر کہا اور وہ واقعی اپنے لفظوں پر قائم رہا۔

عاصم نے لندن میں اور پھر پاکستان آ کر بھی بہت بار اس سے ملاقات کی کوشش کی۔ اس سے دوستی ختم کرنے کی وجہ جاننا چاہی لیکن مظہر کے پاس ایک مستقل خاموشی کے علاوہ اسے کچھ نہیں ملا۔

وہ انگلینڈ میں زیادہ عرصے تک نہیں رہ پایا، چند ماہ کے بعد واپس پاکستان چلا آیا۔ واپس آنے کے چند ہفتوں بعد اس نے شادی کر لی۔

❀

اکیسواں باب

سیڑھیاں غائب ہو چکی تھیں اور وہ جسے گھر کی چھت سمجھ رہی تھی وہ ایک پہاڑ کی چوٹی تھی جس سے نیچے اترنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ ستاروں کی دھندلی روشنی بھی اسے ان کھائیوں کی گہرائی دکھانے میں ناکام تھی جو اس چوٹی کے چاروں جانب تھیں۔

❁

زینب کی پیدائش کے بعد مریم نے ایک بار پھر نئے سرے سے اپنی سرگرمیوں کو شروع کر دیا تھا۔ اس نے زینب کے لیے ایک گورنس رکھ لی تھی اور ذالعید کے اعتراض کی بالکل پروا نہیں کی۔

مگر اب پہلی بار اس نے محسوس کیا کہ ذالعید کی سوشل لائف بالکل ختم ہو چکی ہے۔ وہ بہت کم ہی اب ان پارٹیز اور ڈنرز میں شرکت کرتا جن میں وہ پہلے اس کے ساتھ جایا کرتا تھا۔ وہ بہت کم ہی اب ان پارٹیز اور ڈنرز میں شرکت کرتا جن میں وہ پہلے اس کے ساتھ جایا کرتا تھا۔ ہر بار اس کے پاس کوئی نہ کوئی بہانا ہوتا۔ مریم کو بعض دفعہ اس کی اس بدلی ہوئی روٹین پر حیرت ہوتی۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ چند ماہ پہلے کی نسبت وہ اب بہت خوش تھا۔ مریم کا خیال تھا کہ یہ خوشی زینب کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ زینب کے ساتھ خاصا وقت گزارتا تھا۔ گورنس کی موجودگی کے باوجود وہ اس کے کئی کام خود کرتا تھا۔ مریم اسے منع کرتی، وہ سمجھتی تھی کہ اس طرح زینب کی پرورش ٹھیک سے نہیں ہو پائے گی۔ مگر بعض دفعہ مریم کو احساس ہوتا کہ ذالعید کی زندگی میں کوئی اور تبدیلی بھی آئی ہے۔

وہ کئی بار بہت پریشان ہو جاتا۔ بیٹھے بیٹھے کہیں کھو جاتا اور پھر مریم کے استفسار پر بالکل خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگتا۔ مریم نے اب اسے کئی بار نماز پڑھتے ہوئے بھی دیکھا اور اسے شاک لگا تھا۔ ذالعید مذہبی نہیں تھا مگر اب......

اسے پریشانی ہونے لگی کہ کہیں وہ اس پر بھی کوئی پابندی عائد نہ کر دے مگر ذالعید نے ایسا نہیں کیا تھا۔ مریم کو یہ بھی احساس ہونے لگا کہ اب وہ ماما جان کی بات نہیں کرتا۔ اگر کبھی وہ ان کا ذکر کرنے لگتی تو وہ موضوع بدل دیتا۔ اسے اس وقت اس کے چہرے پر ایک عجیب سا اضطراب اور وحشت نظر آتی۔

زینب کی پیدائش کے کچھ دن بعد باتوں باتوں میں مریم نے اس پر یہ انکشاف کیا کہ وہ ماما جان کی حقیقی بیٹی نہیں ہے، انھوں نے اسے گود لیا تھا۔ وہ اس وقت حیران رہ گئی جب ذالعید نے اس پر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔

''میں جانتا ہوں۔'' اس نے کہا۔

''کیا ماما جان نے بتایا ہے تمھیں؟''

''ہاں۔''

''کب؟''اس نے مریم کی بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ زینب کو کاٹ میں لٹا کر اس سے نظریں چراتے ہوئے باہر چلا گیا۔

اس کی یہ کیفیت زینب کے چھ ماہ کا ہونے تک رہی پھر وہ یک دم پرسکون اور مطمئن نظر آنے لگا۔ صرف ایک چیز نارمل نہیں ہوئی تھی۔ وہ اب ماما جان کے پاس جانے کو تیار نہیں ہوتا تھا۔ تہواروں کے موقع پر بھی وہ مریم سے یہی کہتا کہ وہ خود ماما جان کے پاس چلی جائے۔ مریم کے اصرار پر بھی وہ اس کے ساتھ نہ جاتا۔ مریم بہت خوش تھی، کم از کم ماما جان کی اس فلاسفی سے اسے کوئی خطرہ نہیں رہا تھا جو ذالعید پر اپنا اثر دکھا رہی تھی۔

اس کی شہرت دن بدن بڑھتی جارہی تھی۔ شادی کے تیسرے سال وہ نیویارک میں دو جگہ اپنی پینٹنگز کی نمائش کر چکی تھی۔ Time میں اس کی تصویروں کے بارے میں پہلی بار ایک آرٹیکل چھپا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اس بین الاقوامی شہرت کی دہلیز پر جا پہنچی تھی جس کی اسے خواہش تھی۔

ان دنوں وہ لندن میں اپنی پہلی بڑی نمائش کی تیاریوں میں مصروف تھی جب ایک جھماکے کے ساتھ اس نے اپنی زندگی کے افق پر ان تحریروں کو آتے دیکھا جنھوں نے سب کچھ راکھ کر دیا۔

***

وہ اس رات بہت عرصے کے بعد اسٹوڈیو گیا۔ مریم گھر پر نہیں تھی اور وہ ان پینٹنگز کو دیکھنا چاہ رہا تھا جن کی وہ پچھلے کچھ عرصہ سے بہت پُر جوش ہو کر بات کر رہی تھی اور جن کی اگلے کچھ ہفتوں کے بعد نمائش ہونے والی تھی مگر اسٹوڈیو میں جاتے ہی وہ جیسے ہکا بکا رہ گیا تھا۔

وہ بہت عرصہ کے بعد مریم کی بنائی ہوئی پینٹنگز دیکھ رہا تھا۔ اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ وہ اب کیا پینٹ کر رہی ہے، وہ Nude آرٹ تھا۔ ہر پینٹنگ میں بڑی پرفیکشن کے ساتھ انسانی جسم کو کسی نہ کسی زاویے سے پینٹ کیا گیا تھا۔

اسے وہ ساری پینٹنگز یک دم فحاشی نظر آنے لگی تھی۔ یہ وہ آرٹ نہیں تھا جسے وہ دیکھنے کا عادی تھا، وہ ان ہی پیروں وہاں سے پلٹ آیا۔

ملازم کو کافی کا کہہ کر وہ خود لاؤنج میں ٹی وی لگا کر بیٹھ گیا۔ مریم ساڑھے گیارہ بجے واپس آئی وہ اس وقت کافی پی رہا تھا۔ مریم اس کے پاس صوفہ پر بیٹھ گئی۔ ملازم کو کافی کا ایک اور مگ لانے کے لیے کہہ کر وہ ذالعید کی طرف متوجہ ہوئی۔

''زینب سوگئی؟''

''ہاں۔'' وہ مختصراً کہہ کر اسی طرح کافی پیتا رہا۔

مریم اپنی جیولری اتارنے لگی۔ ملازم جب کافی دے کر چلا گیا تو ذالعید نے اس سے کہا۔

''میں آج سٹوڈیو گیا تھا۔'' اس کی آواز خاصی خشک تھی مگر مریم نے غور نہیں کیا۔

''اچھا پینٹنگز دیکھیں تم نے میری؟'' اس نے خاصے اشتیاق سے پوچھا۔

''وہ پینٹنگز نہیں ہیں، گندگی ہے۔''

''ذالعید!'' مریم کو جیسے ایک دھچکا لگا۔

''اس گندگی کی نمائش کرنا چاہ رہی ہو تم؟''

''وہ گندگی نہیں آرٹ ہے۔'' مریم کا چہرہ یک دم سرخ ہو گیا۔

"Nude art"

''تو پھر کیا ہے، اس سے اس کی اہمیت تو ختم نہیں ہو جاتی۔''

''تمھیں پتا ہے وہ کس قدر بے ہودہ پینٹنگز ہیں۔''

''بے ہودگی دیکھنے والے کی آنکھ میں ہوتی ہے، پینٹنگ میں نہیں۔ آرٹ میں کچھ بھی بے ہودہ نہیں ہوتا۔ تخلیق، تخلیق ہوتی ہے۔ تم تو خود آرٹ کے اسٹوڈنٹ رہے ہو، تم نے آرٹ میں ولگیرٹی کیسے ڈھونڈ لی۔'' وہ کچھ کہے بغیر اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

''تم کیا پینٹ کیا کرتی تھیں مریم اور اب کیا پینٹ کر رہی ہو؟'' اس نے جیسے افسوس کیا۔

''یہ وہ آرٹ ہے جو مجھے شہرت دلا رہا ہے، میرا نام، میری ساکھ بنا رہا ہے، یہ وہ آرٹ ہے جو بکتا ہے۔ تم جانتے ہو ان میں سے کوئی بھی پینٹنگ پچاس ہزار سے کم میں نہیں بکے گی اور جس آرٹ کی تم بات کرتے ہو۔ لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں، دیکھتے ہیں، خریدتے بھی ہیں مگر ٹکوں میں۔ تم تو واقف ہو میں نے ان پینٹنگز کو دو دو ہزار میں بھی بیچا ہے۔ دو ہزار سے کیا ہوتا ہے رنگ، کینوس اور برش خریدنے کے بعد کیا بچتا ہے آرٹسٹ کے پاس..... کیوں بناؤں میں ایسی پینٹنگز جو مجھے تعریف کے علاوہ اور کچھ نہیں دیتیں۔ یہ ہے وہ آرٹ جواب ڈرائنگ روم میں سجایا جاتا ہے۔ اس آرٹ کو خریدنا چاہتے ہیں لوگ..... منہ مانگی قیمت پر۔''

''تمھیں اپنی پینٹنگز بیچنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے..... مت بیچو اپنی پینٹنگز تمھیں کس چیز کی کمی ہے..... جن پینٹنگز کو تم نے بنانا چھوڑ دیا ہے۔ وہی تمہاری Essence تھیں، تمہاری پہچان تھیں اور کون کہتا ہے تم انھیں دو ہزار میں بیچو۔ مت بیچو صرف نمائش کرو اور ان پر وہ قیمت لگا دو جس پر تم انھیں بیچنا چاہتی ہو۔ اگر کوئی وہ قیمت ادا کرتا ہے تو ٹھیک ورنہ مت بیچو۔ اپنے پاس رکھو۔''

''اس سے کیا ہوگا۔ مجھے شہرت تو نہیں ملے گی۔ پینٹنگز میرے پاس رہیں گی تو کیا ہوگا۔ میں چاہتی ہوں میں اپر کلاس کی آرٹسٹ بنوں۔''

بورژوا کلاس کے لیے Nude paintings بنانے والی آرٹسٹ؟'' ذالعید کو دکھ ہوا۔

''ذالعید! اگر مجھے انٹرنیشنل مارکیٹ میں جانا ہے تو مجھے اپنا اسٹائل بدلنا ہے اور میں نے وہی کیا ہے یہ وہ تصویریں ہیں جو مجھے انٹرنیشنل لیول پر شہرت دلائیں گی۔''

''یہ وہ تصویریں ہیں جو تمہارا نام ڈبو دیں گی، تم اپنا اسٹائل چھوڑ دو گی، تم سب کچھ کھو دو گی۔'' وہ اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''یہ تم نہیں بول رہے ذالعید! یہ ماما جان بول رہی ہیں ورنہ تم اتنے کنزرویٹو کبھی نہیں ہو سکتے تھے۔ مجھے اسی دن سے خوف آتا تھا۔ آج تمھیں ان پینٹنگز پر اعتراض ہے کل تم چاہو گے کہ میں پینٹنگ کروں ہی ناں۔ پرسوں تم مجھے گھر کے اندر رکھنا چاہو گے۔ اس کے بعد تم ہر روز مجھ پر ایک نئی پابندی لگاؤ گے۔ مگر یاد رکھو میں ماما جان نہیں ہوں۔ میں نے تم سے اس لیے شادی نہیں کی کہ تم.....'' ذالعید نے اس کی بات کاٹ دی۔

''میں تم پر کوئی پابندی نہیں لگا رہا نہ ہی لگاؤں گا۔ میں تمہیں صرف سمجھا رہا تھا۔ تم آزاد ہو جو کرنا چاہتی ہو کرو۔ میں تم پر کبھی بھی زبردستی نہیں کروں گا۔ نہ ہی تمہیں گھر کے اندر بند کر کے رکھوں گا'' وہ سنجیدگی سے کہتا ہوا وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔

***

مریم نے اس دن دوپہر کو ذالعید کے آفس فون کیا۔ اس دن وہ گھر پر ہی تھی اور اس کا دل چاہا کہ وہ ذالعید کے ساتھ کہیں باہر لنچ کرے۔

''ذالعید صاحب آفس میں نہیں ہیں۔'' اس کی سیکرٹری نے اسے بتایا۔

''کہاں ہیں وہ؟''

''وہ لنچ کرنے گئے ہیں۔''

''کہاں گئے ہیں؟''

''یہ نہیں پتا۔'' مریم نے فون بند کر دیا اور موبائل پر کال کرنے لگی۔ موبائل پر جلد ہی ذالعید کے ساتھ اس کا رابطہ ہو گیا۔

''کہاں ہو ذالعید تم؟ میں لنچ کرنا چاہ رہی تھی تمہارے ساتھ۔'' اس نے رابطہ ہوتے ہی کہا۔

''مگر میں تو لنچ کر چکا ہوں۔'' ذالعید نے اس سے کہا۔ مریم کو مایوسی ہوئی۔

''کل کا پروگرام رکھیں؟''

''نہیں لنچ کا کوئی پروگرام میں تمہارے ساتھ سیٹ نہیں کر سکتا۔ میری کئی بار کلائنٹس کے ساتھ میٹنگز ہوتی ہیں۔'' ذالعید نے صاف انکار کر دیا۔

''کہاں لنچ کرتے ہو تم؟'' مریم کو کچھ تجسس ہوا۔ دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی۔ ''کوئی مخصوص جگہ نہیں ہے۔ موڈ کے مطابق ریسٹورنٹ بدلتا رہتا ہوں۔ اچھا اب میں مصروف ہوں رات کو ملوں گا۔ ذالعید نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

مریم نے دوبارہ فیکٹری فون کیا۔ ''ذالعید کی آج لنچ پر کسی کلائنٹ کے ساتھ اپائنٹمنٹ ہے؟ ذرا چیک کر کے بتائیں۔'' اس نے سیکرٹری سے بات کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں، لنچ پر تو وہ کبھی بھی کوئی اپائنٹمنٹ نہیں رکھتے۔ انھوں نے خاص طور پر منع کیا ہوا ہے۔'' مریم چند لمحوں کے لیے کچھ بول نہیں سکی۔

''لنچ کے لیے کس وقت جاتے ہیں؟''

''ایک بجے۔''

''اور واپس کس وقت آتے ہیں؟''

''چار بجے۔''

''روز یہی روٹین ہے؟''

''ہاں۔''

''کتنے عرصے سے؟''

''تقریباً دو سال سے۔'' وہ دم بخود رہ گئی۔

فون بند کرنے کے بعد وہ بے حد پریشان تھی۔ ''وہ تین گھنٹے کہاں گزارتا تھا؟ اور پچھلے دو سال سے۔ اسے ایک دم سونے جیسے بال یاد آ گئے۔

''پچھلے دو سال...... ؟ کیا ہوا ہے پچھلے دو سال میں؟'' وہ بے تابی سے لاؤنج میں چکر لگانے لگی۔ وہ پچھلے دو سال میں واقعی بہت بدل گیا تھا۔ اسے اس کی شخصیت میں ہونے والی تمام تبدیلیاں یاد آنا شروع ہو گئیں۔ شادی کے تین سال میں پہلی دفعہ وہ خوفزدہ ہوئی۔

''کیا میرا اور اس کا رشتہ اتنا ناپائیدار تھا کہ......؟'' وہ صوفہ پر بیٹھ کر اپنے ناخن کاٹنے لگی۔ ''ذالعید کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیوں جھوٹ بول رہا ہے وہ؟''

وہ اس دن کہیں نہیں گئی۔ رات تک اس کا انتظار کرتی رہی۔ ذالعید اسے خلاف معمول گھر پر دیکھ کر حیران ہوا۔

''آج کہیں جانے کا ارادہ نہیں ہے؟'' اس نے خوشگوار انداز میں اس سے پوچھا۔

''جانا تو چاہتی تھی مگر تم نے منع کر دیا۔'' اس نے گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''لنچ کی بات کر رہی ہو تم...... چلو اب چلتے ہیں۔ ڈنر کہیں باہر کر لیتے ہیں۔'' ذالعید نے اسے آفر کی۔ چند لمحوں کے تامل کے بعد مریم نے اس کی آفر قبول کر لی۔

ریسٹورنٹ میں کھانا سرو ہونے کے بعد وہ دونوں بڑی خاموشی سے کھانا کھانے لگے۔ ''میں ڈیڑھ ماہ کے لیے انگلینڈ جا رہا ہوں۔'' ایک لمبی خاموشی کے بعد اس نے کہا۔ مریم نے ہاتھ میں پکڑا ہوا گلاس نیچے رکھ دیا۔

''کس لیے؟'' وہ چاہتے ہوئے بھی اپنے لہجے کی خشکی نہیں چھپا سکی۔

''کچھ کام ہیں...... فیکٹری سے متعلقہ۔'' وہ کھانا کھاتا رہا۔ مریم اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کرتی رہی۔

''خاصا لمبا عرصہ ہے۔'' کچھ دیر کی خاموشی کے بعد مریم نے کہا۔

''ہاں...... مگر کیا کیا جا سکتا ہے۔'' اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

''میں سوچ رہی ہوں۔ میں بھی تمہارے ساتھ رہوں۔ خاصا عرصہ ہو گیا، ہم کہیں اکٹھے نہیں گئے۔'' اس نے کھانا کھاتے ہوئے ذالعید کا ہاتھ رکتے دیکھا۔ کچھ دیر دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے رہے۔

''تم بہت مصروف رہتی ہو۔ اتنا وقت نکال سکو گی؟'' اس نے چند لمحوں کے بعد کہا۔

''ہاں، نکال لوں گی۔'' مریم نے بڑے اطمینان سے پانی کا گلاس دوبارہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے چلو۔'' وہ بھی دوبارہ کھانا کھانے لگا۔

مریم الجھ گئی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی آسانی سے اسے ساتھ لے جانے پر مان جائے گا۔ ''ہو سکتا ہے یہ سب میرا وہم ہو...... ہو سکتا ہے وہ واقعی لنچ پر......''

''ذالعید! تمہاری سیکرٹری کہہ رہی تھی کہ تم لنچ کے دوران کسی کلائنٹ کے ساتھ میٹنگ نہیں رکھتے۔'' اس نے ذالعید سے صاف صاف بات کرنے کا سوچا۔

مریم نے اس کے چہرے پر پہلے تعجب اور پھر خفگی دیکھی۔ ''تم میری سیکرٹری سے میرے بارے میں تفتیش کر رہی تھیں۔'' اس نے خاصے خشک انداز میں نیپکن سے منہ صاف کرتے ہوئے کہا۔ اس کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔

''نہیں، ایسی بات نہیں ہے۔ میں نے پہلے اسے ہی فون کیا تھا۔ تم ملے نہیں تو میں اس سے باتیں کرنے لگی۔'' مریم نے جھوٹ بولا۔ وہ کچھ دیر اسے گھورتا رہا۔

''سیکرٹری میرے بارے میں صرف اتنا ہی جانتی ہے جتنا میں اسے بتاتا ہوں۔ ضروری نہیں ہے کہ میں اپنے ہر کلائنٹ کے بارے میں اس کو بتاؤں اور ہر کلائنٹ سے بزنس ڈیلنگز ہی تو نہیں ہوتیں۔ ویسے بھی تعلقات بنائے جا سکتے ہیں۔ بعض دفعہ میں انوائیٹڈ ہوتا ہوں لنچ پر...... بعض دفعہ دوستوں کے ساتھ کر لیتا ہوں۔ تمہارے پاس بھی تو کبھی لنچ اکٹھا کرنے کے لیے وقت نہیں رہا۔ اب تین سال بعد اچانک تمہیں میرے ساتھ لنچ کرنے کا خیال آ جائے تو میں تمہارے لیے اپنی روٹین تو نہیں بدل سکتا۔'' مریم کو کچھ شرمندگی ہونے لگی۔

''اس کے بعد تم یہ تحقیق کرنے بیٹھ جاتی ہو کہ میں کہاں لنچ کرتا ہوں، کس کے ساتھ کرتا ہوں۔''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں نے ویسے ہی پوچھا ہے، تم دو تین گھنٹے کے لیے جاتے ہو۔ اس لیے میں نے سوچا شاید کوئی خاص ایکٹیویٹی ہو۔''

''میں لنچ کے بعد جم خانہ جاتا ہوں سوئمنگ کے لیے...... نہ جایا کروں؟'' مریم کو اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا۔

''سوری ذالعید۔'' اس نے ٹیبل پر دھرے ہوئے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''مریم! میرے بارے میں تمہیں زیادہ سنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے...... مجھے اگر کسی کے ساتھ افیئر چلانا ہے تو تم مجھے روک نہیں سکتیں۔ نہ ہی میں تم سے خوفزدہ ہوں کہ ہر کام چھپ کر کروں مگر میں تمہارے ساتھ اپنی زندگی سے مطمئن ہوں۔ اس لیے تمہیں مجھ پر کوئی چیک رکھنے

کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے ویٹر کو اپنی طرف بلاتے ہوئے خاصے ناخوشگوار انداز میں مریم سے کہا۔

اس نے مریم کی معذرت قبول کر لی تھی مگر مریم نے محسوس کیا کہ وہ اس واقعہ سے خاصا ڈسٹرب ہوا ہے۔ مریم کو اب اپنی جلد بازی اور حماقت کا احساس ہونے لگا۔

''ہاں واقعی یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں کہ وہ جم خانہ بھی جا سکتا ہے۔'' وہ جانتی تھی، وہ خاصی باقاعدگی سے جم خانہ جانے کا عادی تھا۔

''اور وہ ٹھیک کہتا ہے، سیکرٹری کو اس کے بارے میں ہر چیز کا پتا تو نہیں ہو سکتا اور ویسے بھی وہ اگر کچھ غلط کر رہا ہوتا تو اس نے سیکرٹری کو اپنی کسی بھی نام نہاد مصروفیت کے بارے میں ضرور بتا دیا ہوتا تا کہ کبھی اگر میری اس سے گفتگو ہو تو اس کے ان تین چار گھنٹوں کی عدم موجودگی کے بارے میں مجھ سے چھپایا جا سکے۔'' مریم مطمئن ہو گئی۔

❀

وہ دو ہفتوں کے بعد انگلینڈ چلا گیا۔ مریم اس کے ساتھ نہیں گئی۔ اسے اطمینان تھا کہ وہ اکیلا ہی گیا ہے۔

اس دن وہ شام کو جم خانہ گئی۔ جم خانہ سے نکلتے ہوئے اس کی ملاقات ذالعید کے ایک بہت اچھے دوست منظر سے ہو گئی۔

''بھابھی! یہ ذالعید کہاں ہوتا ہے آج کل؟'' اس نے چھوٹتے ہی ذالعید کا پوچھا۔

''ذالعید انگلینڈ گیا ہوا ہے۔''

''اچھا کب گیا ہے؟'' منظر نے حیران ہو کر پوچھا۔

''تین ہفتے ہو گئے ہیں۔''

''واپس کب آئے گا؟''

''ڈیڑھ ماہ کا کہا تھا اس نے...... دو ہفتے تک آ جائے گا۔''

''آپ نے تو بھابھی سب کچھ ہی چھڑا دیا ہے اس سے، شادی کے بعد تو بالکل بدل گیا ہے وہ۔ ملنے ملانے سے بھی گیا۔'' منظر نے مسکراتے ہوئے شکوہ کیا۔ مریم نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''میں نے تو کچھ بھی نہیں چھڑایا۔ دوستوں سے تو ملتا رہتا ہے وہ۔''

''مگر پہلے کی طرح تو نہیں۔ میں ہی فون کروں تو بات ہوتی ہے۔ ملنا ہو تب بھی مجھے ہی جانا پڑتا ہے۔ کوئی دوستوں کی گیٹ ٹوگیدر ہو تب اس کے پاس کوئی نہ کوئی بہانا ہوتا ہے۔ جم خانہ بھی بہت کم آتا ہے وہ۔''

''نہیں جم خانہ تو روز آتا ہے وہ دوپہر کو سوئمنگ کے لیے۔'' مریم نے کہا۔

''نہیں...... سوئمنگ کے لیے اگر کبھی آئے تو شام کو آتا ہے...... اور بہت کم ہی ایسا ہوتا ہے۔ دوپہر کو تو وہ کوئی مصروفیت نہیں رکھتا۔ کہتا ہے گھر پر مجھے لنچ کرنا ہوتا ہے۔'' مریم حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگی۔

''نہیں، لنچ تو کبھی اس نے گھر پر نہیں کیا۔ لنچ وہ دوستوں کے ساتھ یا کلائنٹس کے ساتھ ہی کرتا ہے۔''

''نہیں بھابھی...... لنچ کہاں وہ ہم لوگوں کے ساتھ کرتا ہے، پچھلے دو سال سے کم از کم میں نے اس کے ساتھ کوئی لنچ نہیں کیا۔ اگر کبھی اس کو انوائٹ بھی کریں تو وہ معذرت کر لیتا ہے۔ ہم لوگ اسی لیے لنچ کے بجائے ہمیشہ ڈنر کا پروگرام ہی بناتے ہیں تاکہ وہ بھی آ جائے۔''

''لنچ کبھی گھر پر نہیں کیا اس نے۔'' وہ بڑبڑائی۔

''پتا کریں بھابھی اس کا...... کوئی اور ہی چکر نہ ہو۔'' منظر نے ہنستے ہوئے کہا۔ مریم نے مسکرانے کی کوشش کی۔

''اچھا بھابھی! دوبارہ ملاقات ہوگی۔'' منظر خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔ وہ گاڑی میں بیٹھنے کے بجائے واپس جم خانہ چلی گئی۔

چند منٹوں میں اسے یہ پتا چل گیا تھا کہ وہ کبھی دوپہر کو سوئمنگ کرنے جم خانہ نہیں آیا۔ وہ اسکواش کھیلنے بھی کبھی آتا تھا تو شام کے وقت آتا تھا۔ مریم کے اندر جیسے جھکڑ چلنے لگے۔

''اتنا جھوٹ......؟'' وہ بالکل بے یقینی کے عالم میں تھی۔

''وہ یہ تین گھنٹے آخر کہاں گزارتا ہے؟'' اچانک اسے خیال آیا۔

''کہیں یہ ماما جان کے پاس تو نہیں جاتا؟'' اس نے اپنے خیال کی خود ہی تردید کی۔

''نہیں، ہر روز اتنا وقت تو ان کے ساتھ نہیں گزار سکتا اور اس نے کہا تھا کہ وہ ماما جان کے پاس کبھی کبھار جاتا ہے۔'' اسے کافی عرصہ پہلے اس کے ساتھ ہونے والی اپنی گفتگو یاد آئی اور ماما جان نے بھی تو یہی کہا تھا کہ وہ بہت کم ہی ان سے ملنے آتا ہے۔ پھر ماما جان کے پاس جا کر وہ کیا کرے گا۔

وہ گھر آنے پر بھی بے حد پریشان تھی۔ اپنے بیڈ پر بیٹھی چکراتے ہوئے سر کے ساتھ وہ ذالعید کی غلط بیانی کے بارے میں سوچتی رہی۔ پھر یک دم وہ ذالعید کی بیڈ سائیڈ ٹیبل کے دراز کھولنے لگی۔ وہ پتا نہیں وہاں سے کیا ڈھونڈنا چاہتی تھی۔

❀

اگلے دن اس نے ڈریسنگ روم میں اس کے دراز کھولنے کی کوشش کی۔ ذالعید کے دراز لاکڈ تھے۔ ان کی چابیاں اسی کے پاس تھیں۔ وہ باہر نکل آئی۔ ملازم کو لے کر وہ دوبارہ اندر آئی۔

''یہ دراز کھلوانے ہیں مجھے، ان کی چابیاں گم ہوگئی ہیں۔''

''مگر بیگم صاحبہ! ان کے لیے تو کسی آدمی کو بلوانا پڑے گا لکڑی کٹوانے کے لیے کیونکہ ان تالوں کی چابیاں نہیں بن سکتیں یہ تو باہر کے ہیں۔''

''تو جاؤ تم، آدمی لے آؤ۔'' ملازم اس کی بات پر سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔

مریم کو اچانک ایک خیال آیا۔ اس نے فیکٹری فون کیا۔ ''ذالعید کے موبائل فون کے بلز چاہئیں مجھے۔'' اس نے سیکرٹری سے کہا۔ سیکرٹری نے کچھ دیر اسے انتظار کروایا اور پھر کہا۔

''ایک موبائل فون کے یا دونوں کے۔''

''نہیں۔ میرے موبائل فون کے بلز نہ بھجوائیں، صرف ذالعید کے بھجوا دیں۔'' مریم نے سوچا۔ وہ شاید اس کے موبائل فون کی بھی بات کر رہی ہے۔

''نہیں۔ میں آپ کے موبائل فون کی بات نہیں کر رہی ہوں۔ ذالعید صاحب کے دونوں موبائل فونز کی بات کر رہی ہوں۔'' مریم کچھ حیران ہوئی۔ اس کے خیال کے مطابق ذالعید کے پاس صرف ایک ہی موبائل فون تھا۔ کم از کم اس نے ذالعید کے پاس ایک ہی موبائل فون دیکھا تھا۔

''ٹھیک ہے، آپ دونوں کے بھیج دیں۔ پچھلے دو سال کے بلز۔'' اس نے فون پر ہدایت دی اور ریسیور رکھ دیا۔

آدھ گھنٹہ کے بعد فیکٹری کا ڈرائیور بلز کی فائلز دے گیا۔ مریم دیکھنا چاہتی تھی کہ ذالعید کے موبائل فون کے بلز میں ایسا کون سا نمبر ہے جس سے وہ شناسا نہیں۔ اگر واقعی اس کی زندگی میں کوئی دوسری عورت موجود تھی تو پھر ایک ایسا فون نمبر بھی ہونا چاہیے تھا جس پر بار بار کال کی گئی ہو یا جس سے ذالعید کو کالز کی گئی ہوں۔ اس کا اندازہ ٹھیک تھا۔ وہاں ایک موبائل نمبر ایسا تھا جس پر دن میں تین چار بار طویل کالز کی گئی تھیں۔ مریم فون نمبرز والی ڈائری نکال کر اس نمبر کو ڈھونڈنے لگی تاکہ یہ اندازہ لگا سکے کہ وہ نمبر کس کا تھا۔ ڈائری میں کہیں بھی وہ نمبر نہیں تھا۔ اس نے ایک بار پھر اس کی سیکرٹری کو فون کیا اور وہ نمبر دہراتے ہوئے کہا۔

''کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ یہ نمبر کس کا ہے۔ میں چاہتی ہوں، آپ کلائنٹس کی لسٹ چیک کریں۔ فیکٹری کی ایکسچینج سے پتا کریں۔'' اس کی بات کے جواب میں سیکرٹری نے کہا۔

''میڈم! یہ ذالعید صاحب کے دوسرے موبائل کا نمبر ہے۔ میں نے آپ کو اس کے بلز کی فائلز بھی بھجوائی ہیں۔'' اس نے الجھ کر فون بند کر دیا اور دوسری فائلز کھول کر دیکھنے لگی۔ وہ واقعی اس کے دوسرے موبائل فون کا نمبر تھا۔

''کیا تماشا ہے یہ؟ کیا وہ اپنے ایک موبائل فون سے دوسرے موبائل فون پر رنگ کرتا رہا ہے۔'' وہ بری طرح الجھنے لگی۔

اس کے ذہن میں یک دم جیسے ایک جھماکہ ہوا۔

کیا ذالعید نے اس دوسری عورت کو موبائل فون خرید کر دیا ہے اور...... اور وہی اس کا بل ادا کرتا ہے اور یہ دوسرا موبائل فون یقیناً اس عورت کے پاس ہوگا...... اور اگر یہ عورت اس وقت ذالعید کے ساتھ ہے تو یہ موبائل فون آف ہونا چاہیے۔'' اس نے فون کا ریسیور اٹھا کر اس نمبر پر کال کرنی شروع کر دی۔ موبائل آف تھا۔ اس کا غصہ اب آسمان کو چھونے لگا۔

''میری آنکھوں میں دھول جھونکتا رہا یہ شخص۔'' وہ بلز کی فائلز دیکھتی رہی۔

دوسرا کنکشن دو سال پہلے ہی لیا گیا تھا اور تب سے اب تک اس پر صرف ذالعید کی کالز ریسیو کی گئی تھیں۔

''دو سال...... دو سال...... دو سال۔ کیا کیا ہے اس شخص نے ان دو سالوں میں۔'' اس نے فائلز اٹھا کر دور پھینک دیں۔

ایک گھنٹہ کے بعد ملازم ایک آدمی لے کر آ گیا جس نے اس کے دراز کھول دیے۔ ملازم اور اس آدمی کے چلے جانے کے بعد وہ سارے دراز نکال کر بیڈ پر لے آئی اور انھیں وہاں پلٹ دیا۔ ان چیزوں میں اسے کچھ بھی ایسا نہیں ملا جسے وہ ذالعید کے خلاف ثبوت قرار دیتی۔

وہ بار بار ان تمام کاغذات کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے اندر جا کر اس کی پوری وارڈ روب چھان ماری۔ کہیں بھی کچھ بھی نہیں تھا۔ اسے طیش آنے لگا۔

''کس قدر مکار شخص ہے یہ۔ کیسے ممکن ہے کہ میں اسے پکڑ نہ پاؤں۔''

اس نے تمام چیزیں دوبارہ درازوں میں ڈالنا شروع کر دیں اور تب ہی ایک چیک بک کو سرسری نظر سے دیکھتے ہوئے ایک لفظ نے اس کی نظر اپنی جانب مبذول کر لی۔ وہ بالکل نئی چیک بک ذالعید کی نہیں تھی، اس کے باہر خدیجہ نور لکھا ہوا تھا۔ وہ چند لمحوں کے لیے ساکت ہو گئی۔

اکاؤنٹ ایک لاکھ روپے سے کھلوایا گیا تھا۔ اس نے ذالعید کی تمام چیک بکس واپس نکال لیں اور ان کی کاؤنٹر فائلز دیکھنے لگی۔ ایک چیک بک کی کاؤنٹر فائل میں خدیجہ نور کے نام ایک لاکھ کا چیک کاٹا گیا تھا۔ اس کے بعد اسی چیک بک سے خدیجہ نور کے نام بہت سے چھوٹی مالیت کے چیک بھی کاٹے گئے تھے۔ پانچ ہزار، دس ہزار، پندرہ ہزار...... کاؤنٹر فائلز خدیجہ نور کے نام سے بھری ہوئی تھیں۔

وہ خدیجہ نور کون تھی۔ وہ جانتی تھی۔ وہ کہاں رہتی تھی؟ یہ بھی اس کے علم میں تھا۔ مگر اس کا ذہن ابھی بھی ایک شاک کی حالت میں تھا۔

''ذالعید...... یا اللہ...... خدیجہ نور۔ کیسے ہو سکتا ہے یہ سب کچھ۔ کیسے۔'' اس نے ماؤف ذہن کے ساتھ ایک بار پھر ان کاغذات کو دیکھنا شروع کر دیا۔ ان ہی کاغذات میں ایک تصویر کے نیگیٹو کا لفافہ تھا۔

اس نے نیگیٹو نکال کر روشنی میں اسے دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ ایک عورت کی پاسپورٹ سائز تصویر تھی۔ وہ فوٹو گرافر سے واقف تھی۔ اس نے لفافے پر نمبر دیکھتے ہوئے فوٹو گرافر کو فون کیا۔

وہ تصویر چند ماہ پہلے کھنچوائی گئی تھی۔ وہ اپنے اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا وہ کسی بھی وقت اپنا ذہنی توازن کھو دے گی۔ مگر وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے اتنی بری طرح فریب کھایا تھا کہ......

اسے یاد آ گیا کہ وہ سونے جیسے بال کس کے تھے۔ مگر وہ کچھ بھی کرنے سے پہلے ہر ثبوت اکٹھا کر لینا چاہتی تھی۔ وہ اب پہلے کی طرح اس شخص کو بچنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔

ایک کاغذ پر ایڈریس لکھ کر اس نے ملازم کو دیا۔ ''پتا کر کے آؤ کہ کیا یہ عورت گھر پر ہے اور اگر نہیں ہے تو کہاں ہے اور کب واپس آئے گی؟'' اس نے ملازم سے کہا۔ وہ سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔

اس نے زندگی میں کبھی خود کو اس قدر اکیلا اور تنہا محسوس نہیں کیا تھا جتنا اس نے اس دن خود کو محسوس کیا۔

''مجھے کس طرح کنوئیں میں دھکیلا ہے۔ کس طرح......'' وہ غم و غصے کی حالت میں تھی۔

ملازم آدھ گھنٹے کے بعد اس اطلاع کے ساتھ واپس آ گیا کہ وہ عورت گھر پر نہیں ہے۔ وہ تین ہفتے سے کہیں گئی ہوئی ہے اور شاید دو ہفتوں کے بعد آئے۔ اسے اسی اطلاع کی توقع تھی۔

''میرے ساتھ تم دونوں نے جو کچھ کیا ہے، میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔ کیا کوئی دوسری عورت ذالعید کو مجھ سے چھین سکتی ہے اور

وہ بھی خدیجہ نور جیسی عورت۔ کیا میری پشت میں خنجر وہ گھونپے گی۔'' وہ ساری رات بے تحاشا روتی رہی۔

⁂

ذالعید نے معمول کے مطابق دوسرے دن اسے فون کیا۔ مریم نے اس سے اسی طرح بات کی جس طرح وہ پہلے کرتی رہی تھی۔ اس نے پہلی دفعہ محسوس کیا تھا کہ ذالعید کی آواز میں ایک عجیب سی خوشی اور اطمینان ہے۔ اس نے کچھ دو چار باتیں کرتے رہنے کے بعد فون بند کر دیا۔

''کوئی عورت تمہاری طرح بے وقوف نہیں ہو سکتی اُمّ مریم...... ! واقعی تم سے بڑھ کر بے وقوف اور کوئی نہیں ہے مگر میں سب کچھ ختم نہیں ہونے دوں گی۔ میں ایک بار ذالعید کو پانے کے بعد دوبارہ کھو نہیں سکتی۔ میں خدیجہ نور کو اس کی زندگی سے نکال دوں گی۔ میں اسے جان سے مار دوں گی۔''

وہ اپنا سارا آرٹ ورک بھول گئی تھی۔ ذالعید کی واپسی سے پہلے کے دو ہفتے اس نے گھر پر بند رہ کر گزارے۔ اس نے پہلے دفعہ عید اکیلے گزاری۔ کسی دعوت، کسی تقریب، کسی ڈنر میں شرکت کے بغیر...... اس نے عید کی کوئی تیاری نہیں کی تھی۔ سارا دن وہ گھر کے کپڑوں میں ملبوس پھرتی رہی۔ اس نے عید پر بھی اسے فون پر بڑی گرم جوشی سے مبارک باد دی۔ پھر فون پر زینب سے کچھ دیر باتیں کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

''میں صرف تمہارا انتظار کر رہی ہوں ذالعید۔ صرف تمہارا انتظار...... میں چاہتی ہوں، تم واپس آ جاؤ...... اور پھر...... پھر میں تمھیں اور اس عورت کو۔'' اس نے اس کا فون بند کرتے ہوئے سوچا۔

⁂

وہ عید کے پانچویں دن دوپہر کو واپس پہنچ گیا۔ اس نے اپنی واپسی کے بارے میں اطلاع نہیں دی تھی مگر مریم پھر بھی اسے دیکھ کر حیران نہیں ہوئی۔ وہ اس کا حلیہ دیکھ کر ضرور حیران ہوئی تھی۔

''تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟'' اس نے بڑی نرمی اور محبت سے مریم سے پوچھا۔

''ہاں، میں ٹھیک ہوں۔'' مریم نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

''تم بہت کمزور لگ رہی ہو۔''

''نہیں۔ میں کمزور نہیں ہوں۔'' ذالعید نے کچھ حیران ہو کر اس کا جواب سنا۔

وہ اس کے آنے کے کچھ دیر بعد ہی گاڑی کی چابی لے کر لاؤنج میں آ گئی۔ ''مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے۔ میں کچھ دیر میں واپس آؤں گی۔'' اس نے اپنے لہجے کو حتی المقدور نارمل رکھتے ہوئے کہا۔

''ابھی...... میں چاہ رہا تھا کہ باتیں کریں گے۔ مجھے تمھیں بہت کچھ بتانا ہے۔''

''ہاں، مجھے بھی تمھیں بہت کچھ بتانا ہے اور بہت سی باتیں کرنی ہیں مگر ابھی نہیں چند گھنٹوں بعد۔'' وہ تیزی سے کہتی ہوئی لاؤنج سے نکل گئی۔

ذالعید نے الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر کندھے اچکاتے ہوئے زینب سے باتیں کرنے لگا۔

⁂

بائیسواں باب

مظہر کے جانے کے دوسرے دن وہ لندن چھوڑ کر برمنگھم چلی گئی۔ لندن میں رہ کر وہ اپنی یادوں سے فرار حاصل نہیں کر سکتی تھی۔ اور وہ کچھ عرصہ کے لیے سب کچھ بھلا دینا چاہتی تھی۔

وہ اپنی ماں کی طرح زندگی گزار کر مرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ زندگی کس قدر اذیت ناک تھی، اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور اسے اپنے لیے ویسا انجام سوچتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔ برمنگھم میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد وہ لیسٹر چلی گئی اور اگلے پانچ سال اس نے لیسٹر میں ہی گزارے تھے۔

اسلامک سینٹر کے توسط سے اسے ایک جگہ کام مل گیا تھا۔ اس کی محدود ضروریات کے لیے وہ رقم کافی تھی جو اسے ملتی تھی۔ کام سے فارغ ہونے کے بعد وہ اسلامک سینٹر چلی جاتی اور رضاکارانہ بہت سی خدمات انجام دیتی۔

پانچ سال کے عرصہ میں اس سینٹر اور وہاں کی پاکستانی کمیونٹی میں وہ ایک جانا پہچانا نام بن گئی تھی۔ کسی کو اس کے علاوہ اس کے بارے میں اور کچھ نہیں پتا تھا کہ وہ ایک مطلقہ ہے۔ لیکن شاید کسی کو اس بات کی زیادہ پروا بھی نہیں تھی۔ ان کے لیے وہ بس خدیجہ نور تھی۔ ایک ایسی عورت جو بڑے مشفق اور مہربان انداز میں ہر اس معاملے میں ان کی مدد کے لیے تیار رہتی تھی جس میں وہ اس کی مدد چاہتے۔

پاکستانی عورتوں کو اس لیے اس کے ساتھ گفتگو میں آسانی رہتی کیونکہ وہ وہاں واحد غیر ملکی عورت تھی جو اردو زبان سمجھ اور کسی حد تک بول لیتی تھی۔ وہ نئی آنے والی عورتوں کو وہاں کے کلچر اور راستوں کے بارے میں بہت اچھی طرح گائیڈ کر دیتی۔ انھیں اس سے انس ہوتا جا رہا تھا۔

خدیجہ نے اپنے بیٹے کو ڈھونڈنے یا واپس لینے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ وہ مظہر سے بہت اچھی طرح واقف تھی اور وہ جانتی تھی کہ اس نے صرف دھمکی نہیں دی تھی، وہ واقعی اسے مار دیتا...... اسلامک سینٹر کی انتظامیہ نے شروع میں اس سلسلے میں اس کی مدد کرنے کی پیش کش کی مگر خدیجہ نے انکار کر دیا۔

شاید اس کے دل میں کہیں یہ خدشہ موجود تھا کہ اگر وہ کسی طرح اپنے بیٹے کو اپنے پاس لے بھی آتی ہے تب بھی بڑا ہونے پر اگر وہ بھی کسی طرح اس بات سے واقف ہو گیا کہ مظہر نے اسے کیوں چھوڑا تھا تو شاید وہ بھی اسے اسی طرح چھوڑ دے گا...... یا اس سے نفرت کرنے لگے گا۔

وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ مظہر اسے اس کی ماں کے بارے میں کیا بتائے گا مگر اسے یقین تھا کہ مظہر اسے کبھی یہ نہیں بتائے گا کہ اس کی ماں ایک کال گرل تھی۔

پانچ سال کے بعد حالات اسے ایک نئے موڑ پر لے آئے۔ وقتاً فوقتاً اسلامک سینٹر آنے والی ساجدہ نامی ایک عورت نے لمبی چوڑی تمہید کے بعد ایک دن اس سے کہا۔

''پاکستان میں میرا ایک بھائی ہے، اس کی عمر کچھ زیادہ ہے۔ اصل میں ہم چار بہنیں تھیں۔ جب ہمارے ماں باپ کی وفات ہوئی تو اس وقت یہی بھائی بڑا تھا۔ اس نے ہمیں ماں باپ بن کر پالا...... ہم سب کی شادیاں کیں۔ ہم سب کی شادی کرتے وقت اتنا وقت گزر گیا کہ وہ خود شادی نہیں کر سکا اور اس کی عمر زیادہ ہوگئی۔ اب ہم لوگ چاہتے ہیں کہ وہ شادی کر لے مگر وہ چاہتا ہے کہ ذرا بڑی عمر کی لڑکی سے شادی ہو جو اچھے طریقے سے اس کے ساتھ رہے اور اس کے لیے کوئی پریشانی کھڑی نہ کرے۔ میرے ذہن میں بار بار آپ کا خیال آ رہا تھا۔ میں چاہتی ہوں کہ اس کی شادی آپ سے ہو جائے۔ میں یقین دلاتی ہوں کہ وہ آپ کو بہت خوش رکھے گا۔'' خدیجہ حیرت سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''شادی؟ کیا ایک بار پھر؟...... اور کیوں؟'' ساجدہ اس کی خاموشی پر کچھ پریشان ہوگئی۔

''آپ اچھی طرح سوچ لیں۔ ہمیں کوئی جلدی نہیں۔''

❁

اس دن گھر جا کر وہ عجیب سی کشمکش کا شکار ہو رہی تھی۔ مظہر کے بعد آج دوسری بار اسے شادی کی پیشکش کی گئی تھی۔ وہ پہلی شادی کا انجام دیکھ چکی تھی اور اب ایک بار پھر سے وہ اس تکلیف دہ دور سے گزرنا نہیں چاہتی تھی...... مگر وہ ساری زندگی تنہائی اور کرائے کے گھروں میں رہتے ہوئے اپنا بڑھاپا کسی اولڈ ہوم میں بھی نہیں گزارنا چاہتی تھی۔

اس نے اگلے دن اسلامک سینٹر میں ایک مسلم اسکالر سے اس سلسلے میں بات کی۔ ''کسی شخص کے لیے ساری عمر بیٹھے رہنا ہمارے دین میں نہیں ہے۔ آپ نے ایک شخص سے شادی کی۔ وہ شادی ناکام رہی۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کو کسی دوسرے شخص سے دوبارہ شادی نہیں کرنی چاہیے۔ اگر یہ شخص آپ کے معیار پر پورا اترتا ہے تو آپ کو اس سے شادی کر لینی چاہیے۔'' انھوں نے بڑی سنجیدگی سے اسے مشورہ دیا۔

''مگر مجھے اپنے پہلے شوہر سے اب بھی محبت ہے۔ میں نہیں جانتی کہ میں کبھی اس محبت کو اپنے دل سے نکال پاؤں گی یا نہیں۔'' اس نے بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''اس چیز کو آپ اللہ پر چھوڑ دیں۔ وہ دلوں کو بدلنے والا ہے۔ ہو سکتا ہے، شادی کے بعد آپ کو اپنے دوسرے شوہر سے بھی محبت ہو جائے۔'' اس کے چہرے پر یقیناً کچھ ایسے تاثر نمودار ہوئے تھے جنھوں نے ڈاکٹر عبداللہ کو یہ بتا دیا کہ وہ ان کی باتوں سے قائل نہیں ہوئی۔

''ایک عورت کو پورا حق ہے کہ طلاق یا شوہر کی وفات کی صورت میں وہ جب چاہے دوسری شادی کر لے اور یہ اس کے لیے بہت بہتر عمل ہے۔ زندگی خوابوں اور یادوں کے سہارے گزارنے والی چیز نہیں ہے...... اسے اچھے طریقے سے گزارنے کے لیے حقیقت پسندی ہونی چاہیے۔ خلافت کے زمانے میں قاضی کی ایک اہم ذمہ داری بیوہ عورتوں کی دوبارہ شادی کروانا بھی ہوتی تھی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دین عورت کے دوبارہ گھر بسانے کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ اتنی اہمیت کہ ریاست نے یہ کام اپنے ذمہ لے لیا...... اور یہ صرف اس لیے تھا کیونکہ عورت کو معاشی، معاشی، ذہنی، جذباتی اور جسمانی طور پر ہمیشہ کسی سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اکیلے زندگی گزارنا مرد کے لیے بہت مشکل ہوتا ہے تو پھر عورت کے لیے تو......

خاص طور پر اس صورت میں جبکہ وہ کم عمر ہو۔ آپ ابھی تیس سال کی ہیں۔ صرف تین سال آپ نے شوہر کے ساتھ گزارے۔ کیا ان تین سال کے عوض آپ اپنی پوری زندگی ضائع کر دیں گی، جبکہ آپ یہ بھی جانتی ہیں کہ زندگی دوبارہ ملنے والی چیز نہیں ہے۔ آپ کا حق ہے کہ آپ دوبارہ گھر بسائیں، اولاد پیدا کریں، رشتے بنائیں، تعلقات بڑھائیں...... یہ مشکل کام ہے، ناممکن نہیں...... مگر کسی ایک شخص کی یادوں کو گلے سے لگا کر نہ بیٹھیں۔ عین ممکن ہے۔ کل آپ کو اس وقت اپنے اس فعل پر پچھتاوا ہو، جب وقت آپ کے ہاتھ سے نکل چکا ہو۔ تب اکیلے رہنا آپ کی مجبوری بن جائے گی اور اس وقت یہ یادیں اور محبت آپ کو طوق کی طرح لگے گی......'' وہ پلکیں جھپکے بغیر ان کا چہرہ دیکھتے ہوئے بات سن رہی تھی۔

''مرد عورت کی طرح محبتیں گلے میں لٹکا کر نہیں پھرتا۔ وہ حقیقت پسند ہوتا ہے یا یہ کہہ لیں کہ اسے اپنی ذات سے محبت ہوتی ہے۔ وہ محبت سے زیادہ اہمیت اپنی ضرورت کو دیتا ہے۔ ایک شادی کرتا ہے...... پھر وہ ناکام ہو جائے تو یادوں کا مجاور بن کر نہیں بیٹھتا، دوسری عورت زندگی میں لے آتا ہے اور ٹھیک کرتا ہے، زندگی کیوں برباد کرے وہ اپنی۔''

خدیجہ کو اپنے اعصاب پر ایک تھکن سی سوار ہوتی محسوس ہوئی۔

''دائمی محبت صرف ایک ہوتی ہے۔ ایسی محبت جسے کبھی زوال نہیں آتا اور وہ محبت اللہ کی محبت ہے۔ دوسری ہر محبت کی ایک مدت ہوتی ہے پہلے اس کی شدت میں کمی آتی ہے پھر وہ ختم ہو جاتی ہے۔''

خدیجہ نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھے۔ اس کی آنکھوں میں یک دم جلن ہونے لگی۔

''اور اگر یہ شادی بھی ناکام رہی...... اس شخص نے بھی مجھے چھوڑ دیا تو؟'' آنکھوں سے ہاتھ ہٹائے بغیر اس نے ڈاکٹر عبداللہ سے پوچھا۔

''یہ بھی ممکن ہے، یہ شادی آپ کی تمام تکالیف ختم کر دے...... یہ شخص آپ کے لیے بہت اچھا ساتھی ثابت ہو...... یہی شادی آپ کی آزمائشوں کا خاتمہ کر دے...... اگر بات امکان پر آ جاتی ہے تو ممکن تو یہ سب کچھ بھی ہو۔ کیا پہلی بار شادی کرتے ہوئے آپ کو یقین تھا کہ وہ شادی کبھی ناکام نہیں ہوگی یا یہ خدشہ تھا کہ وہ شادی ناکام ہو جائے گی...... ہماری پوری زندگی امکانات پر ٹکی ہوتی ہے اور زندگی میں سے امکانات کبھی ختم نہیں ہوتے...... شاید یہ ہو جائے، شاید وہ ہو جائے۔ اب تو اس سے نکل آئیے خدیجہ نور! اب تو اپنے مستقبل کے لیے اللہ پر بھروسا کرنا سیکھیں۔''

خدیجہ نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے اپنے ہاتھ آنکھوں سے ہٹا لیے۔

ساجدہ سے ہونے والی اگلی ملاقات میں خدیجہ نے اسے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ اس کی شادی کیوں ناکام ہوئی؟ اس کا ماضی کیسا تھا؟ وہ کون سے حالات سے گزری ہے؟ اس نے اس بار کچھ بھی نہیں چھپایا تھا...... اس بار وہ کسی کو بھی دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ ساجدہ اس کی تمام باتیں سن کر کچھ دیر خاموش بیٹھی رہی پھر اس نے کہا۔

''ہر انسان سے غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ میں اپنے بھائی کو یہ سب کچھ بتا دوں گی...... میں جانتی ہوں، وہ بھی کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔ وہ بہت اچھا ہے۔''

خدیجہ اس سے اس جواب کی توقع نہیں کر رہی تھی۔ اس کا خیال تھا، وہ یہ سب کچھ سن کر اپنا فیصلہ واپس لے لے گی مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ اپنی پیش کش پر قائم رہی۔

....

اسلامک سینٹر کے توسط سے اس کا نکاح شجاع سے ہو گیا اور وہ پاکستان چلی گئی وہاں اس کا جانا ایک نیا پینڈورا باکس کھلنے کے مترادف تھا۔

شجاع اڑتالیس سال کا واجبی شکل و صورت اور تعلیم والا ایک دکان دار تھا جو سبزی اور پھل بیچتا تھا۔ اندرون شہر کی ایک ٹوٹی پھوٹی گلی میں ایک کمرے اور صحن پر مشتمل گھر تھا جس میں وہ رہتا تھا۔ ساجدہ کی باقی تینوں بہنیں پاکستان میں ہی رہتی تھیں اور ایئر پورٹ پر وہی انھیں لینے آئی تھیں۔ شجاع ایئر پورٹ پر نہیں آیا۔

ساجدہ نے اسے یہ بتایا تھا کہ شجاع کی عمر چالیس سال ہے، وہ کاروبار کرتا ہے اور اپنے گھر اور دکان کا مالک ہے۔ مگر اس کے گھر تک آتے آتے کسی سوال کے بغیر ہی وہ بہت سی باتوں کا اندازہ کر چکی تھی۔

شجاع کو پہلی بار دیکھ کر اسے مظہر یاد آ گیا تھا۔ کسی بھی چیز میں دونوں کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا تھا مگر وہ موازنہ نہیں کر رہی تھی۔ وہ بہت خاموشی کے ساتھ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

اگلے کئی گھنٹے وہ سب لوگ باتوں اور خوش گپیوں میں مصروف رہے۔ اس کے بعد شجاع کی تمام بہنیں اپنے اپنے گھروں کو چلی گئیں۔ ساجدہ بھی اپنی ایک بہن کے ہاں چلی گئی۔

شجاع جب دوبارہ اندر آیا تو خدیجہ نے اس سے کہا ''مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔'' وہ بے حد حیران نظر آیا شاید اسے خدیجہ سے اتنی صاف اردو کی توقع نہیں تھی اور ساجدہ کے یقین دلانے پر بھی اسے یقین نہیں تھا کہ وہ اچھی اردو میں بات کر سکتی ہے۔

''میں بھی آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو دیکھ کر میں بہت پریشان ہو گیا ہوں۔'' خدیجہ کے کچھ کہنے سے پہلے اس نے کہنا شروع کر دیا۔

''آپ کیوں پریشان ہوئے ہیں؟''

''ساجدہ نے مجھ سے کہا تھا، آپ کی عمر کافی زیادہ ہے مگر آپ کو دیکھ کر مجھے ایسا نہیں لگا۔''

''میری عمر تیس سال ہے۔'' وہ فکر مند نظر آنے لگا۔

''ساجدہ نے کہا تھا آپ کی عمر پینتیس، چالیس سال ہے...... میں دوبارہ خود سے اتنی چھوٹی لڑکی سے شادی کرنا نہیں چاہتا تھا۔''

''دوبارہ؟'' خدیجہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ شجاع نے سر اٹھا کر حیرت سے اسے دیکھا۔

''میری پہلے ایک شادی ہوئی تھی...... عمر کا بہت زیادہ فرق تھا...... وہ میرے ساتھ خوش نہیں رہ سکی اور علیحدہ ہو گئی۔'' خدیجہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''کیا ساجدہ نے آپ کو یہ نہیں بتایا تھا کہ میری پہلے شادی ہو چکی ہے؟'' شجاع کو اس کے تاثرات کچھ اور پریشان کرنے لگے۔

''نہیں...... انھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ کی عمر چالیس سال ہے اور آپ نے اپنی بہنوں کی وجہ سے ابھی تک شادی نہیں کی۔'' خدیجہ نے مدھم آواز میں اس سے کہا۔ شجاع کے چہرے پر اب ندامت جھلکنے لگی۔

''میری عمر اڑتالیس سال ہے۔'' اس نے جیسے انکشاف کیا مگر خدیجہ چونکی نہیں۔ وہ پہلے ہی یہ اندازہ لگا چکی تھی۔

''کیا ساجدہ نے آپ کو میرے بارے میں بتایا؟''

''کیا؟''

''سب کچھ...... میری شادی، میرے حالات؟'' وہ جیسے ہکا بکا رہ گیا۔

''نہیں۔ اس نے ایسا کچھ نہیں کہا...... اس نے کہا تھا، آپ کی شادی نہیں ہوئی۔ آپ کسی پاکستانی سے شادی کرنا چاہتی ہیں اور آپ کو میری تعلیم، عمر یا مالی حیثیت پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' پھر وہ یک دم چونکا۔

''کیا اس نے آپ کو نہیں بتایا کہ میں سبزی اور پھل بیچتا ہوں اپنی دکان پر؟'' خدیجہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''انھوں نے ہم دونوں سے بہت سے جھوٹ بولے ہیں۔ میں آپ کے بارے میں حقیقت جان چکی ہوں۔ اب آپ میرے بارے میں بھی حقائق جان لیں۔'' خدیجہ نے مدھم آواز میں اسے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ بہت دیر تک بولتے رہنے کے بعد جب وہ خاموش ہوئی تو اس نے شجاع کے چہرے کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کی۔

وہ بے حد تھکا ہوا نظر آ رہا تھا۔ خدیجہ منتظر تھی کہ اس کا چہرہ سرخ ہو گا۔ وہ چلانے لگے گا اور اسے دھکے دے کر باہر نکال دے گا۔

مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔

''یہ سب ساجدہ مجھے بتا دیتی اور آپ کو اس طرح بے خبر نہ رکھتی تو میں آپ سے شادی کر لیتا۔ یہی بڑی بات ہے کہ آپ سب کچھ چھوڑ کر ہمارے دین میں آ گئی ہیں...... غلطیاں انسان سے ہوتی ہیں اور آپ نے تو بہت مشکل زندگی گزاری ہے۔ مگر اب اس طرح میں آپ کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ میری پہلی بیوی مجھ سے ناخوش تھی۔ میرے اصرار کے باوجود میری بہنوں نے بہت کم عمر لڑکی کا انتخاب میرے لیے کیا۔ شادی کے بعد آہستہ آہستہ جب اسے سب کچھ پتا چلتا گیا تو...... پھر اس نے طلاق لے لی۔ اس نے ٹھیک کیا مگر جتنا عرصہ وہ میرے گھر رہی، میری گردن جھکی رہی۔ میں اس فریب میں شامل نہیں تھا پھر بھی اگر میری بہنیں کچھ غلط کریں گی تو میں اس سے بری الذمہ کیسے ہو سکتا ہوں۔

آپ کے بارے میں ساجدہ نے مجھ سے کہا تھا کہ شادی کے بعد آپ مجھے اپنے ساتھ باہر لے جائیں گی...... میں بہت حیران تھا کہ...... مگر اب مجھے اندازہ ہوا ہے کہ یہ سب کچھ ایک دھوکا تھا جس میں اس نے مجھے اور آپ کو رکھا۔ وہ میری بہن ہے، میری محبت سے مجبور ہو کر اس نے ایک غلط کام کیا ہے۔ میں آپ کے سامنے بھی سر نہیں اٹھا سکتا۔ بہت اچھا ہوا، یہ سب کچھ ابھی پتا چل گیا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ میرے گھر میں آپ مہمان ہیں۔ میں آپ کو واپس انگلینڈ بھجوا دوں گا۔ آپ کو اپنے پاس سے ٹکٹ دلواؤں گا، چاہے مجھے قرضہ لینا پڑے۔ چاہے مجھے اپنی دکان بیچنی

پڑے لیکن میں آپ کو پہنچنے والی تکلیف کا ازالہ ضرور کروں گا۔ بس آپ سے ہاتھ جوڑ کر یہ درخواست کرتا ہوں کہ مجھے اور میری بہن کو معاف کر دیں، کوئی بد دعا نہ دیں۔''

خدیجہ بت بنی اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اب اس کے سامنے ہاتھ جوڑنے کے بعد، آستینوں سے اپنے آنسو صاف کرتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

''میرے اللہ! یہ شخص کون ہے کیا ہے؟ مجھ پر لعنت ملامت کرنے کے بجائے یہ اپنی غلطی پر میرے سامنے ہاتھ جوڑ رہا ہے۔ کیا اس کو میرے وجود سے گھن نہیں آئی؟ وہ گھن جو مظہر کو آئی تھی، کیا رشتہ ہے میرا اس شخص کے ساتھ؟ چند دنوں کی منکوحہ ہوں میں اس کی؟ اور یہ مجھے، میری ہر غلطی پر معاف کرنے کو تیار ہے صرف یہ کہہ کے کہ وہ میرا ماضی تھا اور اس کے لیے یہ بڑی بات ہے کہ میں اس کے دین میں آئی...... اور مظہر اس کے ساتھ تو تین سال رہی تھی میں...... میرے دن رات سے واقف تھا وہ...... میرا ایک ایک عمل اس کے سامنے تھا پھر بھی اس نے مجھے معاف نہیں کیا، کون بہتر ہے ان میں سے اعلیٰ تعلیم یافتہ، خوبصورت، دولت مند، اچھے خاندان سے تعلق رکھنے والا وہ شخص جسے میری ذات میں ایک بھی خوبی نظر نہیں آئی یا جاہل، واجبی شکل و صورت کا مالک یہ غریب شخص جو میرے عیب گنوانے کے بجائے اپنی اور اپنی بہن کی غلطیوں پر روتا ہوا گیا ہے۔''

وہ بہت دیر بعد کمرے کا دروازہ کھول کر باہر آئی۔ شجاع اندھیرے میں برآمدے کی سیڑھیوں میں بیٹھا تھا۔ اس کے قدموں کی چاپ پر کھڑا ہو گیا۔

''آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟'' وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

''روشنی کر دیں، یہاں بہت اندھیرا ہے۔'' وہ اندھیرے میں اس کے تاثر نہیں دیکھ پائی تھی مگر اس نے آگے بڑھ کر برآمدے کی دیوار پر لگا ایک بٹن دبا دیا۔ بلب کی ملگجی روشنی برآمدے کی تاریکی کو ختم کرنے لگی۔

''آپ اندر آ جائیں، یہاں بہت سردی ہے۔''

''نہیں میں...... ادھر ٹھیک ہوں، آپ آرام سے اندر سوئیں۔''

''مجھے آپ سے کوئی خوف نہیں ہے۔ آپ میرے شوہر ہیں۔ میں آپ سے بس یہ درخواست کرنا چاہتی ہوں کہ مجھے دوبارہ کبھی انگلینڈ نہیں جانا۔ میں اپنی زندگی یہاں گزارنا چاہتی ہوں۔ ہمیشہ کے لیے۔'' وہ واپس کمرے میں پلٹ گئی۔

''خدیجہ! آپ میرے بارے میں ٹھیک سے نہیں جانتیں، میرے پاس پیسہ نہیں ہے۔ میری آمدنی بہت......'' وہ بے چینی سے کہتا ہوا اس کے پیچھے اندر آیا۔ خدیجہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''شجاع! آپ دو وقت کا کھانا تو کھلائیں گے نا مجھے؟''

''ہاں لیکن......''

''پہننے کے لیے لباس بھی دیں گے؟'' ''ہاں پھر بھی......''

''اور گھر تو یہ ہے ہی......'' وہ کمال اعتماد سے کہہ رہی تھی۔ اگر عزت اور محبت دیں تو مجھے اس سے زیادہ کسی چیز کی طلب نہیں ہے۔ میں اللہ سے دعا کروں گی، وہ آپ کا رزق بڑھا دے اور میں ساری زندگی کبھی آپ کے لیے کسی تکلیف اور پریشانی کا باعث نہیں بنوں۔''

شجاع اسے بہت حیرت سے دیکھتا رہا۔ وہ کسی طرح کی عورت تھی وہ سمجھ نہیں سکا۔

........❀........

تیسواں باب

اسے نیچے دیکھتے ہوئے خوف آیا۔ برستی بارش اور تیز چنگھاڑتی ہوا اسے اوپر دیکھنے نہیں دے رہی...... چند فٹ پر پھیلا ہوا وہ ہموار چکنا شفاف ماربل کا فرش اس کے قدم جمنے نہیں دے رہا تھا۔

اس کا وجود کانپنے لگا...... پھسلنے سے بچنے کے لیے وہ ایک بار پھر فرش پر بیٹھ گئی۔ ہوا اب اور تیز ہوتی جا رہی تھی۔ بارش اور خوفناک ہو رہی تھی۔ اس نے اپنے وجود کو فرش کے قریب کرتے ہوئے دونوں ہاتھ پھیلا کر، فرش پر جمانے یا شاید فرش کو پکڑنے کی کوشش کی۔

❀

دروازے پر تالا نہیں تھا۔ مریم کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ وہ جانتی تھی، اس کے سارے خدشات ٹھیک تھے...... صرف اسے حقیقت جاننے میں دیر ہو گئی تھی، مگر وہ حقیقت جان چکی تھی۔

''ایک بات تو طے ہے ماما جان! کہ آج کے بعد میں دوبارہ کبھی آپ کی شکل نہیں دیکھوں گی۔ آپ نے ہر رشتے کا خون کر دیا ہے۔ میری پشت میں خنجر گھونپا ہے...... میں آپ کو معاف کروں گی نہ آپ کو جیتنے دوں گی۔ ذوالعید میرا تھا...... ہے اور رہے گا...... میں ہر دوسری عورت کو اٹھا کر اس کی زندگی سے باہر پھینک دوں گی اور میں آپ کے ساتھ بھی یہی کروں گی۔'' دروازے پر دستک دیتے ہوئے اس نے فیصلہ کیا تھا۔

چند لمحوں کے انتظار کے بعد اس نے اندر سے ماما جان کی آواز سنی۔ مریم کے ہونٹ بے اختیار بھینچ گئے۔

''میں ہوں...... مریم۔'' اس نے اپنی آواز میں موجود تلخی کو چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ دروازہ کھل گیا۔ اسے ماما جان کا چہرہ دیکھ کر بے انتہا نفرت اور کراہیت محسوس ہوئی۔

''سفید چادر میں ہر لمحہ اپنے وجود کو سر سے پیر تک چھپائے رکھنے والی اس عورت کا باطن کتنا سیاہ اور گھناؤنا ہے کاش یہ کوئی مجھ سے پوچھے۔'' مریم نے ماما جان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

ماما جان کے چہرے پر اسے دیکھ کر وہی مسکراہٹ ابھری تھی جو ہمیشہ ابھرتی تھی۔ انھوں نے بے اختیار اپنے بازو مریم کی طرف پھیلائے۔ وہ ان کے بازوؤں کو جھٹکتے ہوئے گھر کے اندر داخل ہو گئی۔ ماما جان نے حیرت سے اسے دیکھا اور پھر پلٹ کر دروازہ بند کر دیا۔ مریم اب کیوں ناراض تھی، وہ سمجھنے سے قاصر تھیں۔

مریم کچھ کہے بغیر تیز قدموں کے ساتھ گھر کے اکلوتے کمرے میں داخل ہو رہی تھی اور کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ ایک بار ٹھٹھک گئی تھی، کمرے کے اندر چند بہت مہنگے سوٹ کیس پڑے ہوئے تھے۔ وہ دور سے بھی ان پر لگے ہوئے ٹیگز دیکھ سکتی تھی۔

اس کے پیٹرول سے بھیگے وجود پر جیسے کسی نے چنگاری پھینک دی تھی۔ آگ کی لپیٹیں کہاں پہنچ رہی تھیں اسے اندازہ نہیں ہوا۔ اس نے سوٹ کیسز کے قریب جانے کی کوشش نہیں کی۔ اسے اب مزید کسی تصدیق کی ضرورت نہیں تھی۔

ماما جان جب کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ بالکل سامنے والی دیوار کے پاس بازو لپیٹے کھڑی تھی۔ مریم کا غصہ ان کے نزدیک کوئی نئی چیز نہیں تھی وہ بچپن سے اس کی ناراضگی اور غصہ برداشت کرنے کی عادی تھیں مگر آج مریم کے چہرے پر جو کچھ تھا، اس نے انھیں ہولا دیا تھا۔

''بیٹھو مریم! کھڑی کیوں ہو؟'' ان کی نرم اور پرسکون آواز نے اسے پہلے کبھی متاثر کیا تھا نہ ہی آج کر سکتی تھی۔

اس نے ان کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ صرف پلکیں جھپکے بغیر یک ٹک انھیں گھورتی رہی۔ انھیں اس کی آنکھوں سے خوف آنے لگا تھا۔ ان کے چہرے پر موجود مسکراہٹ غائب ہوگئی۔

''کیا ہوا مریم؟ اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو؟'' وہ بے اختیار آگے بڑھ آئیں۔

''پچھلے ڈیڑھ ماہ سے کہاں تھیں آپ؟'' اس کے لہجے میں برف تھی یا آگ...... ماما جان کو اندازہ نہیں ہوا مگر وہ یہ ضرور جان گئی تھیں کہ دونوں میں سے جو بھی چیز تھی...... ان ہی کے لیے تھی۔

''میں...... میں انگلینڈ گئی تھی۔'' اس نے ماما جان کی آواز میں لڑکھڑاہٹ دیکھی۔

''اچھا'' وہ طنزیہ انداز میں ہنسی۔

''کس کے پاس؟''

''وہاں کچھ رشتہ دار ہیں میرے...... ان ہی کے پاس گئی تھی میں۔''

''ویری ویل...... میری ستائیس سالہ زندگی میں ایک بار بھی آپ نے انگلینڈ میں اپنے کسی رشتہ دار کا ذکر نہیں کیا۔ اب یک دم کہاں سے یہ رشتہ دار پیدا ہوگئے جن کے پاس آپ جا کر ڈیڑھ...... ڈیڑھ ماہ رہ رہی ہیں؟'' اس نے ماما جان کے چہرے کا رنگ فق ہوتے دیکھا۔

''میں تیس سال اس گھر میں چلاتی رہی...... چیختی رہی...... منتیں کرتی رہی۔ مجھے قانونی طور پر اڈاپٹ کریں اور انگلینڈ لے جائیں۔ میرا کیریئر بن جانے دیں...... مجھے سیٹل ہو جانے دیں۔ تیس سال آپ کی زبان پر ایک ہی بات تھی نہ مجھے خود انگلینڈ جانا ہے نہ تمھیں بھیجنا ہے۔ وہاں میرا کوئی نہیں ہے، ہم دونوں کو وہاں نہیں رہنا۔ آپ نے تیس سال مجھے ایک ایک چیز کے لیے ترسایا۔ جان بوجھ کر مجھے جانوروں جیسی زندگی گزارنے پر مجبور کیا...... اور اب...... اب ستائیس سال بعد آپ کے رشتہ دار پیدا ہوگئے ہیں وہاں...... یا تو ستائیس سال آپ نے مجھ سے جھوٹ بولا...... یا پھر آج جھوٹ بول رہی ہیں۔'' ماما جان بالکل ساکت تھیں۔

''اور رشتہ داروں کے پاس کوئی اس طرح چھپ کر جاتا ہے جس طرح آپ گئی ہیں۔''

''میں چھپ کر نہیں گئی۔ میں تو......'' ان کی آواز میں بے چارگی تھی۔ مریم کو ترس نہیں آیا۔

''ہاں، بہت مکمل کریں۔ میں تو کیا۔'' بولیں خاموش کیوں ہوگئی ہیں...... چلیں مان لیتی ہوں کہ آپ کے وہاں واقعی کوئی رشتہ دار نمودار ہو

گئے ہیں اور آپ ان ہی کے پاس گئی تھیں......تو پھر اپنا پاسپورٹ دکھائیں......ان رشتہ داروں کے ایڈریسز بتائیں......تاکہ میں بھی تو جان سکوں، آپ کو جاننے والے کہاں کہاں موجود ہیں۔ دکھائیں پاسپورٹ؟'' مریم نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا تھا۔

''پاسپورٹ میرے پاس نہیں ہے۔'' ماما جان کی آواز جیسے کسی کھائی سے آئی۔

''تو پھر کس کے پاس ہے؟ رشتہ داروں کے پاس ہے یا رشتہ دار کے پاس؟'' اس کی آواز میں صرف زہر تھا۔

''تم مجھ سے کیا جاننا چاہتی ہو مریم؟''

''میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ وہ عورت جو ہفتے میں ایک بار گوشت نہیں پکا سکتی......مہینے میں ایک بار بھی پھل نہیں کھا سکتی، نہ کھلا سکتی ہے......گھر میں سوئی گیس نہیں لگوا سکتی......گھر کی مرمت نہیں کروا سکتی......جو سال میں چند اچھے جوڑے نہیں خرید سکتی، وہ اتنے مہنگے سوٹ کیس کیسے خرید سکتی ہے؟'' مریم نے انگلی سے کمرے کے ایک کونے میں پڑے ہوئے ان سوٹ کیسز کی طرف اشارا کرتے ہوئے کہا۔

''وہ انگلینڈ جانے کے لیے پلین کا ٹکٹ کہاں سے خرید سکتی ہے......کیا اس نے کوئی خزانہ دریافت کر لیا ہے یا اسے غیب سے کوئی مدد ملنے لگی ہے......یا......یا پھر اس کے ہاتھ الہ دین کا چراغ آ گیا ہے۔'' وہ تقریباً چلا رہی تھی۔

''آپ کو پتا ہے، ان سوٹ کیسز کی قیمت کتنی ہے۔ کون لایا ہے یہ آپ کے لیے؟''

''ذالعید......ذالعید لایا تھا......ٹکٹ بھی اسی نے خریدا۔'' ماما جان کی آواز اب کپکپا رہی تھی۔

''اور یہ ذالعید کون ہے آپ کا......کیا لگتا ہے......کس رشتہ سے وہ آپ پر پیسہ لٹا رہا ہے......کیا یہ وہی رشتہ دار ہے، جس کے ساتھ آپ پچھلے ڈیڑھ ماہ سے عیش کر رہی ہیں......کیونکہ یہ رشتہ دار بھی پچھلے ڈیڑھ ماہ سے غائب تھا۔ آج آیا ہے......آج آپ بھی یہاں موجود ہیں۔ کون سا کھیل کھیلنے کی کوشش کر رہی ہیں آپ میرے ساتھ؟''

اس نے ماما جان کے چہرے پر خوف دیکھا......وہ ان کے چہرے کے ہر تاثر کو پہچانتی تھی......اس نے آج تک ان کے چہرے پر خوف نہیں دیکھا تھا۔ آج وہاں خوف تھا۔

''میں مریم ہوں......آج کی لڑکی۔ مجھے دھوکا دینا آسان نہیں ہے۔ کم از کم آپ سے تو میں دھوکا نہیں کھا سکتی۔ اس نے ان کے زرد ہوتے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

''مریم! خدا کے لیے......یہ سب مت کہو......میں تمہیں بتا دیتی ہوں سب کچھ......میں......میں ذالعید کے ساتھ حج پر گئی تھی۔'' ماما جان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ مریم پتھر کی طرح ساکت ہو گئی۔ اسے لگا تھا، زمین اس کے پیروں کے نیچے سے نکل گئی ہے......ہر چیز جیسے گردش میں آ گئی......سامنے کھڑی عورت کون تھی......اس کی ماں......یا پھر......''

''کہاں گئی تھیں؟'' وہ سانپ کی طرح پھنکارتے ہوئے آگے بڑھ آئی۔

''میں حج پر گئی تھی۔'' ماما جان کسی ننھے بچے کی طرح خوفزدہ تھیں۔

''ذالعید کے ساتھ؟...... کیسے جاسکتی ہو تم ذالعید کے ساتھ...... کون ہے وہ تمہارا؟...... میں بیٹی نہیں ہوں...... وہ داماد نہیں ہے تو پھر تم اس کے ساتھ کس طرح حج پر جاسکتی ہو؟'' وہ اب دھاڑ رہی تھی۔

''کیا کیا ہے تم نے ذالعید کے ساتھ؟...... نکاح کیا ہے؟...... شادی کی ہے؟......'' اس نے ماما جان کو سفید چہرے کے ساتھ گھٹنوں کے بل زمین پر گرتے دیکھا۔

مریم کو لگ رہا تھا۔ وہ کبھی اپنے حواس میں واپس نہیں آئے گی۔ وہ دونوں اس حد تک جاسکتے تھے۔ اس نے کبھی تصور نہیں کیا تھا۔

''ساری زندگی سانپ بن کر تم میری خوشیوں پر بیٹھی رہیں اور اب جب میرے پاس سب کچھ آ گیا تو تم نے مجھے ڈس لیا...... ذالعید کو پھانسنے کے لیے مذہب کو چارہ بنا کر استعمال کیا...... اس لیے نمازیں پڑھائی تھیں اسے...... تاکہ بعد میں شوہر بنالو...... تمھیں شرم نہیں آئی اپنے سے آدھی عمر کے مرد سے شادی کرتے ہوئے...... تم نے رشتوں کو دھجیوں کی طرح بکھیرا ہے...... یہ تھی تمہاری قناعت اور پاکیزگی۔ جن کا تم ساری عمر ڈھنڈورا پیٹتی رہیں۔

تمھارے اندر اتنی حرص اور ہوس ہے کہ میں تمہاری اپنی بیٹی بھی ہوتی تب بھی تم یہی سب کچھ کرتیں...... تمھیں تب بھی یہ سب کچھ کرتے ہوئے کسی رشتہ کا خیال نہ آتا کیونکہ تم مسلمان نہیں ہو، تم نے لبادہ اوڑھا ہوا ہے اسلام کا...... تم لوگوں کے ہاں جائز ہے سب کچھ...... بیٹی کے شوہر پر دل آجائے تو اس سے خود شادی کرلو...... کیا فرق پڑتا ہے۔'' اس کی زبان پر صرف انگارے تھے۔

''اپنے جسم پر اوڑھی ہوئی اس سفید چادر کو اتار کر صحن میں رکھ کر آگ لگادو۔ اسے اب مزید اوڑھنے کی ضرورت نہیں رہی تم کو...... کیونکہ یہ تمھارے داغ دار اور سیاہ وجود کو اجلا نہیں کرے گی۔'' وہ بلند آواز میں چلائی۔

''مریم! اس طرح مت چلاؤ...... آواز باہر جارہی ہے...... لوگ سن لیں گے۔''

''میں چلاؤں گی...... میں چلاؤں گی...... میں اتنا چلاؤں گی کہ اس علاقے کا ہر شخص سن لے کہ تم نے میرے ساتھ کیا کیا ہے...... مذہب کا سہارا لے کر کس طرح میرا گھر اجاڑ دیا ہے۔ پارسائی اور شرافت کا جو نقاب تم پچھلے تیس سال سے اوڑھے یہاں بیٹھی ہو...... میں اسے اتار دینا چاہتی ہوں۔'' اس نے ماما جان کے وجود کو لرزتے دیکھا تھا۔

''تم میری بیٹی ہو مریم! تم......'' مریم نے بلند آواز میں اس کی بات کاٹ دی تھی۔

''اپنی گندی زبان سے مجھے اپنی بیٹی مت کہنا...... میں کسی طوائف کی بیٹی ہونا تمہاری بیٹی ہونے سے بہتر سمجھتی ہوں...... تم اتنی گندی عورت ہو کہ مجھے یہ سوچ کر گھن آرہی ہے کہ میں نے تمھارے ہاتھوں پرورش پائی ہے...... تمہاری پارسائی، تمہاری قناعت تمہاری مجبوری تھی۔ ذالعید جیسا شخص تمھیں تیس سال پہلے مل جاتا تو تم اپنے شوہر کو اسی طرح چھوڑ کر بھاگ جاتیں حج کرنے...... تم کون سی عبادت کس کے لیے کرتی رہی ہو...... اور تمہاری کون سی عبادت قبول ہوئی ہوگی......

تمہاری نمازیں، تمھارے نوافل...... تمھارے روزے...... تمہارا حج سب فریب تھا۔ تمہاری کوئی عبادت تمھارے نفس پر قابو نہیں پاسکی......

کیونکہ تمھارے اندر ہوس تھی اور یہ ہوس ہمیشہ رہے گی...... مگر میں...... میں ذالعید کو تمھارے پاس جانے نہیں دوں گی...... وہ میرا حاصل ہے، میں ہر اس دوسری عورت کو قبر میں اتار دوں گی جو اس کے اور میرے درمیان آئے گی۔ وہ صرف میرا ہے۔ تمہاری جیسی عورت اس کے قابل نہیں...... میں آج اس گھر میں آخری بار تمھیں یہی بتانے آئی ہوں۔ یہاں سے ہمیشہ کے لیے دفع ہو جاؤ...... ذالعید سے طلاق لے لو...... لوگ بھکاریوں کے ہاتھ سے چادر کا پلو چھڑانے کے لیے انھیں بہت کچھ دے دیتے ہیں۔ میں بھی تمھیں دے سکتی ہوں۔ یہ گھر بیچو...... دکان بیچو...... مجھ سے جو کچھ لینا چاہتی ہو لو اور اس ملک سے چلی جاؤ...... دوبارہ کبھی مجھے یا ذالعید کو اپنا منہ مت دکھانا...... تم سن رہی ہو، میں تم سے کیا کہہ رہی ہوں؟'' وہ حلق کے بل چلائی۔

ماما جان نے گھٹنوں کے بل گرے ہوئے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ ان کے سر پر کھڑی تھی۔

''اُمّ مریم! تم میری زندگی ہو۔''

''اُمّ مریم تمہاری موت ہے۔'' وہ پہلے سے بھی بلند آواز میں چلائی۔

''تم میرے لیے کیا ہو مریم! تم نہیں جانتیں؟'' وہ اب بلک رہی تھیں۔

''میں تمھارے لیے کیا ہوں، میں اچھی طرح جانتی ہوں...... میں تمھارے لیے شیلڈ تھی جو تمھیں لوگوں کی نظروں میں عظمت کا سرٹیفکیٹ دلا دیتی۔'' ماما جان اب بلند آواز سے رو رہی تھیں۔

''کیا عظیم عورت ہے، مذہب تبدیل کیا، ساری جوانی ایک مطلقہ عورت کی بیٹی کو پالنے میں گزار دی۔ اس علاقے میں بہت عزت بنالی تم نے...... اب ان لوگوں کو یہ بھی پتا چلنا چاہیے کہ ساری جوانی ایک لاوارث لڑکی کو بیٹی بنا کر پالنے کے بعد تم نے بڑھاپے میں اسی لڑکی کے شوہر سے شادی رچالی ہے۔ تم نے ساری عمر مجھے استعمال کیا...... اپنی تنہائی کو دور کرنے کے لیے تم نے مجھے گود لیا۔ صرف اپنے لیے...... جیسے یہ جانور پالے ویسے مجھے بھی پالا...... گھر میں ایک بولنے والا جانور بھی تو ہونا چاہیے...... وہ میں تھی، تم نے سوچا کہ میں صرف جوانی میں ہی نہیں بڑھاپے میں بھی تمھارے کام آؤں گی...... ذالعید تو جوان ہے، خوبصورت ہے، دولت مند ہے اس کے بجائے میرا شوہر کوئی اور بھی ہوتا تو تم یہی کرتیں۔ میرے شوہر کو تمھیں ٹریپ کرنا ہی تھا...... تم نے سوچا ہوگا کہ میں خاموش رہوں گی۔ تمھارے احسان کے بدلے صبر کرلوں گی...... زبان نہیں کھولوں گی...... تم اپنے بڑھاپے میں یہ سفید چادر اوڑھے رنگ رلیاں مناتی رہوگی۔ اس لیے قناعت کا درس دیتی تھیں نا مجھے...... نہیں، تم مجھے غلط سمجھی تھیں۔ میں وہ لڑکی نہیں ہوں جو اپنے ہاتھ میں آئی چیز کو ریت کی طرح پھسلنے دے...... ذالعید سے میں نے محبت کی ہے...... میں نے اسے حاصل کیا ہے۔ وہ میرا مقدر ہے، صرف میرا۔ میں تو اسے کہیں جانے نہیں دوں گی...... تمھیں رونے کی ضرورت نہیں ہے...... تم صرف چلی جاؤ...... ہمیشہ کے لیے یہاں سے دفع ہو جاؤ؟'' وہ چلاتے ہوئے اس کمرے سے نکل آئی تھی۔ پھر اس گھر سے بھی نکل آئی۔

گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا...... وہ عورت تو میری کچھ نہیں لگتی تھی...... مگر ذالعید کو کیا ہوا، وہ تو محبت کرتا تھا مجھ سے...... میرا شوہر تھا...... میری بیٹی کا باپ ہے...... اس نے بھی ایک بار یہ نہیں سوچا کہ وہ کیا کر رہا ہے...... مذہب کے فریب نے اسے اتنا اندھا کر دیا ہے۔ اس عورت سے کوئی محبت تو نہیں کرسکتا...... پھر ذالعید نے اس سے شادی کیوں کی۔ اندھا ہو گیا ذالعید؟...... صرف اسے حج کروانے کے

لیے اس کا محرم بن گیا..... اس عورت کو شرم نہیں آئی مگر ذالعید کو تو کچھ سوچنا چاہیے تھا۔'' اس کا دماغ جیسے بارود کا ڈھیر بن گیا تھا۔ ''اور اب..... اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟'' وہ اب اپنی آگے کی حکمت عملی طے کر رہی تھی۔

''کیا میں اسی طرح ذالعید سے لڑ سکتی ہوں؟ کیا مجھے اس کی فیملی کی مدد حاصل کرنی چاہیے؟ مگر پھر سب یہ جان جائیں گے کہ میں اس عورت کی سگی اولاد نہیں ہوں اور ذالعید کی ممی وہ تو یہ سب کچھ جان کر بہت خوش ہوں گی۔ میرا گھر ہی تو توڑنا چاہتی تھیں وہ..... نہیں میں ذالعید کی فیملی کو اس میں انوالو نہیں کر سکتی..... مجھے اپنے کارڈز خود ہی کھیلنے ہیں..... اور..... شاید مجھے ذالعید سے بات کرنے سے پہلے کچھ پرسکون ہو جانا چاہیے۔ کچھ پلان کر لینا چاہیے۔ اس طرح اس کے ساتھ جھگڑا کرنے سے کچھ نہیں ہوگا..... اگر اس نے اس عورت کو طلاق دینے سے انکار کر دیا تو؟ اگر اس نے غصے میں آ کر مجھے طلاق دے دی تو؟..... نہیں۔ مجھے ابھی اس سے کوئی بات نہیں کرنی چاہیے۔ مجھے پہلے اپنے اس ڈپریشن سے نجات حاصل کرنا چاہیے۔ پرسکون ہونا چاہیے..... اس کے بعد ہی مجھے ذالعید سے بات کرنی چاہیے۔'' وہ جیسے کسی فیصلے پر پہنچ گئی تھی۔

گاڑی کا رخ اس نے جیم خانہ کی طرف موڑ دیا۔ اگلا ڈیڑھ گھنٹہ اس نے وہاں سوئمنگ کرتے ہوئے گزارا۔

❁

وہ جس وقت گھر پہنچی اس وقت ذالعید زینب کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ اسے دیکھ کر مریم کو اپنے اندر غصے کی ایک لہر سی اٹھتی محسوس ہوئی۔

''یہ شخص..... یہ شخص کس قدر محبت کی تھی میں نے اس سے اور اس نے میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی..... ایک سکے جتنی اہمیت نہیں دی مجھے۔ میرے بجائے اس عورت سے.....'' اس کا دماغ جیسے پھٹنے لگا تھا۔ ''کیا کوئی یقین کر سکتا ہے کہ اس جیسا شخص ایک بوڑھی عورت کے عشق میں گرفتار ہو کر اس سے شادی کر لے گا..... یہ عبادت ہے اس کی؟ یہ پرہیزگاری ہے میرے خدا۔'' لاؤنج میں داخل ہوتے ہی زینب نے اسے دیکھ لیا۔ اس نے زور شور سے منہ سے آوازیں نکالنی شروع کر دیں۔

ذالعید نے پلٹ کر اسے دیکھا اور مسکرایا مگر مریم مسکرا نہیں سکی۔ وہ وہاں رکے بغیر تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ ذالعید نے کچھ حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ اس کے تاثرات کو سمجھ نہیں پایا۔ مریم غصے میں تھی۔ یہ وہ جان چکا تھا مگر غصہ کی وجہ کیا تھی؟

اس نے گورنس کو آواز دے کر زینب کو تھما دیا اور خود بیڈ روم کی طرف چلا آیا۔ وہ سر پکڑے صوفہ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

''کیا ہوا مریم! پریشان ہو تم؟'' ذالعید نے نرم آواز میں اسے مخاطب کیا۔ مریم کا دل چاہا وہ اس شخص کا گلا دبا دے۔

''کہاں گئی تھیں تم؟''

''ذالعید! مجھے دھوکا دے رہے ہو تم؟''

''دھوکا؟'' وہ ہکا بکا رہ گیا۔

''عورت کو بے وقوف کیوں سمجھتے ہو تم؟''

''مریم! کیا کہہ رہی ہو تم؟''

''ہماری شادی کو صرف تین سال ہوئے ہیں، تیس سال تو نہیں ہوئے کہ تمھیں اس طرح کی چالاکیوں کا سہارا لینا پڑے۔'' وہ اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

''کم از کم میں تمھیں......''

''کیا یہ بہتر نہیں ہے مریم کہ تم مجھ سے صاف بات کرو...... میں کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہا۔'' ذالعید نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''صاف بات کروں؟ کیا رشتہ ہے تمہارا خدیجہ نور کے ساتھ؟ کیوں جاتے ہو تم اس کے پاس؟ کہاں گزارا ہے ڈیڑھ ماہ تم نے اس کے ساتھ؟'' اس نے ذالعید کے چہرے کا رنگ بدلتے دیکھا۔ وہ کچھ بول نہیں سکا، وہ تلخی سے ہنسی۔

''کچھ بھی بول نہیں پا رہے نا؟ تمہارا خیال تھا، تم دونوں ساری عمر مجھے دھوکا دیتے رہو گے۔ میں تو کچھ جان ہی نہیں پاؤں گی۔ اپنی آنکھوں پر ہمیشہ یہ پٹی چڑھائے پھروں گی۔ میں انگلینڈ جا رہا ہوں ڈیڑھ ماہ کے لیے، بزنس ٹور ہے۔ میں ماما جان کے پاس ایک عرصے سے نہیں گیا۔'' وہ اس کی بات دہرا رہی تھی۔

''کیا میں تمھیں بتاؤں کہ تم کتنے جھوٹے ہو۔ میری آنکھوں میں دھول جھونکتے رہے تم اور وہ...... سارے رشتوں کی دھجیاں اڑا دیں تم دونوں نے۔''

''مریم! چپ ہو جاؤ۔ اب ایک لفظ مت کہنا۔ ایک لفظ بھی برداشت نہیں کروں گا میں۔'' وہ یک دم چلایا۔

''تم جانتے ہو، میں نے کتنی محبت کی ہے تم سے۔ کس قدر چاہا ہے تمھیں؟''

''مجھ سے محبت کی ہے؟ مجھے چاہا ہے؟ میں بتاؤں، تمھیں تمہاری محبت کی حقیقت۔ نظریہ ضرورت۔'' اس نے کہا تو وہ اس کی بات پر دم بخود ہو گئی۔

''تمھارے لیے ہر وہ چیز اچھی ہے جسے استعمال کیا جا سکے۔ ہر اس شے سے تمھیں محبت ہو جاتی ہے جو تمھارے کام آ سکے، جس کی تمھیں ضرورت ہو۔ تم نے مجھ سے محبت کی ہے مریم؟ نہیں، مجھ سے محبت نہیں کی مریم۔ تم نے ذالعید اواب خان سے محبت کی ہے۔ شہر کے ایک بڑے خاندان کے بیٹے سے، اس کی دولت سے، اس کی خوبصورتی سے، اس کے اسٹیٹس سے۔'' مریم کو یوں لگا جیسے وہ اس کے منہ سے طمانچے مار رہا ہو۔

''تم نے ایک ایسے شخص سے محبت کی ہے جسے تم استعمال کر سکتی تھیں۔ جسے سیڑھی بنا کر تم شہرت کے اس آسمان پر پہنچ سکتی تھیں جہاں پہنچنے کے تم نے ہمیشہ خواب دیکھے تھے۔ تمھارے جیسی لڑکیوں کے خواب بڑا گھر، بڑی گاڑی، بڑا بینک بیلنس اور خوبصورتی سے آگے جاتے ہی نہیں اور اس سب کو تم محبت کا نام دیتی ہو۔ محبت کرتیں تم مجھ سے اگر میں ذالعید اواب خان کے بجائے صرف ذالعید ہوتا؟ محبت کرتیں تم مجھ سے۔ اگر میں بڑے بڑے ڈیزائنرز کے تیار کیے ہوئے کپڑے پہننے کے بجائے کسی ٹھیلے والے سے پرانے کپڑے خرید کر پہنتا؟'' مریم کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

''محبت کرتیں تم مجھ سے، اگر میں اٹھارہ لاکھ کی گاڑی کی بجائے چار ہزار کے سائیکل پر گھومتا؟ محبت...... محبت...... محبت تم یہ کیوں نہیں کہتیں کہ یہ محبت نہیں ضرورت تھی۔ تمھیں میرا نام، میرا گھر، میری دولت، میرے تعلقات، میری گاڑی چاہیے تھی۔ یہ زندگی چاہیے تھی۔ وہ دینے

والا ذالعید اواب خان ہوتا یا کوئی اور..... تم کو اس سے کوئی فرق نہ پڑتا..... کیا کبھی اپنی محبت کی اصلیت دیکھی ہے تم نے؟ کیا کبھی اپنے گریبان میں جھانکنے کی کوشش کی ہے تم نے؟ تم اور تمھارے جیسی لڑکیاں جو محبت کے نام کا تعویذ گلے میں ڈال کر پھرتی ہیں وہ محبت نہیں ہوتی۔ ضرورت ہوتی ہے..... ہوس ہوتی ہے..... خواہش ہوتی ہے..... میرے سامنے محبت کے نام کو بار بار استعمال مت کرو۔

میں نے تمھیں تین سال میں سب کچھ دیا ہے۔ کبھی کسی چیز سے نہیں روکا۔ تم نے جو چاہا، جیسے چاہا۔ کیا۔ ملک کی ایک معروف اور نامور آرٹسٹ ہو اب تم۔ یہاں پہنچنے کے لیے کس کو سیڑھی بنایا۔ کوئی تم سے یہ نہیں پوچھے گا۔''

''میں نے تمھیں پرپوز نہیں کیا تھا۔ تم نے مجھے پرپوز کیا تھا۔ تم نے کہا تھا، مجھے تم سے محبت ہے۔'' وہ غرائی۔

''ہاں میں نے پرپوز کیا تھا۔ میں نے کہا تھا کہ مجھے تم سے محبت ہے..... اور تب ایسا ہی تھا۔ میں نہیں جانتا، ایسا کیوں ہوا تھا مگر چند ماہ مجھے واقعی تمھارے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ میں جیسے بے بس ہو گیا تھا۔ مگر یہ تمہارا اثر نہیں تھا۔ تم نے ماما جان سے کہا تھا نا کہ وہ تمھارے لیے دعا کریں۔ یہ وہ دعا تھی جس نے میرے دل کو پھیر دیا تھا ورنہ میں صوفیہ سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ مگر یہ وہ دعا تھی جس نے مجھے تمھارے علاوہ کسی اور طرف دیکھنے نہیں دیا۔ صوفیہ سامنے آتی تھی۔ میں اس کے پاس سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔ مجھے اس سے الجھن ہوتی تھی۔ میرا دم گھٹتا تھا اس کے پاس۔ اور اس میں تمہارا کوئی کمال نہیں تھا۔ ماما جان کی دعا تھی وہ اور بس۔''

''تم کہا کرتے تھے، میرا آرٹ تمھیں میری طرف لایا۔'' وہ چلائی۔

''تمھارے آرٹ میں جو کچھ تھا، وہ بھی ماما جان کی وجہ سے تھا۔ ورنہ تم میں کچھ نہیں تھا، جب تک تم اس گھر میں رہیں، تمہارا آرٹ اپنے عروج پر رہا۔ اب کہاں ہو تم..... اب جو پینٹنگز بنا رہی ہو تم، مجھے ان سے گھن آتی ہے۔ میں انھیں اٹھا کر اس گھر سے باہر پھینک دینا چاہتا ہوں۔''

''کیوں نہیں پھینکنا چاہو گے تم..... تم تو مجھے بھی پھینکنا چاہو گے۔ خدیجہ نور جو سوار ہے تمھارے اعصاب پر..... اس کے علاوہ تم کو کچھ اور کیوں نظر آئے گا۔ مگر کم از کم اب تو ماما جان مت کہو اسے، شادی کر چکے ہو تم آخر اس سے۔'' وہ اس کی بات پر ساکت ہو گیا۔

''میرے لیے اللہ سے تھوڑی مانگا تھا اس عورت نے..... اس نے تمھیں اپنے لیے مانگا تھا۔ دعا تو نہیں کرتی وہ تو جادو کرتی ہے۔''

''تمھارے اندر اتنی گندگی اور غلاظت ہے مریم! کہ تم اگر ساری عمر بھی اپنے اندر کو صاف کرتی رہو تو صاف نہیں کر پاؤ گی۔'' مریم کا چہرہ اور سرخ ہو گیا۔

''یہ تم سے اس عورت نے کہا ہوگا۔ اس نے یہ نہیں بتایا کہ اس کے اپنے اندر کیا ہے مگر میں اسے بتا کر آئی ہوں کہ اس کے اندر کیا ہے۔'' ذالعید کا چہرہ زرد ہو گیا۔

''تم ماما جان کے پاس گئی تھیں؟ تم نے ان سے یہ سب کہا ہے؟'' وہ غرایا۔

''ہاں! میں نے اس عورت سے سب کچھ کہا..... سب کچھ۔'' وہ تنک کر بولی اور اس نے ذالعید کی آنکھوں میں خون اترتے دیکھا۔

''تم کو پتا ہے، وہ عورت میری کیا ہے؟'' اس کی آواز جیسے کسی کھائی سے آئی تھی۔

''میں جانتی ہوں، وہ عورت تمہاری......'' اس نے مریم کی بات مکمل ہونے نہیں دی۔

''وہ عورت میری ماں ہے۔ میری سگی ماں۔'' مریم کو آسمان اپنے سر پر گرتا محسوس ہوا۔

.........❁.........

اس دن دروازہ کھولنے پر ذالعید نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ صحن میں مٹی کا ڈھیر پڑا تھا اور ماما جان پانی ڈال ڈال کر پیروں کے ساتھ وہ مٹی گوندھ رہی تھیں۔ وہ حیران ہوا۔

''آپ کیا کر رہی ہیں ماما جان؟''

''اوپر چھت پر یہ مٹی لگانا ہے۔ برسات شروع ہونے پر چھت رسنا شروع ہو جاتی ہے۔''

''ماما جان! آپ یہ سب چھوڑ دیں۔ میں کچھ مزدور اور سامان بھجوا دیتا ہوں۔ آپ کو گھر میں جو مرمت کروانا ہے آپ ان سے کروالیں۔'' وہ ان کے منع کرنے کے باوجود گھر سے نکل گیا۔

''اس عمر میں کس طرح وہ اتنی مشقت کا کام کریں گی۔'' اسے بار بار یہی احساس ہو رہا تھا۔

فیکٹری پہنچتے ہی اس نے ایڈمن آفیسر کو کہہ کر کچھ مزدور ماما جان کے گھر پہنچا دیے۔ اسے اطمینان تھا کہ وہ لوگ اچھے طریقے سے سارا کام کر دیں گے۔ رات کو فیکٹری سے اٹھنے سے پہلے اس نے ایک بار پھر ایڈمن آفیسر سے اس بارے میں پوچھا۔ اس نے ذالعید کو بتایا کہ وہ لوگ تمام کام مکمل کر آئے ہیں۔

اگلے دن دوپہر کو ذالعید کام کا جائزہ لینے گیا مگر وہ یہ دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا کہ ماما جان کے صحن میں مٹی کا وہ ڈھیر ابھی بھی موجود تھا اور وہ چھت پر مٹی لیپ رہی تھیں۔

''ماما جان! میں نے کل مزدور بھجوائے تھے، سامان بھجوایا تھا۔ وہ لوگ کیا یہاں آئے نہیں؟'' ذالعید کو غصہ آ گیا۔

''وہ لوگ آئے تھے۔ میں نے انھیں زبیدہ کے ہاں بھجوا دیا۔ وہ پچھلے کئی سال سے اپنی چھت کی مرمت نہیں کر پا رہی تھی۔ اس کے گھر کی دیواریں تک ٹوٹی ہوئی ہیں۔ ان لوگوں نے بڑی اچھی طرح اس کا کام کیا ہے۔ رات گئے تک لگے رہے۔ وہ بے چاری اتنی دعائیں دے کر گئی ہے صبح تمہیں۔''

''ماما جان! میں نے وہ مزدور آپ کے لیے بھجوائے تھے۔'' ذالعید کو کوئی خوشی نہیں ہوئی۔

''میرا کام اتنا زیادہ نہیں ہے۔''

''پھر بھی ماما جان! کام تو ہے اور آدمیوں والا کام ہے۔ عورت ہو کر کیسے کریں گی، ویسے بھی بہت مشقت کا کام ہے۔''

''میں شجاع کی وفات کے بعد سے یہ کام کر رہی ہوں۔ زندگی سے زیادہ مشقت والا کام تو نہیں ہے۔ میرے لائف اسٹائل کا ایک حصہ بن چکا ہے یہ۔ تم کیوں پریشان ہوتے ہو۔'' وہ اب ایک برتن میں دوبارہ مٹی ڈال رہی تھیں۔ وہ وہاں کھڑا انھیں دیکھتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا

تھا کہ وہ ان سے کیا کہے یا کیا کرے۔

''تم بیٹھ جاؤ، میں بس تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔'' انھوں نے اس سے کہا اور مٹی کے اس برتن سمیت دوبارہ چھت پر چلی گئیں۔ وہ اندر جانے کے بجائے وہیں کھڑا رہا۔

وہ دوبارہ نیچے آئیں تو ذالعید نے ان سے کہا۔ ''میں مدد کروادوں آپ کی؟'' ماماجان مسکرانے لگیں۔

''تم کیا مدد کرواؤ گے۔ تمھیں اس کام کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔''

''پھر بھی ماماجان مجھے اچھا نہیں لگ رہا آپ کو اس طرح کام کرتے دیکھ کر...... آپ اوپر ہی رہیں۔ میں مٹی ڈال کر آپ کو دیتا جاتا ہوں۔''

اس نے اصرار کیا اور پھر ماماجان کے انکار کے باوجود اس نے اپنی ٹائی اتارنا شروع کر دی۔ اپنے جوتے اور جرابیں اتارنے کے بعد پتلون کے پائنچے اور آستینیں چڑھائے ماماجان کی دی ہوئی ایک چھوٹی چپل کو بمشکل پیروں میں اڑسے، وہ بڑی سنجیدگی کے ساتھ برتن میں مٹی ڈال کر ماماجان کو چھت پر پہنچاتا رہا۔ ہر بار جب وہ سیڑھی پر چڑھتا تو ارد گرد گلی میں چلتی پھرتی عورتوں کی حیرت بھری نظروں کا سامنا کرتا۔ وہ ان نظروں کو نظر انداز کرتا رہا حالانکہ اسے ایسا کرنا بہت مشکل لگ رہا تھا۔ مگر پھر وہ اپنے کام میں مگن ہو گیا اور آہستہ آہستہ ماماجان کو برتن تھمانے کے بعد وہ دلچسپی سے انھیں تیز دھوپ میں اپنا کام کرتے دیکھتا رہتا بلکہ ساتھ ساتھ سیڑھی پر کھڑے کھڑے انھیں مشورے بھی دیتا رہا۔ ماماجان بڑی مہارت کے ساتھ مٹی کو چھت پر لیپ رہی تھیں۔

دو گھنٹے کے بعد چھت کا کام مکمل ہو گیا۔ اس کے بعد ماماجان نیچے اتر آئیں۔ ''اب؟'' ذالعید نے سوالیہ نظروں سے ماماجان کو دیکھا۔ صحن میں ابھی بھی بہت سی مٹی پڑی تھی۔

''اب تو شام ہو رہی ہے، کل اندر کمرے کے فرش پر مٹی کا لیپ کرنا ہے۔'' وہ اب اپنے ہاتھ پیر دھو رہی تھیں۔

''کوئی بات نہیں۔ میں آجاؤں گا۔'' اس نے ان کے انکار کی پروا نہیں کی۔ احتیاط کے باوجود اس کی قمیص اور پتلون پر کئی جگہ مٹی کے دھبے لگ گئے تھے۔ وہ خاصی بے چینی محسوس کرنے کے باوجود ناخوش نہیں تھا۔

❀

اگلے دن وہ اپنے ساتھ فالتو کپڑوں کا ایک جوڑا اور چپل لے کر صبح صبح وہاں آ گیا۔ اس نے کمرے کا تمام سامان نکال کر صحن میں رکھا اور پھر کل کی طرح مٹی ڈھونے لگا۔ کمرے اور برآمدے کا کام بہت جلدی مکمل ہو گیا۔ اس کے بعد ماماجان نے پورے صحن کو مٹی سے لیپ دیا۔

جب وہ لوگ فارغ ہوئے، اس وقت شام کے چار بج رہے تھے۔

یہ ماماجان کے گھر میں ذالعید کا پہلا اور آخری کام نہیں تھا۔ چند ہفتے بعد اس نے ماماجان کے ساتھ گھر میں سفیدی بھی کی۔ ماماجان کی کیاریوں میں کچھ نئے پودے بھی لا کر لگائے۔ ماماجان کی کیاریوں کے گرد نئے سرے سے اینٹیں بھی لگائیں۔ ماماجان کے گملوں کو روغن بھی کیا۔ ان کے گھر کی دہلیز کو دوبارہ بنایا۔

اس گھر میں آ کر جیسے اس کی کایا پلٹ ہو جاتی تھی۔ وہ ان کاموں کو کرنے میں کوئی عار نہیں سمجھتا تھا۔ جو اس نے زندگی میں کبھی نہیں کیے تھے۔ وہاں اسے یہ سب کچھ کرتے دیکھ کر کسی کو یقین نہیں آتا کہ وہ واقعی ذالعید ہے۔ بعض دفعہ اسے یہ سوچ کر ہنسی آتی کہ اگر کبھی مریم اچانک وہاں آ جائے تو اسے یہ سب کچھ کرتے دیکھ کر اس کا کیا حال ہو۔

اس محلے میں اب وہ غیر معروف نہیں رہا تھا۔ لوگ اسے پہچاننے لگے تھے اور اکثر گلی سے گزرتے ہوئے وہ ملنے والوں کا حال احوال بھی دریافت کرتا۔ مسجد میں بھی اب وہ ماما جان کے داماد کے طور پر جانا جاتا تھا۔ عصر کی نماز وہ وہاں باقاعدگی سے ادا کرتا تھا اور اس وقت کئی لوگوں سے اس کی ملاقات ہو جاتی۔ کم گو اور ریزرو ہونے کے باوجود اس کے لیے بہت مشکل ہو گیا تھا کہ وہ وہاں اس طرح الگ تھلگ رہے۔ جس طرح وہ رہنا چاہتا تھا۔ دلچسپی نہ لینے کے باوجود بھی وہ جاننے لگا تھا کہ ماما جان کے گھر کے دائیں بائیں اور سامنے والے گھروں میں کون لوگ رہتے ہیں کتنے فرد ہیں؟ گھر کا سربراہ کیا کرتا ہے؟ ان کے مسائل کیا ہیں۔

شروع میں اس کا خیال تھا کہ لوگ اس کی دولت اور اس کی لمبی چوڑی گاڑی سے مرعوب ہیں، جس میں وہ وہاں آتا تھا اور شاید اسی وجہ سے وہ مسجد میں یا گلی میں اس کا حال احوال دریافت کرتے رہتے ہیں، مگر پھر آہستہ آہستہ اسے اندازہ ہو گیا کہ حقیقی وجہ یہ نہیں تھی۔ حقیقی وجہ ماما جان اور شجاع تھے۔ لوگ ان سے وابستگی کی وجہ سے اس کی عزت کرتے تھے۔ شروع میں ماما جان کی گلی سے خاصی دور گاڑی کھڑی کرنے پر اسے خاصی تشویش ہوتی تھی۔

ماما جان کی گلی تنگ تھی وہاں گاڑی نہیں آ سکتی تھی، اس لیے اسے بڑی گلی میں گاڑی کھڑی کر کے آنا پڑتا اور اسے یہ خوف ہوتا کہ گلی میں پھرنے والے بچے گاڑی کے شیشے نہ توڑ دیں یا ٹائر پنکچر نہ کر دیں، مگر آہستہ آہستہ اس کا یہ خوف ختم ہو گیا۔ اس کی گاڑی پر کبھی کسی نے پتھر پھینکنے کی کوشش نہیں کی۔ کئی بار بچے اس کے آنے کے وقت اس گلی کے ایک تھڑے پر بیٹھے ہوتے اور جب وہ گاڑی لاک کر رہا ہوتا تو ان میں سے کوئی نہ کوئی کہتا۔

''ہم لوگ گاڑی کا خیال رکھیں؟'' وہ مسکرا کر سر ہلا دیتا۔ وہ بھی اسے ماما جان کے گھر کے حوالے سے جانتے تھے۔ اس نے کئی بات اس گلی میں کھڑی گاڑیوں کے مالکوں کو چیختے چلاتے دیکھا۔ کبھی کوئی شیشہ ٹوٹنے کی شکایت کر رہا ہوتا۔ کبھی کوئی ٹائر پنکچر ہونے پر لال پیلا ہو رہا ہوتا...... کبھی کسی کی ہیڈ لائٹ یا ٹیل لائٹ ٹوٹی ہوتی اور کبھی گاڑی کے بونٹ پر ڈینٹ یا خراش پڑی ہوتی۔ مگر ذالعید کو کبھی ایسے کسی مسئلہ کا سامنا کرنا نہیں پڑا۔ کئی بار وہ واپس آتا تو بچوں کو اپنی گاڑی کے بونٹ یا ٹرنک پر بیٹھے دیکھتا مگر اس کی کار کو کبھی کسی نے نقصان نہیں پہنچایا اور وہ جانتا تھا، یہ صرف ماما جان کی وجہ سے ہے۔

اس نے ماما جان سے زندگی کا نیا مفہوم سیکھنا شروع کیا تھا۔ وہ ان کی باتوں پر حیران ہوا کرتا، بعض دفعہ وہ اسے کسی ولی کی باتیں لگتیں اور وہ بے اختیار ہو کر ماما جان سے پوچھتا۔

''ایسی باتیں کہاں سے سیکھی ہیں آپ نے ماما جان؟ کیا آپ نے چلّے کاٹے ہیں؟''

وہ عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ کر کہتیں۔ ''نہیں چلّے نہیں کاٹے...... میں نے غم بہت سہے ہیں۔ غم کو صبر کے ساتھ سہنا چلّہ

کاٹنے سے کم تو نہیں ہوتا۔''

''کون سا غم ماما جان؟'' اسے تجسس ہوتا مگر وہ ٹال جاتیں۔

''غم گزر گیا تو غم کہاں رہا۔ ماضی ہو گیا، ماضی کے بارے میں کیا بتاؤں تمھیں...... جس مصیبت کو برداشت کر لیا اور وہ ختم ہو گئی تو اس کے بارے میں کیا سناتی پھروں۔'' انھوں نے کبھی اس سے اپنے ماضی کی بارے میں بات نہیں کی۔

ذالعید نے کبھی تحقیق نہیں کی۔ وہ جانتا تھا، وہ اسے اپنے ماضی کے بارے میں کچھ بھی بتانا نہیں چاہتیں اور اس نے ان کی اس خواہش کا احترام کیا۔

اسے ماما جان کے گھر میں آ کر عجیب سے سکون کا احساس ہوتا...... وہ ان کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھاتا...... بغیر کسی تامل یا اعتراض کے یوں جیسے وہ برسوں سے وہی کھانا کھاتا رہا ہو۔ بعض دفعہ ماما جان دوپہر کو رات کا باسی سالن بھی اس کے سامنے رکھ دیا کرتیں اس نے اس پر بھی کبھی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا۔ وہ بڑے آرام سے وہ چیزیں بھی کھا لیا کرتا تھا جن کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

مریم کے برعکس اسے وہاں کے ماحول سے کوئی وحشت نہیں ہوتی تھی۔ وہ ماما جان کے پالتو جانوروں کو بھی ناپسند نہیں کرتا تھا۔ کئی بار وہ ان کی بلی سے کھیلنے لگتا اسے محسوس ہوتا تھا کہ وہ بلی بھی اس سے مانوس ہو گئی ہے۔

کئی بار ذالعید کو یوں لگتا جیسے ماما جان اس کی اپنی ماں ہوں۔ وہ بالکل ماں ہی کی طرح اس کا خیال رکھتی تھیں۔ اس کی چھوٹی سے چھوٹی تکلیف پر بھی پریشان ہو جاتیں۔ وہ زندگی میں ناز نخرے اٹھوانے کا عادی نہیں تھا۔ اس کی تربیت ہی ایسی ہوئی تھی کہ اس نے کبھی ان چیزوں کی اہمیت کو محسوس نہیں کیا۔ ساری زندگی وہ اپنا خیال خود رکھنے کا عادی تھا۔ مگر اب وہ عورت بعض دفعہ اسے ننھے بچے کی طرح ٹریٹ کرتی تو ذالعید کو بے حد اچھا لگتا۔ انھیں دیکھتے ہوئے اسے مریم پر رشک آتا۔ اسے کس قدر محبت سے پالا گیا تھا۔ کس قدر پروا کی جاتی تھی اس کی۔

مریم جب کبھی اس کے ساتھ ماما جان کے پاس آتی، وہ اس قدر محبت اور احترام کے ساتھ اس کا ہاتھ چومتیں کہ ذالعید کو حسد ہونے لگتا۔

اور اس دن ماما جان کے بالوں اور آنکھوں کو دیکھتے ہوئے اسے ایک دم یک عجیب سا احساس ہوا تھا۔ ماما جان کی آنکھیں اس کی اپنی آنکھوں سے بہت ملتی تھیں۔ وہ حیرانی سے انھیں دیکھتا رہا۔ ہر بار ماما جان کو دیکھتے ہوئے اسے احساس ہوتا تھا جیسے وہ چہرہ اس کے لیے بہت شناسا تھا اور آج پہلی بار اس کو یاد آیا کہ اس کا اپنا چہرہ ماما جان سے بہت مشابہت رکھتا تھا۔

اس کی آنکھیں، ناک کی نوک اور ہونٹ۔ اسے بہت خوشگوار سا احساس ہوا اور تب ہی اس نے ماما جان سے کہا۔

''ماما جان بعض دفعہ مجھے لگتا ہے جیسے آپ میری ماں ہوں۔ آپ نے دیکھا۔ میری آنکھیں آپ کی آنکھوں جیسی ہیں۔''

وہ اٹھ کر اس کے پاس آ گئیں اور انھوں نے نرمی سے ذالعید کی آنکھیں چوم لیں۔

''تمہارا سب کچھ میرے جیسا ہے۔'' وہ ٹھٹک کر رہ گیا۔

''تم میری مریم کے ہو اس لیے۔ میں کھانا لے کر آتی ہوں۔'' وہ اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئیں۔

ذالعید نے بے اختیار اپنی دونوں آنکھوں کو چھوا۔ ان کا لمس اسے بہت اچھا لگا تھا۔ خوشی کی عجیب سی لہر اس کے پورے وجود سے گزر گئی۔

❀

ذالعید اس دوپہر بھی ماما جان سے ملنے گیا۔ ماما جان کھانا بنانے میں مصروف تھیں۔ وہ اندر کمرے میں چلا گیا اور حسب معمول مریم کے بستر پر لیٹ گیا۔ کچھ دیر سیدھا لیٹے رہنے کے بعد اس نے دائیں طرف کروٹ لی اور تب ہی ماما جان کے بستر پر کسی چیز نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کی۔

وہ ماما جان کے تکیے کے نیچے کسی تصویر کا کونہ تھا۔ ذالعید کو حیرت ہوئی۔ ماما جان کے تکیہ کے نیچے کس کی تصویر ہو سکتی تھی۔ اسے تجسس سے زیادہ اشتیاق ہوا۔

اپنے بستر سے اٹھ کر وہ چند قدم آگے گیا اور اس نے ماما جان کا تکیہ ہٹا کر وہ تصویر اٹھالی۔

اس کے پورے وجود کو جیسے ایک کرنٹ لگا تھا۔

ماما جان اسی وقت کمرے میں واپس آئی تھیں۔ ذالعید کے ہاتھ میں تصویر دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئیں۔ "یا اللہ!"

وہ دونوں اب ایک دوسرے کے سامنے کھڑے پلکیں جھپکائے بغیر ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ایک چہرے پر بے یقینی تھی۔ دوسرے چہرے پر خوف تھا۔

وہ اس بلیک اینڈ وائٹ تصویر میں موجود تینوں ہستیوں سے واقف تھا۔ تصویر میں موجود مرد اس کا اپنا باپ تھا...... مظہر اواب خان...... اس کی گود میں موجود بچہ وہ خود تھا اور تصویر میں موجود عورت......؟

وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ مگر وہ اس کی کیا لگتی تھی۔

خدیجہ نور نے ذالعید کی آنکھوں میں یک دم خوف اترتے دیکھا۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"آپ میری کیا لگتی ہیں؟ کیا آپ میری......؟"

اس کا سوال ایک بازگشت بن کر خدیجہ نور کے وجود کو اپنی گرفت میں لینے لگا۔ اس نے تھکے ہوئے انداز میں اپنا سر جھکا دیا۔

"ہاں۔ میں تمہاری ماں ہوں۔"

❀

کمرے میں تاریکی زیادہ تھی یا خاموشی...... ذالعید اندازہ نہیں کر سکا۔ ماما جان اب خاموش ہو چکی تھیں۔ انہوں نے ذالعید کو دیکھنے کی کوشش کی۔ نیم تاریک کمرے میں وہ کسی بت کی طرح زمین پر نظریں گاڑے چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست تھیں۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

باہر مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔ "وقت کتنی جلدی گزرتا ہے...... چند گھنٹے پہلے میں اس کے لیے کیا تھی...... اب میں اس کے لیے کیا ہوں۔" ماما جان نے سوچا۔ انہیں یک دم خنکی کا احساس ہونے لگا۔ وہ ذالعید سے کچھ کہنا چاہتی تھیں۔

کیا کہنا چاہیے......؟ معذرت کرنی چاہیے؟ یہ کہنا چاہیے کہ میں نے تمھیں جو تکلیف پہنچائی۔ اس کے لیے مجھے معاف کر دو...... یا یہ کہنا چاہیے کہ مجھے اپنے وجود پر شرمندگی ہے...... وہ لفظ ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''میں تمھیں یہ سب بتانا نہیں چاہتی تھی۔'' ماما جان نے لفظ ڈھونڈ لیے۔ ''نہ آج نہ آئندہ کبھی۔ میرا تعارف تمھارے لیے تذلیل بن جائے گا اور ماں اولاد کو ذلت میں حصہ دار کبھی بھی نہیں بناتی...... لیکن ہم جو چاہتے ہیں۔ وہ کبھی نہیں ہوتا...... میں جانتی ہوں۔ میری کوئی معذرت اس تکلیف کو کم نہیں کر سکتی جو میرے تعارف نے تمھیں دی ہے لیکن پھر بھی میں چاہتی ہوں تم مجھے معاف کر دو۔'' ماما جان کچھ دیر اس کے جواب کی منتظر رہیں۔

ذالعید نے کچھ نہیں کہا۔ وہ چپ تھا۔

وہ چارپائی سے اٹھ گئیں، سوئچ بورڈ ڈھونڈ کر انھوں نے بلب جلایا اور پلٹ کر ذالعید کو دیکھا۔ اس نے سر اور جھکا لیا۔ مگر وہ اس کے بھیگے ہوئے چہرے کو دیکھ چکی تھیں۔ کچھ کہنے کے بجائے لڑکھڑاتے قدموں سے وہ کمرے سے باہر نکل گئیں۔ اس کے آنسوؤں نے انھیں تکلیف پہنچائی تھی۔ انھیں احساس ہوا وہ زندگی میں دوبارہ کبھی ذالعید کا سامنا نہیں کر سکیں گی۔ وہ اس کے سامنے سر تک نہیں اٹھا سکیں گی۔

اندھیرے میں برآمدے کی سیڑھی پر بیٹھ کر انھوں نے صحن کے پار نظر آنے والے بیرونی دروازے کو دیکھا۔ ابھی کچھ دیر بعد وہ یہاں سے باہر چلا جائے گا اور پھر دوبارہ کبھی واپس نہیں آئے گا۔ بالکل مظہر کی طرح......

''بالکل اسی طرح جس طرح وہ ستائیس سال پہلے مجھے چھوڑ گیا تھا...... مگر میں چاہتی ہوں، وہ جانے سے پہلے مجھ سے کچھ نہ کہے...... ایک لفظ بھی نہ بولے۔ بس خاموشی سے چلا جائے۔'' وہاں سیڑھیوں میں بیٹھے ہوئے انھوں نے دعا کی۔

''پچیس سال میں نے اس کے ملنے کی دعا کی تھی۔ مگر میں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ ملنے کے بعد جب وہ میرے بارے میں سب کچھ جان گیا تو کیا ہوگا۔'' وہ کیا کرے گا؟ وہ کیا کہے گا؟ وہ اس تکلیف کو کیسے برداشت کرے گا جو میرا تعارف...... وہ میرے بارے میں کیا سوچے گا؟ وہ لوگوں کا سامنا کیسے کرے گا؟ لیکن میں نے اس سے اپنا تعارف کروانا کب چاہا تھا۔ میں نے یہ خواہش نہیں کی تھی کہ وہ میرے بارے میں جان جائے۔ میں نے تو ایسا کچھ بھی نہیں چاہا۔'' وہ ماؤف ہوتے ہوئے ذہن کے ساتھ وہاں تاریکی میں بیٹھی سوچ رہی تھیں۔

پھر انھیں اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ جانتی تھیں ذالعید واپس جانے کے لیے باہر آیا ہے۔ انھوں نے پیچھے مڑے بغیر کچھ سمٹ کر برآمدے کی سیڑھیوں سے اس کے گزرنے کے لیے جگہ بنا دی۔ وہ گیا نہیں ان کی پشت پر کھڑا رہا۔

وہ جانتی تھیں وہ جانے سے پہلے ان سے کچھ کہنا چاہتا تھا اور انھیں اس کے لفظوں سے خوف آ رہا تھا۔ ستائیس سال پہلے مظہر کے منہ سے نکلنے والے جملوں نے بعد کے کئی سال ان کے وجود کو عفریت بن کر جکڑے رکھا تھا اور اب...... اب ذالعید کے منہ سے نکلنے والے لفظ...... وہ جانتی تھیں۔ وہ باقی ساری عمر ان لفظوں کے چنگل سے نہیں نکل پائیں گی۔

وہ ان کے بالکل پیچھے کھڑا تھا اور وہ اتنی ہمت نہیں کر پا رہی تھیں کہ مڑ کر اسے دیکھ لیں۔

''مجھے آپ سے یہ کہنا ہے......'' سناٹا ٹوٹ گیا، اس نے بات شروع کی پھر رک گیا۔

وہ اس کی آواز میں موجود نمی کو محسوس کر رہی تھیں۔ ماما جان کو اپنا پورا وجود برف کے بت میں تبدیل ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ اب ان کے پیچھے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ ''مجھے آپ سے صرف یہ کہنا ہے کہ...... '' وہ ایک بار پھر رک گیا۔

وہ کیا کر رہا تھا؟ آپ نے آنسوؤں پر قابو پانے کی کوشش؟'' ماما جان نے سوچا۔ انھیں یاد آیا ستائیس سال پہلے جب مظہر اسے لے گیا تھا تب بھی وہ رو رہا تھا۔ بلند آواز میں۔ بلک بلک کر مگر تب اس نے اپنے آنسو روکنے کی کوشش کی تھی نہ ہی اپنی آواز کا گلا گھونٹا تھا...... آج وہ یہ دونوں کام کر رہا تھا۔ ذالعید واقعی بڑا ہو گیا ہے۔ انھوں نے اپنے سرد ہاتھوں کو بھینچتے ہوئے سوچا۔''

''آپ نے میرے ساتھ غلط کیا'' انھوں نے اس کے جملے کو پورا ہوتے سنا۔

''ستائیس سال پہلے مظہر نے بھی تو مجھ سے یہی کہا تھا۔'' انھیں یاد آیا۔ ''اور اب یہ بھی وہی سب دہرائے گا۔ مجھے بتائے گا کہ میں کتنی بری عورت ہوں۔ جس نے اس کے باپ کو دھوکا دیا، اسے دھوکا دیا۔ اس کے ساتھ آج تک فریب کر رہی ہوں۔ ایک کال گرل اس کی ماں کیسے ہو سکتی ہے۔ اسے مجھ سے گھن آتی ہے۔ میں اس کے لیے ذلت کا باعث ہوں میرے جیسی عورتیں۔''

ان کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ ذالعید نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا۔ وہ ان کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھے ان کی پشت سے ماتھا لگائے بچوں کی طرح رو رہا تھا۔

''کیا یہ Illusion (وہم) ہے؟'' اس کا لمس انھیں عجیب لگا۔ ''کیا سب کچھ جاننے کے بعد بھی......

''آپ نے مجھ سے یہ سب کیوں چھپایا؟'' وہ رو رہا تھا۔

''آپ کا تعارف میرے لیے کسی ذلت کا باعث نہیں ہے۔ مجھے فخر ہے کہ آپ میری ماں ہیں ماما جان۔''

''فخر؟ یہ کیا کہہ رہا ہے؟'' ماما جان نے بے یقینی کے عالم میں اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔ اس کے بازو اب ان کی گردن کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھے۔ وہ ایک ننھے بچے کی طرح گھٹنوں کے بل بیٹھا ان کی گردن کی پشت پر اپنے گال رگڑ رہا تھا۔

''مجھے فخر ہے ماما جان! آپ میری ماں ہیں۔ آپ نے یہ کیوں سوچا کہ میں آپ سے تعلق پر شرمندگی محسوس کروں گا۔ آپ سے تعلق پر؟ اپنی ماں سے تعلق پر؟...... میں آپ کو مکمل طور پر Own (اپنانا) کرتا ہوں۔ آپ کے ماضی سمیت۔ میں مظہر اواب خان نہیں ہوں۔ میں ذالعید ہوں...... آپ کا بیٹا...... صرف آپ کا بیٹا۔''

برف کا وہ بت پگھلنے لگا تھا۔ کچھ بھی وہم نہیں تھا...... نہ آج کی رات...... آواز...... نہ یہ لفظ...... نہ یہ شخص...... ستائیس سال پہلے کا بھیانک خواب ہمیشہ کے لیے گزر چکا تھا۔ وہ اب دوبارہ کبھی پلٹ کر آنے والا نہیں تھا۔ واپس مڑ کر وہی آیا تھا۔ جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔

ماما جان نے اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹا لیے۔ انھوں نے ایک بار سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔ پھر انھوں نے اپنی گردن کے گرد حمائل ان بازوؤں کو دیکھا۔ انھوں نے اپنا ہاتھ اس کی کلائیوں پر رکھ دیا۔ پھر وہ بے اختیار اس کے ہاتھ چومنے لگیں۔

ستائیس سال پہلے وہ ہاتھ ننھے منے تھے۔ انھیں آج تک ان نرم ہاتھوں کا لمس یاد تھا۔ ستائیس سال بعد ان ہاتھوں کو چومتے ہوئے بھی

انھیں وہ اتنے ہی نرم لگے تھے۔ستائیس سال غائب ہو گئے تھے۔ستائیس سال کہیں چلے گئے تھے۔وہ اب بھی ان کے پاس تھا وہ اب بھی رو رہا تھا مگر اب وہاں کوئی مظہر اوّاب خان نہیں تھا جو اسے وہاں سے لے جاتا۔

وہاں صرف ذالعید تھا۔خدیجہ نور تھی۔

بیٹا تھا۔ماں تھی۔

آج وہ اسے چپ کرواسکتی تھیں۔اس کے آنسو پونچھ سکتی تھیں۔

''اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرمالیتا ہے تو اسے کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔وہ ذات پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔''

خدیجہ کو یاد آ گیا تھا۔ستائیس سال پہلے کی وہ رات اور وہ دعا...... ذالعید کا ہاتھ چومتے ہوئے وہ مسکرانے لگیں۔

''اور بات میں اللہ سے بڑھ کر سچا اور کون ہے؟''اس نے سرگوشی کی۔

❁

اگلے کئی ہفتے وہ ایک عجیب سے شاک کی حالت میں رہا۔ہر چیز سے یک دم جیسے اس کی دلچسپی ختم ہو گئی تھی۔زندگی اسے پہلے کبھی اتنی تکلیف دہ اور ناقابل یقین نہیں لگی تھی۔

ساڑھے ستائیس سال آپ نے جس ماں کو دیکھا تک نہ ہو، وہ یک دم آپ کے سامنے آ جائے اور وہ اپنے جسم پر پڑے ہوئے سارے آبلے اور ان سے رستا ہوا خون آپ کو دکھانے لگے اور آپ کو یہ بتائے کہ وہ زخم اس کے جسم پر لگانے والا شخص آپ کی زندگی کا دوسرا اہم رشتہ ہے۔آپ کا باپ ہے اور آپ یہ جانتے ہوں کہ اس کے لفظوں میں کہیں بھی جھوٹ نہیں ہے تو پھر آپ کو ان آبلوں سے رستا ہوا خون اس تیزاب کی طرح لگتا ہے جو آپ کو اندر اور باہر ہر طرف سے گلا دیتا ہے۔آپ بے داغ جسم لیے پھرنے کے باوجود وہ سارے زخم، وہ ساری رطوبتیں اپنے جسم پر محسوس کرتے ہیں اور پھر آپ ساری عمر آلودہ پھرتے رہتے ہیں۔

ذالعید کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔اپنا خاندانی حسب نسب اسے ایک کھوکھلے تنے کی طرح گرتا محسوس ہوا۔

''تو یہ وہ سچ ہے ذالعید اوّاب! جسے میرا باپ مظہر اوّاب خان ساری عمر چھپاتا رہا۔اس کا خیال تھا۔میری ماں کا ماضی ایک عفریت کی طرح میری شناخت اور زندگی کو کھا جائے گا۔اس لیے اس نے میری ماں خدیجہ نور کو اپنی زندگی سے باہر نکال پھینکا۔اس کے بارے میں کبھی مجھ سے بات تک نہیں کی۔

''تمہاری ماں کے ساتھ میری انڈر اسٹینڈنگ نہیں ہو سکی۔اس لیے ہم دونوں الگ ہو گئے۔اس نے تمھیں مجھے دے دیا کیونکہ وہ تمہاری ذمہ داری نہیں اٹھا سکتی تھی۔''بہت سال پہلے مظہر نے ایک بار خود ذالعید کو اس کی ماں کا یہ تعارف دیا تھا۔

ذالعید نے دوبارہ کبھی ان سے اپنی ماں کے بارے میں نہیں پوچھا اور اب......اب وہ اس کے سامنے آ گئی تھی۔

اسے یاد تھا جب ماما جان نے اس کے ماں باپ کی مرضی کے بغیر مریم کی شادی اس سے کرنے سے انکار کر دیا تو وہ مظہر او اب کے پاس گیا تھا۔ اس نے ان سے کہا کہ وہ اسے اس کی ماں کا ایڈریس دے دیں۔ وہ انگلینڈ ان کے پاس جا کر ان سے کہے گا کہ وہ مریم کی امی سے اس کے رشتہ کی بات کریں۔ اس نے مظہر کو دھمکی دی تھی کہ ''اگر وہ ایڈریس نہیں بھی دیں گے، تب بھی وہ چلا جائے گا اور خود اپنی ماں کو ڈھونڈے گا۔ اس کے الفاظ سن کر مظہر جیسے سکتے میں آ گئے تھے۔

ذالعید کو یاد تھا انھوں نے اعتراض کا ایک لفظ بھی کہے بغیر اس سے کہا۔ ''ٹھیک ہے میں نزہت سے کہہ دوں گا، وہ تمھارے پرپوزل کے سلسلے میں مریم کی ماں سے بات کرے گی۔ میری فیملی تمہاری شادی میں شرکت کرے گی مگر میں نہیں کروں گا'' ذالعید کو ان سے اتنی جلدی ہار مان لینے کی توقع نہیں تھی۔

اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ وہ ہار نہیں خوف تھا۔ انھیں یہ اندیشہ تھا کہ وہ کہیں اپنی ماں تک نہ پہنچ جائے۔ اس کے بارے میں نہ جان جائے۔ انھوں نے اسے شادی کی اجازت دے کر اپنے خاندانی وقار کو بچانے کی کوشش کی تھی۔

✿

''میں کیوں آپ کو اپنے ساتھ نہ رکھوں ماما جان! میں کیوں اس کی بات مانوں...... مجھے کتنی تکلیف ہوتی ہے جب میں سوچتا ہوں کہ میری ماں یہاں اکیلی رہتی ہے۔ میرے پاس سب کچھ ہو اور میری ماں۔''

وہ انھیں اپنے ساتھ گھر لے جانا چاہتا تھا مگر ماما جان نے اس سے کہا کہ وہ پہلے مریم سے بات کرے۔ مریم کے انکار پر وہ بری طرح مشتعل ہو گیا خاص طور پر تب جب اسے یہ پتا چلا کہ مریم نے ماما جان سے ان کے گھر نہ آنے کے لیے کہا ہے۔

''میرا بھی دل چاہتا ہے ماما جان! کہ آپ میرے گھر میں ہوں۔ میں رات کو جب چاہوں آپ کے پاس آ جاؤں۔ میں صبح آپ کو دیکھوں۔ میں نے ساری عمر ماں کو نہیں دیکھا مگر اب تو میں اسے اپنے پاس رکھ سکتا ہوں۔''

''تم روز یہاں آتے ہو، میرے لیے اتنا کافی ہے۔ ذالعید۔''

''مگر میرے لیے کافی نہیں ہے۔ میں سب کو بتا دوں گا کہ آپ میری ماں ہیں۔ پھر تو مریم مجھے روک نہیں سکے گی آپ کو رکھنے سے۔''

''اور تمھارے پاپا...... تم نے کبھی سوچا ہے، ان کا ری ایکشن کیا ہو گا جب وہ میرے بارے میں جانیں گے۔ پورا خاندان سب کچھ جان جائے گا۔ تم اور مریم کیا کرو گے؟ کیا کرو گے جب لوگ میرے ماضی کے حوالے سے بات کریں گے۔'' وہ پرسکون انداز میں کہہ رہی تھیں۔

''ماما جان! وہ ماضی تھا۔ اتنے سال پرانی بات کون یاد رکھتا ہے کون یاد رکھے گا۔ لوگ بھول جاتے ہیں۔'' ماما جان نے بھیگی آنکھوں سے نفی میں سر ہلایا۔

''دنیا عورت کے ماضی کو کبھی نہیں بھولتی۔ دنیا صرف مرد کے ماضی کو بھول جاتی ہے۔ میں تمھیں اور مریم کو دنیا کی نظروں میں گرانا نہیں چاہتی۔ مریم مجھے اس طرح گھر میں نہیں رکھے گی۔ تم سب کچھ بتا دو گے تو بھی وہ راز نہیں رکھے گی۔ تمھارے گھر میں کبھی نہ کبھی مظہر تک میرا اصل

تعارف پہنچ جائے گا اور پھر سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ مظہر نے میرے بارے میں سب کچھ چھپا کر اپنی عزت رکھی ہے۔ تمہاری عزت رکھی ہے۔ اتنے سالوں بعد جب لوگوں کو میرے بارے میں پتا چلے گا تو لوگ تمہارے بارے میں سوال کریں گے۔ تمہاری ولدیت کے بارے میں انھیں شبہ ہونے لگے گا۔ کیا کرو گے پھر؟ کس کس کا منہ بند کرو گے؟ کس کس کو یقین دلاؤ گے کہ تمہاری ماں کا کردار برا نہیں تھا۔ حالات برے تھے۔ مریم سوسائٹی میں کس منہ سے جائے گی۔ میرا اسکینڈل اس کا کیریئر تباہ کر دے گا۔ تم خود باپ بننے والے ہو۔ کل اپنی اولاد کے سامنے کس طرح بے قصور ثابت کرو گے مجھے۔ میری وجہ سے وہ زندگی میں کچھ کھوئیں گے تو تم کو الزام دیں گے۔ زندگی میں نئے رشتے بناتے ہوئے لوگ ان سے میرے بارے میں سوال کریں گے۔

سب کے سامنے مجھے اپنی ماں تسلیم کر کے تم ہر ایک سے کٹ جاؤ گے۔ باپ سے، بہن بھائیوں سے، خاندان سے...... میں ایک رشتہ تمھیں دے کر تم سے سب کچھ کیسے چھین لوں۔ یہ بہتر ہے مجھے یہیں رہنے دو یہاں میں محفوظ ہوں یہاں میری عزت ہے لوگ احترام کرتے ہیں میرا...... یہاں کوئی میرے ماضی کی تاک میں نہیں ہے۔'' ذالعید نے خود کو بے بسی کی انتہا پر پایا۔

ماما جان سامنے چارپائی پر بیٹھی تھیں۔ وہ زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر ان کے گھٹنوں پر سر رکھ کر رونے لگا۔ ماما جان کا دل بھر آیا۔

''مجھے آج کل زندگی کتنی بری لگ رہی ہے۔ میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔ دنیا، رشتے، لوگ، معاشرہ، روایات، رسوم، اقدام یہ سب کچھ اتنا کھوکھلا اور گندا ہے کہ اسے اٹھا کر باہر پھینک دینا چاہیے۔ کاش...... کاش ماما جان میں ذالعید اواب خان نہ ہوتا...... میں اس محلے کی گلیاں اور نالیاں صاف کرنے والا کوئی شخص ہوتا...... کہیں ٹھیلا لگاتا، کہیں سبزی بیچ رہا ہوتا، کچھ بھی کر رہا ہوتا مگر میرے پاس یہ نام نہ ہوتا۔ یہ خاندان نہ ہوتا...... میرے پاس کچھ بھی نہ ہوتا...... نہ مجھے یہ پروا ہوتی کہ لوگ کیا کہیں گے، نہ آپ مجھے اس سے خوفزدہ کرتیں کہ دنیا کیا سوچے گی، میں آپ کو اپنے پاس رکھتا۔ خوش قسمت تو ہوتا میں۔'' وہ ان کی گود میں بلک رہا تھا۔

''آپ ٹھیک کہتی ہیں، دنیا وہ دودھاری تلوار ہے، جس پر ننگے پاؤں پر چلنا پڑتا ہے، چلنا ہی ہوتا ہے۔ پیروں کو زخمی کرنے والی چیز سے محبت کیسے کرنے لگتے ہیں لوگ...... کیوں کرنے لگتے ہیں۔'' وہ اس دن سارا وقت اسی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتا رہا تھا۔

❁

زینب کی پیدائش کے بعد وہ آہستہ آہستہ سنبھلنے لگا۔ وہ ہر روز تین گھنٹے ماما جان کے پاس گزار کر آتا تھا۔ اس نے انھیں ایک موبائل دیا ہوا تھا جس پر وہ دن میں کئی بار ان سے بات کرتا رہتا۔ شاید اسے اس طرح ماما جان کے حوالے سے اس عدم تحفظ کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ رات کو سونے سے پہلے بھی وہ ایک بار ان سے بات ضرور کرتا۔

مریم اپنی زندگی میں مصروف اور مطمئن تھی۔ وہ اپنی زندگی میں مصروف تھا۔ ماما جان کے محلے میں ہر کوئی اس کی اس روٹین سے واقف تھا کہ وہ روز تین گھنٹے کے لیے وہاں آتا تھا۔ ماما جان کے کہنے پر وہ محلے کے بہت سے لوگوں کے کام کروا دیا کرتا۔ اسے اس محلے میں رہنے والے تقریباً ہر شخص سے واقفیت ہو گئی تھی۔ وہ ان لوگوں کی خوشی اور غمی میں شرکت بھی کرتا۔ اس طرح کی سوشل لائف اس نے کبھی نہیں گزاری تھی۔ جس علاقے

میں وہ رہتا تھا وہاں اس طرح کے میل ملاپ کا کوئی تصور ہی نہیں تھا اور نہ ہی ذالعید نے کبھی یہ سوچا تھا کہ خود وہ کبھی لوگوں کے ساتھ اس طرح کے تعلقات بڑھائے گا مگر اب وہ سب کچھ کر رہا تھا۔

محلے کے لوگوں کی شادیوں کی تقریبات میں کچھ دیر کے لیے چلا جاتا۔ انھیں اپنی طرف سے تحفے تحائف دے دیتا۔ کسی کی موت کی صورت میں نماز جنازہ کے لیے بھی چلا جاتا۔ یہ ممکن نہ ہوتا تو تعزیت ضرور کر آتا۔ محلے کے لوگوں کے سرکاری دفاتر میں پھنسے ہوئے کام کروا دیتا۔ ہاسپٹل میں اپنے دوست ڈاکٹرز سے ان کی سفارش کر دیتا۔ مالی مسائل میں گھری ہوئی فیملیز کی ماما جان کے ذریعے مدد کر دیتا۔ گلی کی مرمت کروا دیتا۔ وہ کئی بار زینب کو لے کر ماما جان کے پاس چلا گیا۔ ماما جان زینب کو دیکھ کر بہت خوش ہوتی تھیں۔

اس کا نام زینب نور رکھنے کی فرمائش انھوں نے کی تھی اور ذالعید نے مریم کے اعتراض کے باوجود اس کا نام ان ہی کے نام پر رکھا۔

وہ مریم کے ساتھ ماما جان کے پاس کبھی نہیں آتا تھا۔ حتیٰ کہ عید پر بھی وہ مریم کے ساتھ نہ آتا۔

''ماما جان! وہ آپ کی کسی نہ کسی بات پر اعتراض ضرور کرتی ہے اور وہ آپ سے اتنی بری طرح بات کرتی ہے کہ میں برداشت نہیں کر پاتا...... میں جانتا ہوں کہ اگر کبھی اس نے میرے سامنے آپ کے سامنے اس طرح بات کی تو میں خود پر قابو نہیں رکھ پاؤں گا اور میں ایسا کچھ کہنا اور کرنا نہیں چاہتا جس پر میں، آپ اور وہ، تینوں تکلیف پائیں۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ وہ میرے ساتھ آپ سے ملنے نہ آئے۔ میں تو اب اس سے آپ کے بارے میں بات بھی نہیں کرتا۔ آپ نے دنیا کی سب سے بے وقوف عورت دعاؤں کے زور پر میرے گلے ڈال دی۔''

ماما جان کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ ''فضول بکواس مت کرو۔''

''بکواس نہیں کر رہا ہوں ماما جان! سچ کہہ رہا ہوں...... افسوس کے ساتھ مگر سچ یہی ہے کہ آپ کی اُم مریم ایک بری بیٹی، اس سے بری بیوی اور اس سے بھی زیادہ بری ماں ہے۔'' وہ سنجیدگی کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

''اس طرح بات کیوں کر رہے ہو اُم مریم کے بارے میں؟'' ماما جان کو اس بار تکلیف ہوئی۔ ''اس میں کوئی نہ کوئی خوبی تو ضرور ہوگی۔''

''ہاں! وہ ایک بہت اچھی مصورہ ہے مگر یہ وہ رول ہے جس کا میرے گھر اور اولاد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ اس کی غلطیوں کو اگنور کر سکتی ہیں، میں کر سکتی ہوں مگر اولاد کبھی نہیں کرتی۔ اولاد کو صرف اچھی ماں چاہیے ہوتی ہے۔ ان کو اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ وہ کتنی اچھی مصورہ، کتنی اچھی مصنفہ یا کتنی اچھی اداکارہ ہے اور دنیا نے اس کو کہاں بٹھایا ہوا ہے اور ماما جان! ایک انسان اور جانور کی ماں میں یہی فرق ہوتا ہے۔ پیدا تو جانور بھی کر لیتا ہے بچہ...... مگر جانور تربیت نہیں کر سکتا، وہ اولاد پیدا کر کے چھوڑ دیتا ہے اور مریم بھی یہی کر رہی ہے۔ اس کو زینب میں کوئی دلچسپی نہیں۔ گورنس اور میں اس کو پال رہے ہیں۔ ایسی ماؤں کے پیروں کے نیچے تو کوئی جنت تلاش کرنے نہیں جاتا اور جنت کسی دوسری دنیا میں نہیں ملتی۔ اچھی ماں اپنی اولاد کو اسی دنیا میں جنت دے دیتی ہے۔ اولاد کو جینے کا گر سکھا دیا تو آپ نے اس کی زندگی جنت بنا دی۔''

''تمھیں مریم سے شکایت ہے تو تم اس سے بات کرو، اسے سمجھاؤ۔'' ماما جان نے مدھم آواز میں کہا۔

''نہیں ماما جان! میں اسے کبھی نہیں سمجھاؤں گا۔ ہر شخص کو اپنی ذمہ داریوں کا خود احساس ہونا چاہیے۔ اس کو پتا ہونا چاہیے کہ وہ صرف

مصورہ نہیں ہے، بیوی اور ماں بھی ہے۔'' ماما جان اس کا چہرہ دیکھتی رہیں۔

''مجھے بعض دفعہ لگتا ہے ذالعید! میں اچھی ماں ثابت نہیں ہوئی اس کی اچھی تربیت نہیں کر سکی۔''

''آپ کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو بھی مریم ایسی ہی ہوتی...... کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں ماما جان جن کی خواہشات کی کوئی انتہا نہیں ہوتی وہ ہر انسانی خوبی اور صفت سے خود کو محروم کر لیتے ہیں۔ دریا کے کنارے بیٹھ کر بھی ان کو پانی نظر نہیں آتا۔''

''مریم بری نہیں ہے، وہ ٹھیک ہو جائے گی۔'' ذالعید بے بسی سے مسکرایا۔

''میں کچھ بھی کہہ لوں، وہ کچھ بھی کر لے۔ آپ کے نزدیک اُمّ مریم اُمّ مریم ہی ہے۔ کوئی اس کی جگہ لے ہی نہیں سکتا۔ رات کو محترمہ مجھ سے فرما رہی تھیں۔ ذالعید تمھیں نہیں لگتا میں پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی ہوں۔ میں نے کہا خوبصورتی کا تو مجھے پتا نہیں مگر پہلے سے زیادہ بے وقوف ضرور ہو گئی ہو۔'' وہ اب شگفتگی سے کہہ رہا تھا۔

''یہ تم نے اس سے کہہ دیا؟'' ماما جان نے ناراضگی سے اسے دیکھا۔

''دل میں کہا...... ماما جان! آپ کی بیٹی کو اس طرح کی بات کہنے کے بعد گھر میں کون رہ سکتا ہے۔'' وہ ہنسا۔

⁂

ان ہی دنوں ماما جان نے اس سے حج کی فرمائش کی۔ ذالعید بلا تامل تیار ہو گیا۔

''مریم سے کہہ دوں گا کہ مجھ کو انگلینڈ جانا ہے ڈیڑھ ماہ کے لیے...... وہ ویسے بھی بہت مصروف رہتی ہے، اس کو کیا فرق پڑے گا۔ یہاں پر بھی آپ یہی کہہ دیں کہ آپ کچھ عرصہ کے لیے کہیں جا رہی ہیں۔'' ذالعید نے ان سے کہا۔ وہ مطمئن ہو گئیں۔ اس نے اپنے اور ماما جان کے کاغذات جمع کروا دیے۔

⁂

چوبیسواں باب

شجاع، خدیجہ نور کی زندگی میں آنے والا عجیب ترین مرد تھا۔ سراپا مہربانی، سراپا عاجزی، سراپا ایثار...... ان تین لفظوں کے علاوہ کوئی اور لفظ اس کی تعریف میں نہیں کہا جا سکتا تھا۔

اس کی ایک چھوٹی سی دکان تھی، جہاں وہ سبزیاں اور پھل بیچا کرتا تھا۔ دکان گھر سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھی، وہ صبح چار بجے اٹھتا اور نماز پڑھنے کے بعد منڈی چلا جاتا۔ سات بجے کے قریب وہاں سے سبزی اور پھل لا کر وہ بیچنا شروع کر دیتا اور شام سات آٹھ بجے وہ فارغ ہو کر گھر آ جایا کرتا۔

وہ بہت معمولی پڑھا لکھا تھا۔ وہ پانچویں میں تھا، جب اس کے باپ کی وفات ہوئی۔ اس کا باپ بھی وہی دکان چلاتا تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد اس نے تعلیم چھوڑ کر دکان سنبھال لی۔ اس وقت اس کی عمر بارہ تیرہ سال تھی اور سترہ سال کی عمر میں جب اس کی ماں کی وفات ہوئی تو اس نے باپ کے ساتھ ماں کی بھی تمام ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ اس کی چار چھوٹی بہنیں تھیں۔ جنھیں اس نے نہ صرف اپنی استطاعت کے مطابق پڑھایا بلکہ ان کی اچھی جگہوں پر شادیاں بھی کیں۔ ساجدہ ان ہی چار بہنوں میں سب سے بڑی تھی۔

چالیس سال کی عمر میں ایک بیس سالہ لڑکی سے اس کی شادی طے کر دی گئی۔ وہ اتنی کم عمر لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا مگر اس کی بہنوں نے اسے یہی بتایا کہ اس لڑکی کو کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ وہ خود بہت زیادہ غریب گھرانے سے تعلق رکھتی ہے اور اسے اس کے چچا نے پالا ہے۔

شادی کے بعد شجاع کو پتا چلا کہ اس لڑکی سے اس کی عمر اور مالی حیثیت کے بارے میں جھوٹ بولا گیا تھا۔ وہ چند ماہ کسی نہ کسی طرح اس گھر میں رہتی رہی مگر پھر اس نے ایک دن شجاع سے طلاق مانگ لی۔ وہ کسی دوسرے شخص سے شادی کرنا چاہتی تھی، شجاع نے کسی حیل وحجت کے بغیر نہ صرف اسے طلاق دے دی بلکہ وہ تمام زیور اور اپنی ساری جمع پونجی بھی اسے دے دی جو اس کی بہنوں نے اس کی شادی پر تحائف کی صورت میں اس کی بیوی کو دیا تھا۔ اس کی بہنوں نے اس کی اس ''سخاوت'' پر خاصا واویلا مچایا مگر شجاع نے اپنی فطرت کے مطابق ہر بات کو نظر انداز کر دیا۔

پھر ساجدہ نے اپنے بھائی کی محبت کے ہاتھوں پر مجبور ہو کر یہ سوچا کہ وہ اسے کسی نہ کسی طرح باہر بلوا کر سیٹ کرنے کی کوشش کرے اور اس کی اس محبت کی بھینٹ خدیجہ چڑھی۔ ساجدہ کا خیال تھا کہ شہریت حاصل کرنے کے بعد وہ شجاع کو مجبور کر کے خدیجہ کو طلاق دلوا دے گی یا یہ بھی ممکن ہے کہ خدیجہ خود ہی شجاع سے طلاق لے لے، کیونکہ انھوں نے اس سے بھی شجاع کے بارے میں سب کچھ چھپایا تھا یہی وجہ تھی کہ ساجدہ نے اس وقت بھی کوئی اعتراض نہیں کیا جب خدیجہ نے اسے یہ بتایا کہ وہ کال گرل رہ چکی ہے۔

مگر جب خدیجہ نے شجاع کے ساتھ زندگی گزارنے اور پاکستان میں ہی رہنے کا فیصلہ کر لیا تو ساجدہ سمیت اس کی تمام بہنوں نے بہت ہنگامہ اٹھایا۔ خدیجہ کو اندیشہ تھا کہ شجاع اپنی بہنوں کے دباؤ میں آ کر اسے انگلینڈ جانے پر مجبور کر سکتا ہے، مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے خدیجہ کو اپنے

ساتھ انگلینڈ چلنے کے لیے کہا نہ ہی برٹش نیشنلٹی حاصل کرنے کے لیے کاغذات تیار کروائے۔ وہ خاموشی کے ساتھ اپنی بہنوں کی باتیں سنتا رہتا اور ان سے یہ کہہ دیتا کہ وہ خدیجہ سے بات کرے گا مگر ان کے جانے کے بعد وہ خدیجہ سے اس سلسلے میں کوئی بات نہ کرتا۔

تنگ آ کر ساجدہ نے خدیجہ سے براہِ راست بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ شروع میں اس نے نرمی کے ساتھ خدیجہ کو پاکستان کے مسائل کے بارے میں بتایا مگر جب اسے احساس ہوا کہ وہ واپس جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تو اس کا رویہ بدل گیا۔ اس نے خدیجہ کو بلیک میل کرنا شروع کر دیا کہ وہ شجاع کو اس کے ماضی کے بارے میں سب کچھ بتا دے گی...... مگر یہ جان کر وہ ششدر رہ گئی کہ خدیجہ شجاع کو پہلے ہی سب کچھ بتا چکی تھی۔ ساجدہ کو اپنے کسی بھی جھوٹ پر کوئی شرمندگی نہیں تھی۔ خدیجہ کو اس کی ڈھٹائی پر حیرت ہوئی، وہ اب اسے کیتھرین کے نام سے پکارتی۔ اسے کرسچین کہتی، اس کے ماضی کے حوالے سے اسے کچوکے دیتی۔ اس کے پہلے شوہر کا ذکر کرتی۔

خدیجہ اس کی ہر بات کے جواب میں خاموشی اختیار کر لیتی۔ اپنے قیام کے پورے عرصہ میں اس نے خدیجہ کی زندگی کو عذاب بنائے رکھا۔ وہ اب بلند آواز میں اسے گالیاں دیتی تھی۔ اپنے بھائی سے جھگڑتی، اس کا خیال تھا کہ خدیجہ نے اس کے بھائی کا رہا سہا مستقبل بھی تباہ کر دیا ہے۔

اس کے جانے کے بعد بھی خدیجہ کے لیے زندگی بہت آسان نہیں تھی۔ ساجدہ کی دوسری بہنیں بھی اس سے اتنی ہی نفرت کرتیں۔ وہ جب بھی اس کے گھر آتیں، اس کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹی کھانے پر تیار نہ ہوتیں، وہ برتن تک نہ پکڑتیں جسے وہ استعمال کرتی۔ اس کے بستر پر بھی نہ بیٹھتیں۔ ان کے نزدیک اس کے قبول اسلام کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ پہلے بھی کرسچین تھی، اب بھی کرسچین تھی۔

''مسلمان تو صرف وہی ہوتا ہے جو پیدائشی مسلمان ہو، باقی سب کچھ تو فریب ہے۔'' وہ باآواز بلند کہتیں۔

خدیجہ صبر کرتی...... مگر کبھی کبھی وہ رو پڑتی۔ انگلینڈ میں کم از کم اس کے ساتھ یہ سب کچھ نہیں ہوا تھا۔ یہاں وہ زندگی کا نیا رخ دیکھ رہی تھی۔

''میں نے ماں باپ کے بعد اپنی بہنوں کو اپنی اولاد کی طرح پالا ہے...... میں نہیں جانتا انھیں کیسے جھڑکوں، کیسے منع کروں۔ انھیں یہاں آنے سے منع کر دوں گا تو ان کا میکہ ختم ہو جائے گا۔ میرے علاوہ ان کا اور کوئی نہیں ہے۔ انھیں یہاں آنے سے منع نہ کروں تو یہ تمھیں تکلیف پہنچاتی ہیں...... میں انھیں سمجھا نہیں سکتا، سمجھاؤں گا تو یہ تمھارے اور خلاف ہو جائیں گی۔ خدیجہ! کیا تم میرے لیے صبر کر سکتی ہو؟ انھیں معاف کر سکتی ہو؟'' شجاع نے ایک دن اس کو روتے دیکھ کر دل گرفتی کے عالم میں اس سے کہا تھا۔

''ان پر غصہ آئے تو تم مجھے برا بھلا کہہ لو...... یہ زیادتی کریں تو تم مجھ سے بدلہ لو۔ مگر انھیں کچھ مت کہنا ان کو بددعا نہ دینا، میں نے ان لوگوں کے لیے اپنی ساری عمر گزار دی ہے۔ واحد اطمینان مجھے یہ ہے کہ میری چاروں بہنیں اپنے گھروں میں خوش ہیں...... اب اگر تمھاری بددعا سے ان پر کوئی مصیبت آئے گی تو میں کیا کروں گا۔ خدیجہ! مجھے ایسا لگے گا جیسے ساری عمر ایک فصل لگائی اور جب وہ تیار ہوئی تو اپنے ہی ہاتھوں اسے آگ لگا دی۔''

خدیجہ نے بھیگی آنکھوں کے ساتھ اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''ایسا کیوں کہتے ہیں آپ شجاع! کیا میں آپ کی بہنوں کو بددعا دوں گی؟ کیا انھیں تکلیف پہنچاؤں گی؟ میں ایسا کر ہی نہیں سکتی شجاع...... ہاں مجھے ان کی باتوں سے تکلیف ہوتی ہے، میں صبر تو کر لیتی ہوں مگر آنسو نہیں روک پاتی۔ آپ میرے آنسوؤں سے پریشان نہ ہوں نہ ہی خوفزدہ ہوں کہ میں ان کے لیے کوئی بددعا کروں گی۔'' شجاع اس عورت کو حیرت سے دیکھتا رہا وہ کچھ

اور مشکور اور احسان مند ہو گیا۔

شجاع کی آمدنی محدود تھی مگر وہ ہر حال میں خوش رہنے والا شخص تھا۔اس نے ساری زندگی اپنے لیے کچھ بھی نہیں بنایا۔ پہلے وہ سب کچھ ماں کو دیا کرتا تھا۔اس کے بعد بہنوں کو...... پھر اس کی پہلی بیوی آ گئی اور اب خدیجہ...... وہ بڑی ایمانداری کے ساتھ ہر روز کی کمائی اسے دے دیا کرتا تھا۔

پہلی بار جب اس نے اپنی دن بھر کی بچت اسے دی تو خدیجہ کو بے اختیار مظہر یاد آیا۔ ہاتھ میں لیے ہوئے ان سکوں اور میلے کچیلے نوٹوں کو وہ بہت دیر تک دیکھتی رہی پھر اس نے شجاع کا ہاتھ چوم لیا۔

شجاع بہت خیال رکھنے والا نرم خو شخص تھا۔ خدیجہ نے کبھی اسے بلند آواز میں بولتے یا غصہ کرتے نہیں دیکھا۔ صرف گھر میں ہی نہیں وہ محلے میں بھی بہت اچھے طریقے سے رہا کرتا تھا۔شاید یہی وجہ تھی کہ خدیجہ کو بہت جلدی اس محلہ میں قبول کر لیا گیا۔اس کی نند ہر جگہ اس کی برائی کرتی مگر اس کے باوجود کم از کم محلّہ کے لوگوں کا رویہ اس کے لیے تکلیف کا باعث نہیں بنا۔اس کی بڑی وجہ شاید اس کا اپنا طور طریقہ تھا۔ وہ ایک چادر سے بڑی اچھی طرح خود کو سر سے پاؤں تک ڈھانپے رکھتی تھی۔ محلّہ کی دوسری عورتوں کی طرح وہ محلے کے گھروں میں بے مقصد جانے کی عادی نہیں تھی۔ وہ اپنے گھر آنے والی عورتوں کی باتیں خاموشی اور مسکراہٹ کے ساتھ سنتی رہتی۔

شروع میں شجاع کی انگریز بیوی ایک دلچسپ موضوع تھا۔ ہر ایک کو اس وقت کا بھی انتظار تھا جب وہ اسے چھوڑ کر چلی جاتی۔ مگر جب آہستہ آہستہ کئی سال گزرتے گئے تو ہر ایک کو یہ یقین ہو گیا کہ خدیجہ نور واقعی وہاں رہنے کے لیے آئی ہے۔ محلّہ میں اس کا میل جول پہلے سے زیادہ ہو گیا۔اب اکثر اس کے لیے محلّہ کے کسی نہ کسی گھر سے کوئی اچھی پکی ہوئی چیز بھی بھیجی جاتی اور شجاع کی وفات کے بعد جب تک دکان کرائے پر نہیں چڑھی تب تک محلہ کے لوگ اس کی مالی امداد بھی کرتے رہے۔

شجاع کے پاس محبت کے اظہار کے لیے لفظ نہیں تھے۔ وہ اس سے اپنی محبت کا اظہار اپنے طریقے سے کرتا۔ خدیجہ کو پھل پسند تھے۔ وہ ہر روز اس کے لیے پھل گھر ضرور لاتا۔ بعض دفعہ گاہک آنے پر بھی اس کے لیے رکھے ہوئے پھل وہ کبھی نہیں بیچتا۔ ہر نیا پھل آنے پر وہ دکان پر کریٹ میں سے سب سے پہلے اس کے لیے پھل نکالتا۔

رات کا کھانا وہ دونوں اکٹھے کھاتے تھے اور شجاع سب سے پہلے اسے پلیٹ میں کھانا نکالنے کے لیے کہتا، جب وہ پہلا لقمہ لے چکی ہوتی تب وہ اپنے لیے کھانا نکالتا۔ اگر کبھی کوئی چیز پکی ہوتی جو خدیجہ کو بہت پسند ہوتی تو وہ اپنے حصہ میں سے اس کے لیے کچھ چھوڑ دیتا۔

خدیجہ بعض دفعہ ذوالعید کو یاد کر کے رونے لگتی۔ وہ اسے تسلی دیتا۔ خدیجہ کی تنہائی ختم کرنے کے لیے اس نے گھر میں کچھ جانور پال لیے۔ چند سال گزر جانے پر بھی ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تو خدیجہ کی خواہش پر اس نے اسی محلہ کی ایک ایسی مطلقہ عورت کی بیٹی گود لے لی جو دوسری شادی کرنے والی تھی اور اس کی بیٹی کو کوئی رکھنے پر تیار نہیں تھا۔ اُمّ مریم اس وقت تین سال کی تھی جب وہ خدیجہ نور کے پاس آئی اور اس نے خدیجہ نور اور شجاع کی واحد کمی کو بھی پورا کر دیا۔ وہ دونوں اسے اپنے گھر لا کر بہت خوش تھے۔

خدیجہ نور بعض دفعہ اپنی زندگی کے بارے میں سوچتی تو حیران رہ جاتی۔ وہ شجاع کے ساتھ بہت خوش تھی۔ وہ خود بہت زیادہ عبادت گزار

نہیں تھا مگر وہ خدیجہ کی عبادت کی بہت قدر کیا کرتا تھا۔ وہ ہر ایک کو بڑی خوشی اور فخر کے ساتھ بتاتا کہ اس کی بیوی ایک نو مسلم ہے اور وہ بہت نیک عورت ہے۔ خدیجہ نے پوری زندگی کبھی اس کے منہ سے اپنے ماضی کے بارے میں کوئی سوال، کوئی اعتراض نہیں سنا۔ شاید وہ سوال کرنے والا شخص ہی نہیں تھا۔ اس نے کبھی شجاع کے منہ سے اپنے لیے کوئی طعنہ، کوئی بری بات نہیں سنی...... اور پھر ایک وقت ایسا آیا جب خدیجہ نور کو یہ لگنے لگا کہ اسے واقعی شجاع سے محبت ہے اس کا شام کو گھر آنا اسے خوشی دیتا۔ اس کے لیے کام کرنا اسے سکون بخشتا تھا۔ وہ شجاع سے اب چھوٹی چھوٹی فرمائشیں بھی کرتی تھی۔ ایسی فرمائشیں جنھیں وہ پورا کر سکتا۔ وہ شام کو اس کے آنے سے پہلے اس کے لیے بنتی سنورتی بھی تھی۔

اس نے اپنی زندگی میں بہت کچھ شجاع سے سیکھا تھا۔ صبر، اخلاص، ایثار، بے غرضی، قناعت، برداشت، اعلا ظرفی...... یہ سارے سبق اس نے اسی کم پڑھے لکھے شخص سے لیے تھے، بعض دفعہ اسے وہ رات یاد آتی جب چند گھنٹوں کے اندر اندر مظہر اسے طلاق دے کر اور ذالعید کو لے کر چلا گیا اور وہ باہر برف پر بیٹھ کر یہ سوچتی رہی کہ اس کا سب کچھ ختم ہو گیا اب اسے کم از کم اس زندگی میں دوبارہ کچھ نہیں ملے گا...... نہ گھر، نہ شوہر، نہ اولاد، نہ عزت...... شاید وہ پھر ایک کال گرل بن جائے یا لندن کی گندی گلیوں میں بھوک اور بیماری سے لڑتے ہوئے مر جائے گی بالکل اپنی ماں کی طرح یا پھر سڑکوں پر بھیک مانگتے ہوئے...... کم از کم اس رات چند گھنٹوں کے لیے اسے یہی محسوس ہوا تھا کہ اب اس کے پیروں کے نیچے دوبارہ کبھی زمین نہیں آئے گی۔

مگر اب...... شجاع اور مریم کے ساتھ اپنے ایک کمرے کے گھر میں بیٹھی وہ اپنے اندر عجیب سا اطمینان محسوس کرتی۔ ''گھر، شوہر، اولاد، عزت، رزق میرے پاس سب کچھ ہے...... مجھے اللہ نے کسی سڑک پر بھیک مانگنے کے لیے نہیں چھوڑا...... دوبارہ طوائف نہیں بنایا۔''

مریم کو اس نے کانونٹ میں داخل کروایا تھا۔ کانونٹ میں خدیجہ نور کی وجہ سے مریم سے فیس نہیں لی جاتی تھی اور اسے کچھ دوسری سہولتیں بھی دے دی گئی تھیں۔ وہ مریم کو بہت کچھ نہیں دے سکتی تھی...... مگر اس کا خیال تھا وہ اسے اچھی تعلیم ضرور دلوائے گی...... اعلیٰ تعلیم اور شاید مریم کے لیے اس کے دل میں آنے والا یہ خیال ہی اسے کانونٹ تک لے گیا تھا۔

مریم نے انگلش خدیجہ نور سے سیکھی تھی، خدیجہ نور گھر میں اس کے ساتھ بچپن سے یہی زبان بولتی۔

مریم کا لب و لہجہ بالکل خدیجہ نور جیسا تھا۔ انگلش میں گفتگو کرتے ہوئے اسے یہ احساس ہوتا کہ وہ مقامی نہیں ہے اور مریم کو اس بات پر خاصا فخر بھی تھا کہ وہ اپنی کلاس کی بہت سی لڑکیوں سے زیادہ اچھی انگلش بولتی ہے اور شاید فخر کا یہ وہ پہلا بیج تھا جو مریم نے اپنے دل میں بویا۔

❁

شجاع نے اپنی وفات سے بہت عرصہ پہلے اپنا گھر اور دکان خدیجہ کے نام کر دی تھی۔ اس نے اپنی بہنوں کے حصے میں آنے والی رقم انھیں اپنی زندگی میں ہی دے دی۔

شجاع کی وفات کے بعد کچھ عرصہ خدیجہ نور نے خاصی تنگی کا وقت گزارا۔ ان دونوں محلے والے کسی نہ کسی طرح اس کی امداد کرتے رہے۔ پھر شجاع کی دکان کرائے پر چڑھ گئی اور خدیجہ نور کا تنگی کا وہ وقت بھی گزر گیا۔ مریم کے اخراجات بڑھنے لگے تو خدیجہ محلے کے کچھ اچھے گھرانے کے

بچوں کو انگلش پڑھانے لگی۔

مریم شروع سے ہی پڑھائی میں بہت اچھی تھی خاص طور پر آرٹ ......اور آرٹ میں اس کی دلچسپی دیکھ کر خدیجہ نور شروع سے ہی اس کے لیے تصویریں بنانے کا سامان لاتی رہی۔ اسکول کے زمانہ میں ہی اس کی بنائی ہوئی تصویریں بکنے لگیں۔ اس کی اکثر پینٹنگز مشنری اداروں میں آنے والے ڈونرز ایجنسیز یا فلاحی اداروں کے غیر ملکی لوگ خرید لیتے۔ خدیجہ نور کے لیے مریم کی یہ تعریف فخر کا باعث تھی۔

اگرچہ مریم اس کو خاصا پریشان کرتی رہتی تھی پھر بھی خدیجہ نور کو اس سے بہت محبت تھی۔ اس نے اور شجاع نے مریم کے حتیٰ المقدور ناز نخرے برداشت کیے تھے۔ مریم کو شجاع سے کوئی لگاؤ نہیں تھا، بچپن میں وہ پھر بھی اس کے قریب تھی مگر بڑا ہونے پر اسے یہ احساس ہونے لگا کہ اس کا پیشہ قابل نفرت ہے۔ خدیجہ نور سے اس کو نسبتاً زیادہ لگاؤ تھا۔ وہ شروع سے ہی یہ جانتی تھی کہ وہ ایڈاپٹڈ ہے مگر اس بات نے اس پر کوئی برے اثرات مرتب نہیں کیے۔

زندگی میں پہلی بار ماما اُمّ مریم کے حوالے سے تب خوفزدہ ہوئیں جب مریم نے این سی اے میں داخلہ لینے کے چند دن بعد ان سے یہ کہا وہ اسے قانونی طور پر بیٹی بنا لیں۔

''ماما جان! آپ کے پاس برٹش عیشنلٹی ہے اور ہم یہاں دھکے کھا رہے ہیں۔ آپ مجھے یہاں سے لے جا سکتی ہیں۔ میں نے سسٹر سیلیا سے بات کی ہے، انھوں نے کہا ہے کہ وہ ہمارے پیپرز کی تیاری کے سلسلے میں ہماری مدد کر سکتی ہیں۔'' وہ ہکا بکا مریم کا چہرہ دیکھتی رہیں۔

''یہاں میرے لیے کچھ بھی نہیں ہے ماما جان! وہ خود پسند اور بڑے لوگوں کا کالج ہے...... بورژوا کلاس ہے وہاں...... میرے جیسے لوگوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے وہاں۔ انگلینڈ میں جا کر میرا فیوچر بن سکتا ہے۔ ماما جان! وہاں میں آرٹ کی تعلیم لوں گی تو انٹرنیشنل لیول (عالمی سطح) پر میرا کام پہچانا جا سکے گا۔ یہاں کچھ نہیں ہے۔''

''مریم! وہاں ہمارا کوئی نہیں ہے، تم اور میں اکیلے کیسے رہ سکتے ہیں وہاں؟''

''یہاں بھی تو اکیلے رہتے ہیں۔''

''یہاں کی بات اور ہے، یہاں تو کئی سالوں سے رہتے آ رہے ہیں۔''

''ماما جان! یہاں غربت میں رہ رہے ہیں آپ چاہتی ہیں جیسے اب تک زندگی گزاری ہے میرا کل بھی ایسے ہی گزرے۔''

''میں وہاں نہیں رہ سکتی مریم۔''

''پھر مجھے ہی بھجوا دیں۔''

''میں تمھیں اکیلے کیسے وہاں رہنے کے لیے بھیج سکتی ہوں۔ وہ جنگل ہے مریم! مہذب جنگل۔''

''ماما جان! آپ پتا نہیں کس صدی کی بات کر رہی ہیں۔'' وہ الجھ گئی۔

''دیکھو مریم! تم ایک بہت اچھے ادارے سے تعلیم حاصل کر رہی ہو۔ جب تمہاری تعلیم مکمل ہو جائے گی۔ تو پھر میں تمہاری شادی کر دوں گی۔''

''اس طرح کے کسی شخص کے ساتھ جس طرح کے شخص سے آپ نے شادی کی ہے...... نہیں ماما جان! میں ایسے کسی شخص کے ساتھ شادی نہیں کرسکتی۔'' خدیجہ نور اس کا چہرہ دیکھتی رہیں۔

''اچھی جگہ کروں گی میں تمہاری شادی۔''

''اس گھر میں رہ کر کسی اچھی جگہ میری شادی نہیں ہوسکتی۔ ایک کمرے کے اس خستہ حال گھر میں کوئی نہیں آئے گا۔'' وہ پہلی دفعہ مریم کے منہ سے اتنی تلخ باتیں سن رہی تھیں۔

''مریم! شادی گھروں سے یا کمروں سے نہیں ہوتی، انسانوں سے ہوتی ہے...... جہاں پر تمہارا مقدر ہوگا۔ وہ لوگ تم کو دیکھیں گے، گھر نہیں دیکھیں گے۔''

''کس دنیا میں رہتی ہیں ماما جان آپ...... آج کل لوگ کمرے گن کر شادیاں کرتے ہیں۔ ہر چیز گنتے ہیں، ہر چیز دیکھتے ہیں۔'' وہ تلخ انداز میں ہنسی۔

''جو لوگ یہ سب دیکھ کر شادی کرتے ہیں، انھیں یہی سب کچھ دیکھنے دو۔ مجھے اپنی مریم کے لیے ایسے لوگوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اچھا ہے مریم! ایسے لوگ یہ سب کچھ دیکھ کر گزر جائیں جو یہ سب کچھ دیکھ کر بھی ٹھہر جائیں، میں چاہتی ہوں تمہاری شادی اس سے ہو۔''

''ماما جان! آپ گھر کے اندر رہنے والی عورت ہیں، آپ کو زندگی کا کچھ پتا نہیں ہے، آپ کو پتا ہی نہیں ہے کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ اپنے خوابوں سے باہر آجائیں۔ آپ کی اُمِّ مریم کے لیے آسمان سے کوئی شہزادہ نہیں آئے گا بلکہ زمین کا کوئی انسان بھی یہاں نہیں آئے گا...... مجھے باہر بھجوا دیں۔'' وہ ان کی باتوں سے متاثر ہوئے بغیر بولی۔

''جب تم اپنی تعلیم مکمل کرلو گی تو ہم یہ گھر اور دکان بیچ کر اس سے بہتر گھر لے لیں گے۔'' انھوں نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔ وہ چلا اٹھی۔

''کتنا بہتر گھر لے لیں گے۔ ایک کمرے سے دو کمرے میں چلے جائیں گے، فار گاڈ سیک! اپنے ساتھ میری زندگی تو تباہ مت کریں اگر میرے سامنے بہتر مواقع ہیں تو مجھے فائدہ اٹھانے دیں۔ انگلینڈ جا کر میری زندگی بن جائے گی۔''

''وہاں جا کر تم مشین بن جاؤ گی۔''

''بن جانے دیں...... مگر میرے پاس وہاں کی نیشنلٹی ہوگی اور وہ نیشنلٹی مجھے آرٹ کی دنیا میں کتنا آگے لے جائے گی آپ نہیں جانتیں۔''

وہ خاموش ہوگئیں۔ مریم کے ساتھ بحث کا کوئی فائدہ نہیں تھا مگر وہ خوفزدہ ضرور ہوگئی تھیں کہ وہ انھیں چھوڑ کر باہر جانا چاہتی ہے۔ اس ملک میں جہاں انھوں نے اپنی زندگی کے بدترین سال گزارے تھے۔

میں کیسے برداشت کرسکتی ہوں مریم کہ وہ سب کچھ تمھارے ساتھ ہو جو میرے ساتھ ہوا۔ تم ویسی زندگی گزارو جیسے زندگی میں نے گزاری...... نہیں، میں نہیں کبھی باہر نہیں بھجواؤں گی۔ کم از کم تب تک تو نہیں جب تک تم اپنی تعلیم مکمل نہیں کرلیتیں۔'' انھوں نے اس دن ایہ طے کرلیا تھا۔

مریم سے ہونے والی یہ ان کی آخری گفتگو نہیں تھی، وہ اب وقتاً فوقتاً ان سے ضد کرتی تھی، مجھے باہر بھجوا دیں۔

ماما جان کبھی اس کے مطالبے پر خاموش ہو جاتیں اور کبھی اسے یہ کہہ کر ٹال دیتیں کہ وہ این سی اے سے گریجویشن کرلے پھر وہ اسے باہر بھیج دیں گی۔ مریم ان کی باتوں پر چڑ جاتی۔ مگر خدیجہ نور کو اس کا یہ غصہ برا نہیں لگتا تھا۔

خدیجہ نور نے ذالعید کو کبھی فراموش نہیں کیا تھا۔ ڈیڑھ سال کے اس بچے کے رونے کی آواز ساری عمر ان کے ساتھ رہی۔ ہر گزرتے سال کے ساتھ وہ تصور میں اس کا بڑھتا ہوا وجود دیکھتیں۔ وہ ہر سال اس کی پیدائش کے دن اللہ سے دعا کرتیں کہ وہ ایک بار انھیں ذالعید سے ملوا دے یا پھر کسی نہ کسی طرح وہ اسے دیکھ ضرور پائیں۔

انھوں نے مریم سے کبھی یہ ذکر نہیں کیا تھا کہ ان کی کوئی اپنی اولاد بھی ہے۔ وہ مریم کے تجسس کو جانتی تھیں۔ وہ ذالعید سے مظہر پر بھی ضرور آتی اور جاننا چاہتی کہ ان کے شوہر نے انھیں کیوں چھوڑا تھا اور یہ کیوں ان کے سارے زخم ہرے کر دیتا ان میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ مریم کو اپنے ماضی کے بارے میں سب کچھ بتا دیتیں۔ وہ نہیں جانتی تھیں کہ اس کا ردعمل کیا ہوگا۔ مگر انھیں یہ خوف ضرور تھا کہ وہ انھیں ناپسند کرے گی یا شاید نفرت کرنے لگے۔

شجاع کی وفات کے بعد جوں جوں وقت گزر رہا تھا۔ انھیں یہ احساس ہونے لگا کہ شاید وہ اب کبھی بھی ذالعید کو نہیں دیکھ پائیں گی۔

ہاں! اب تک تو وہ شادی کر چکا ہوگا۔ ہو سکتا ہے اس کی اپنی اولاد بھی ہو۔ اسے تو پتا بھی نہیں ہوگا کہ اس کی کوئی ماں بھی ہے...... اور پتا نہیں مظہر نے اسے میرے بارے میں کیا بتایا ہوگا؟

ان دنوں وہ مریم کی وجہ سے بہت پریشان تھیں۔ وہ اس پروجیکٹ کے نہ ملنے کے بعد سے بہت پریشان تھی وہ یک دم اتنی بدل گئی تھی کہ خدیجہ بے چین رہنے لگیں۔ ان کے پوچھنے پر وہ کچھ بھی بتانے کی بجائے ان سے شکوے کرنے لگتی کہ انھوں نے اسے انگلینڈ نہیں بھجوایا۔ انھیں اس کی پروا نہیں ہے، مگر وہ انھیں اپنی پریشانی بتانے پر تیار نہیں تھی۔

مگر اس رات وہ ان کے پاس آ کر رونے لگی تھی اور تب انھوں نے اس کے منہ سے ایک نام سنا جس نے ان کے وجود کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ انھوں نے اس سے ذالعید کے بارے میں اس وقت کچھ بھی نہیں پوچھا۔ وہ کچھ بھی پوچھنے کے قابل ہی نہیں تھیں۔ وہ صرف یہ جانتی تھیں کہ وہ نام ان کے بیٹے کے علاوہ کسی اور کا نہیں ہو سکتا اور جب وہ نام ان کے سامنے آیا تھا تو کس طرح...... مریم کی فرمائش بن کر۔

وہ مظہر اواب کو جانتی تھیں، وہ اس کے پورے خاندان کو جانتی تھیں۔ ذالعید مریم کے بارے میں کیا جذبات رکھتا ہے اور کیا نہیں وہ یہ نہیں جانتی تھیں اور اس سب کے باوجود اس رات انھوں نے اللہ سے مریم کے لیے ذالعید کو مانگا تھا۔

''میں نے پچیس سال ذالعید کو آپ سے اپنے لیے مانگا ہے آپ نے اسے مجھے نہیں دیا۔ مجھ سے دور رکھا۔ میں نے شکوہ نہیں کیا، میں نے تجھ سے ایک بار بھی شکوہ نہیں کیا۔ میں نے صبر کر لیا۔ مگر آج میں آپ سے ذالعید کو مریم کے لیے مانگ رہی ہوں۔ مجھے خالی ہاتھ نہ لوٹانا۔''

زندگی میں پہلی بار مریم نے مجھ سے دعا کے لیے کہا ہے، پہلی بار اس نے مجھے اپنے لیے اللہ سے کچھ مانگنے کے لیے کہا ہے۔ اس کو وہ نہ ملا تو وہ کہے گی کہ ماما جان نے اس کے لیے دعا ہی نہیں کی۔ وہ ٹھیک کہتی ہے۔ میں عورت نہیں میں ماں بھی ہوں۔ آپ نے مجھ پر دو دو آزمائشیں ڈال دی

ہیں۔ میں عورت ہو کر صبر کر سکتی ہوں مگر ماں بن کر صبر نہیں کر سکتی اور میں کیوں صبر کروں۔ میں نے انسان سے کچھ نہیں مانگا۔ میں نے آپ سے مانگا ہے، اللہ سے مانگا ہے۔ میں جانتی ہوں، مظہر میرے بارے میں جاننے کے بعد کبھی ذالعید سے مریم کی شادی نہیں ہونے دے گا۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اس کا خاندان اپنی ساری روایات اور اقدار کے ساتھ اس رشتہ کے خلاف کھڑا ہو جائے گا اور مجھے یہ بھی پتا نہیں کہ ذالعید مریم کو پسند کرتا ہے یا نہیں، وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے یا نہیں۔ میں جانتی ہوں یہ سب کچھ ناممکن ہے مگر میں کسی انسان سے تھوڑا مانگ رہی ہوں کہ ممکن اور ناممکن کے بارے میں سوچوں۔ میں تو آپ سے مانگ رہی ہوں جو کن کہتا ہے اور ہر ناممکن ممکن ہو جاتا ہے۔

میں آپ سے کہتی ہوں مجھے جنت نہ دیں اس کے بدلے دنیا میں میری مریم کو ذالعید دے دیں۔ اس کے دل کو خالی نہ رکھیں آپ ذالعید کا دل پھیر دیں آپ میری مریم کے راستے کی ہر رکاوٹ دور کر دیں۔"

خدیجہ نور نے اس رات باہر صحن میں بیٹھ کر اللہ سے دعا کی تھی۔ وہ صبح فجر تک وہیں بیٹھی روتی رہیں۔

مریم کو انھوں نے صبح زبردستی کام کے لیے بھجوایا تھا۔ ناشتہ کرتے ہوئے انھوں نے اس سے ذالعید کے بارے میں پوچھا۔ اس نے چند جملوں میں انھیں ذالعید کے بارے میں بتایا، وہ اب رات والی حالت سے باہر آ چکی ہے، مگر اس کا چہرہ اب بھی ستا ہوا ہے۔

خدیجہ نے سارا دن اس کے لیے دعا کے علاوہ کچھ نہیں کیا اور دوسرے دن اپنے دروازے پر ذالعید کو دیکھ کر وہ جان گئی تھیں کہ ان کی دعا قبول ہو چکی تھی۔ انھوں نے پچیس سال بعد اس کی شکل دیکھی تھی۔ وہ ڈیڑھ سال کا بچہ ساڑھے چھبیس سال کا ہو چکا تھا۔ انھوں نے اس سے پہلے اپنے گھر کو اتنا روشن اتنا خوبصورت نہیں پایا جتنا ان چند گھنٹوں میں۔ وہ اس کے چہرے سے اپنی نظریں ہٹا نہیں پا رہی تھیں۔

وہ دوسری بار ان کے پاس تب آیا جب انھوں نے اس کو مریم کی شادی کے سلسلے میں بات کرنے کے لیے بلایا تھا۔ ان کے انکار پر اس کے چہرے کی مایوسی انھیں ملال میں مبتلا کر رہی تھی مگر وہ اپنے بیٹے کی خوشی کے لیے مریم کو داؤ پر نہیں لگا سکتی تھیں۔ وہ اس غلطی کو دہرانا نہیں چاہتی تھیں جو انھوں نے کی تھی، وہ اُمِ مریم کو صرف ذالعید کا نہیں اس کے خاندان کا حصہ بنانا چاہتی تھیں مگر مریم نے ایک بار پھر انھیں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ ایک بار پھر انھوں نے اللہ سے دعا کی تھی۔ وہ نہیں جانتیں کہ ذالعید نے مظہر کو کیسے منایا مگر اس نے منا لیا تھا۔

پچیسواں باب

وہ تیز رفتاری سے گاڑی چلاتے ہوئے ماما جان کے گھر پہنچا مگر دروازے پر باہر تالا لگا ہوا تھا۔

اسے یک دم تشویش ہوئی۔ اس نے ساتھ والا دروازہ کھٹکھٹایا۔

''انھیں شفیق اور ثریا ہاسپٹل لے کر گئے ہیں۔ میں ان سے ملنے گئی تو باہر کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہ اندر تھیں۔ ان کے سینے میں درد ہو رہا تھا۔ سانس نہیں آ رہا تھا۔ میں نے ثریا اور شفیق کے ساتھ انھیں ہاسپٹل بھجوا دیا۔ ابھی تک کوئی اطلاع نہیں دی انھوں نے۔'' ساتھ والی خالہ نے بڑی تشویش کے ساتھ اسے بتایا۔ ذالعید کا رنگ اڑ گیا۔

وہ جس وقت ہاسپٹل پہنچا، اس وقت شام ہو رہی تھی۔ آدھ گھنٹے کے بعد وہ ماما جان کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ آئی۔ سی۔ یو میں تھیں۔ وہ بالکل ساکت، شیشے سے انھیں آکسیجن کی مدد سے سانس لیتا دیکھتا رہا۔

''کیا انھیں انجائنا کی تکلیف تھی؟'' ڈاکٹر اس سے پوچھ رہا تھا۔ اس نے خالی آنکھوں سے نفی میں سر ہلا دیا۔

''کیا میں انھیں یہاں سے شفٹ کروا سکتا ہوں؟'' وہ انھیں کسی اچھے پرائیویٹ ہاسپٹل میں لے جانا چاہتا تھا۔

اس حالت میں نہیں۔ کچھ بہتر ہو جائیں تو پھر ایسا کر سکتے ہیں۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''پھر میں یہاں ان کا بہترین علاج چاہتا ہوں۔ میں کچھ دوسرے ہارٹ اسپیشلسٹ کو یہاں بلوانا چاہتا ہوں۔ اگر آپ کو ان کے علاج کے سلسلے میں کچھ بھی کہیں سے بھی منگوانا پڑے تو آپ منگوائیں۔ پیسے کی پروا مت کریں۔'' وہ بے تابی سے ان سے کہہ رہا تھا۔

ڈاکٹر سر ہلا کر چلا گیا۔ وہ اپنے موبائل پر اپنے فیملی ڈاکٹر سے بات کرنے لگا۔

شفیق اور ثریا اس کے اصرار کے باوجود وہاں سے نہیں گئے۔ وہ محلے کے ان تمام لوگوں سے ملتے اور انھیں خدیجہ نور کی حالت کے بارے میں بتاتے رہتے جو وقتاً فوقتاً ان کے بارے میں پوچھنے وہاں آتے رہے۔

❁

وہ ڈیڑھ ماہ کا عرصہ خدیجہ نور کی زندگی کے بہترین دن تھے۔ دنیا کی سب سے خوبصورت جگہ اپنے عزیز بیٹے کے ساتھ گزارا جانے والا وقت اس کی زندگی کا حاصل تھا۔ وہ کئی بار وہاں اپنا ہاتھ دیکھنے لگتی۔ اسی ہاتھ کی کسی لکیر کو دیکھ کر بہت سال پہلے ایک شخص نے اس سے کہا تھا کہ اس کی قسمت میں ایک ایسا بیٹا ہے جس پر اسے فخر ہوگا۔ اسے پہلی بار وہاں خود پر فخر ہوا تھا۔ احرام باندھے وہ اس کا ہاتھ پکڑے کسی ننھے بچے کی طرح اسے ساتھ لیے وہ وہاں پھرتا رہا۔

اب اس کے بعد اور کیا باقی رہ گیا ہے میری زندگی میں...... سب کچھ تو مل چکا ہے مجھے۔ توحید سے حج تک...... اور جہاد جہاد تو میں ساری عمر کرتی رہی۔ اپنے نفس سے...... اپنے شک سے...... آزمائش سے...... تکلیف سے...... کیا مجھ پر بھی میرا دین مکمل نہیں ہو گیا۔

''وہاں اسے اپنی زندگی میں آنے والے سب لوگ یاد آتے رہے...... روتھ براؤن جس نے ایک شخص کی بے وفائی کے بعد اپنی زندگی شراب کے نشے کی نذر کر دی...... علیم ساجد وہ باپ جسے اس نے کبھی نہیں دیکھا مگر جس کی غلطی نے اس کی زندگی میں تباہی برپا کر دی تھی۔ مظہر اواب جو اسے مذہب کی طرف لایا اور پھر راستے میں چھوڑ کر چلا گیا۔ جہاں ایک لغزش اسے ایسی کھائی میں دھکیل دیتی جہاں سے وہ دوبارہ کبھی واپس نہ آ پاتی...... عاصم وہ شخص جس نے اس پر رحم نہیں کھایا...... ساجدہ جس نے بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح اسے اپنے لیے استعمال کرنے کی کوشش کی...... شجاع وہ مہربان شخص جس کی وہ ساری عمر احسان مند رہی...... مریم جس نے اس کی زندگی میں امید کو دوبارہ زندہ کیا...... اور ذالعید اواب، اس کا وہ بیٹا جس کے نام سے وہ روز قیامت پہچانی جائے گی۔

اس نے حج کے دوران ہی ایک رات ذالعید کو وصیت کی کہ وہ اسے اس کی وفات کے بعد شجاع کے پاس دفن کرے۔ ذالعید گم صم اسے دیکھتا رہا۔

''میں آپ کو اپنے خاندانی قبرستان میں دفن کروں گا۔'' ایک طویل خاموشی کے بعد اس نے خدیجہ سے کہا۔

''نہیں! میں تمھارے خاندان کا حصہ نہیں ہوں۔ میں شجاع کے پاس رہوں گی۔'' ماما جان نے انکار کر دیا۔

''ماما جان! پھر میں مرنے کے بعد آپ کے پاس دفن ہوں گا۔ اسی محلے میں اسی قبرستان میں۔''

وہ اسے دیکھتے ہوئے مسکرا دیں پچھلے دو سال میں انھوں نے ذالعید کو بالکل بدلے ہوئے روپ میں دیکھا تھا۔ شروع کے ایک سال انھوں نے اس کی آنکھوں میں کبھی اس طرح نمی کو امڈتے نہیں دیکھا جس طرح پچھلے دو سال میں امڈتی تھی۔

''مرد رویا نہیں کرتے ذالعید۔'' وہ اسے سمجھاتیں۔

وہ بے بسی سے سر ہلا کر رہ جاتا۔

❁

ذالعید وہاں سے کب چلا گیا۔ اسے کچھ پتا نہ تھا وہ کہاں تھی، کہاں نہیں اسے یہ خبر بھی نہیں تھی۔ وہ ہر حقیقت سے آج پردہ اٹھا دیا چاہتی تھی مگر اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس پردے نے اس کے اپنے وجود کو ڈھانپا ہوا تھا۔ اس کی بدصورتیوں کو، اس کے عیبوں کو، اس کی خامیوں کو...... اور پردہ اٹھنے کے بعد اسے اپنے وجود سے گھن آنے لگی تھی۔ وہ آئینے میں خود کو ہی دیکھ نہیں پا رہی تھی۔

ہاں ذالعید نے ٹھیک کہا۔ میرے آرٹ میں سارا اثر ماما جان ہی کا تو تھا جو لوگوں کو ان تصویروں کی طرف کھینچ لاتا تھا۔ جو رزق مجھ تک کھینچ لاتا تھا اگر مجھ میں قناعت ہوتی تو میرے لیے وہی رزق کافی تھا۔ اتنی ہی شہرت بہت تھی...... مگر میں...... میں انتظار کرنا نہیں چاہتی تھی پوری دنیا کو ایک جست میں اپنے پیروں تلے لانا چاہتی تھی اور اگر مجھ میں قناعت ہوتی ماما جان! تو میں ذالعید کا خواب دیکھنے کی کوشش کیوں کرتی یا اگر وہ مل گیا تھا تو پھر

مجھے سکون کیوں نہیں مل گیا...... نہیں ماما جان! میرے اندر قناعت تھی ہی نہیں۔ میں تو ہر چیز کو سیڑھی بنا کر آگے بڑھنا چاہتی تھی۔ اپنے آرٹ کو، آپ کو، ذالعید کو...... ہر چیز کو...... اور کل شاید اپنی اولاد کو بھی۔

آج تک میں آپ کی اور ذالعید کی خواہشوں کا ہر قدم پر خون کرتی رہی تو کل میں اپنی اولاد کے ساتھ بھی یہی کرتی۔ ان کی خواہشات اور خوشیوں کو بھی اپنی غرض کی بھینٹ چڑھا دیتی۔ میں نے اپنے ہر رول میں یہی تو کیا ہے چاہے وہ بیٹی کا ہو یا بیوی کا......

کاش آپ مجھے بہت پہلے اپنے ماضی کے بارے میں سب کچھ بتا دیتیں...... کاش آپ مجھے...... مگر اس کا کیا فائدہ ہوتا میں تو شاید تب بھی آپ کو اسی طرح بلیک میل کرتی رہتی بلکہ شاید اس سے زیادہ بری طرح۔

میں تو صرف یہ سوچ رہی ہوں ماما جان! کہ میں نے تو آپ کو اور ذالعید کو کتنی تکلیف دی ہے۔ کیا میں کبھی اتنی ہمت کر سکوں گی کہ دوبارہ آپ کے سامنے یا ذالعید کے سامنے جا سکوں۔ یہ کہہ سکوں کہ مجھے معاف کر دیں اور معافی...... معافی کیا ہوتی ہے؟ معاف کر دینا کیا ہوتا ہے؟

آپ مجھے اس لیے باہر لے جانا نہیں چاہتی تھیں کیونکہ آپ خوفزدہ تھیں اپنی زندگی سے۔ اپنے تجربات سے۔ آپ مجھے ایسے کسی بھی حادثے سے بچانا چاہتی تھیں اور میں سوچتی تھی، آپ کو ایک غلام چاہیے جو بڑھاپے میں آپ کے پاس رہے۔ آپ کی خدمت کرتا رہے۔ میں واقعی ان لوگوں میں سے ہوں جن کی آنکھوں پر غرض کی پٹی بندھی ہوتی ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ساری دنیا ایسی پٹی باندھے پھرتی ہے۔

وہ گم صم صوفہ پر بیٹھی ہوئی تھی جب ذالعید اندر آیا۔ مریم نے اسے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔ وہ وارڈ روب کی دراز کھول کر کچھ رقم اپنے والٹ میں ٹھونس رہا تھا۔ وارڈ روب بند کرتے ہوئے اس نے ایک بار مریم کو پلٹ کر دیکھا۔

''تمہاری وجہ سے میری ماں ہاسپٹل جا پہنچی ہے...... تم یاد رکھنا اگر میری ماں کو کچھ ہوا تو میں تمہیں طلاق دے دوں گا۔'' اس نے انگلی اٹھا کر کہا اور وہ کمرے سے نکل گیا۔

''ماما جان......!'' اس کے دل کی دھڑکن جیسے رکنے لگی۔

''کیا یہ سب واقعی میں نے آپ کے ساتھ کیا ہے؟ کیا واقعی میں ہوں وہ جس نے......'' اسے یک دم جیسے خود سے خوف آنے لگا۔

''میں کون ہوں؟''

''آخر کون ہوں؟ The incarnation of evil (مجسم شیطان) میری خواہشات نے مجھے کو کیا بنا دیا ہے۔ میرے خواب مجھے کہاں لے آئے ہیں؟'' اسے اپنی پوری زندگی ایک فلم کی طرح اپنے سامنے چلتی محسوس ہوئی۔

The trees ask me

And the sky

And the sea asks me

Who am I? Who am I?

اسے کانونٹ میں گائی جانے والی ایک نظم یاد آنے لگی۔

میں...... میں اُمّ مریم ہوں۔ ایک طلاق یافتہ عورت کی بیٹی ایسی عورت جس کو اس کے شوہر نے کم جہیز لانے پر طلاق دے دی۔

(کیا پیسے کی یہ خواہش میں نے اس عورت کے خون سے لی جسے میری پیدائش سے پہلے اور بعد میں صرف یہ کہا جاتا تھا، تمھارے پاس کیا ہے؟ تم کیا لائی ہو؟“)

اسی عورت جس نے مجھے تین سال کی عمر میں اس وقت کسی دوسرے کو تھما دیا جب اسے دوسری شادی کرنی تھی اور کوئی اس کی بیٹی کو اس کے ساتھ قبول کرنے پر تیار نہیں تھا نہ دوسرا شوہر نہ سابقہ شوہر نہ ہی اس کے میکے والے۔ ہر جگہ غربت تھی۔ ”تو کیا یہ اس غربت نے......؟“

ایک ایسے باپ کی بیٹی جو پیسے کے لالچ میں گرفتار تھا...... اس حد تک کہ اس نے رشتے توڑنے میں بھی دیر نہیں لگائی...... اس نے اپنی بیوی کو بیٹی سمیت چھوڑ دیا۔ (کیا یہ ہوس میں نے اس شخص سے لی؟)

میں اُمّ مریم ہوں جسے تین سال کی عمر میں دو ایسے انسانوں نے گود لیا...... جن کے پاس صبر اور شکر کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ ایک وہ مرد جس نے اپنی ساری زندگی اپنی بہنوں کی زندگیاں سنوارتے گزار دی۔

ایک وہ عورت جو صبر و قناعت کا نمونہ تھی۔ جس نے ساری زندگی کھلے ہاتھ کے بجائے بند مٹھی کے ساتھ گزاری۔ جس نے اپنی آزمائشوں اور تکلیفوں کو دنیا کے ہر شخص کو روک روک کر بتانے کے بجائے ان پر صبر کیا اور خاموشی اختیار کر لی۔ میں نے ان دونوں سے کچھ نہیں لیا۔ وہ سکون کی زندگی گزار رہے تھے۔ مجھے لگا وہ مجبوری کی زندگی گزار رہے ہیں۔ میں دو مومنین کے ساتھ زندگی گزار رہی تھی۔ ہاں دو مومنین کے ساتھ مگر میں منافقین کے اس گروہ سے تھی جسے بینائی سے محروم رکھا گیا تھا۔ جن کے دلوں پر مہر لگا کر انھیں دنیا میں اتارا جاتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں انھیں جنت میں بھیج دیا گیا ہے۔

میں اُمّ مریم ہوں جسے ان مومنین سے وابستگی پر شرمندگی تھی۔ میرا خیال تھا، ان دونوں کے پاس ایسا کچھ بھی نہیں ہے جسے میں دنیا سے ان کے تعارف کے لیے استعمال کروں مگر وہ دونوں وہ انسان تھے جو دنیا کی وجہ سے پہچانے نہیں جاتے دنیا ان کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے۔

میں اُمّ مریم ہوں جس نے اپنے ہر ہنر، ہر فن، ہر خوبی پر غرور کیا، اتنا غرور کہ اس کو اپنے علاوہ دنیا میں کچھ بھی نظر آنا بند ہو گیا جس کی خواہش تھی، وہ ہر اخبار کے فرنٹ پیج پر نظر آئے۔ لوگ اس کو دیکھیں، پہچانیں اور اس پر رشک کریں، جس نے صرف دنیا میں اپنی پہچان کے لیے اپنے کام کو رنگوں کے بجائے کیچڑ سے سجانا شروع کر دیا۔ اس کا کام روح سے جسم پر آ گیا۔ آسمان سے پاتال میں اترنا شروع ہو گیا۔ مگر اس کے بدلے اس کے اردگرد دولت کا ڈھیر لگنا شروع ہو گیا۔ نام اور شہرت ملنی شروع ہو گئی...... لوگوں کی داد اور عزت...... ”عزت“ ہاں جو مجھے عزت لگتی تھی وہ بھی ملی۔

میں اُمّ مریم ہوں جسے غلطی سے یا خوش قسمتی سے ایک ایسا شخص مل گیا جو میرا حق نہیں تھا۔ ماما جان کی امانت تھی جسے میرے توسط سے انھیں لوٹایا گیا تھا اور میں نے سوچا وہ کوہ نور ہیرا ہے جو مجھے تقدیر نے دیا ہے۔ اس شخص کی رگوں میں اسی عورت کا خون تھا جس نے آزمائش میں صبر کیا اور اس شخص نے بھی یہی کیا۔ مجھے صبر سے برداشت کیا۔

میں اُمِّ مریم ہوں وہ عورت جس نے اپنی زندگی میں صرف ایک چیز سیکھی۔ نظریہ ضرورت میں نے ہر چیز کو استعمال کیا۔ بابا کو، ماما جان کو، ذالعید کو اور اپنے آرٹ کو۔

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی ٹرانس میں ہے مگر ایسا نہیں تھا۔ زندگی میں پہلی بار وہ ٹرانس سے باہر آ رہی تھی۔ مادیت کے ٹرانس سے۔ اپنے آرٹ اسٹوڈیو کی طرف جاتے ہوئے اسے وہ دو تصویریں یاد آ رہی تھیں جو اس نے بہت سال پہلے بنائی تھیں۔ Belief اور Desire (خواہش اور ایمان)...... اسے یاد تھا اس نے Desire (خواہش) والی پینٹنگ بناتے ہوئے ماما جان کے منہ سے اس کے لیے یہ کیپشن سنا تھا۔ اسے تصویر کے لیے یہ کیپشن پسند آیا...... اور جب وہ Belief (ایمان) بنا رہی تھی تب بھی اس کا کیپشن ماما جان نے ہی دیا تھا اور یہ وہی دونوں پینٹنگ تھیں جس نے ذالعید کو اس کا پہلا تعارف دیا تھا۔ وہ دو پینٹنگز نہیں تھیں۔ ماما جان اور وہ خود تھی۔ وہ Desire (خواہش) تھی۔ ماما جان Belief (ایمان) تھیں۔ اس نے ساری زندگی خواہش کے علاوہ کچھ نہیں کیا۔ یہ مل جائے، وہ مل جائے اور اب جب سب کچھ مل گیا تو اسے اپنے پاس موجود ہر چیز سے خوف آنے لگا تھا...... ہر چیز سے۔

اسے رابرٹ فروسٹ کی After apple picking (سیب توڑنے کے بعد) یاد آئی جسے بہت سال پہلے اس نے پڑھا تھا اور پھر اکتا کر اس نظم کو ایک طرف پھینک دیا تھا۔ آج اسے وہی ساری نظمیں یاد آ رہی تھیں۔

My long two-pointed ladder is sticking

Through a tree towards heaven still

And there is a barrel that I didn't fill

Beside it, and there may be two or three

Apples I didn't pick upon some bough

But I am done with apple-picking now

(میں نے اپنی لمبی سیڑھی آسمان کی طرف سیب کے درخت کے ساتھ لگائی ہوئی ہے اور وہاں ایک بیرل پڑا ہے جسے میں ابھی تک سیبوں سے بھر نہیں سکا اور شاید کسی شاخ پر ابھی بھی چند سیب ایسے ہیں جو میں اتار نہیں سکا، مگر اب میں سیب چنتے چنتے تھک گیا ہوں۔)

وہ اپنے سٹوڈیو میں پہنچ گئی۔ مشینی انداز میں اپنی پینٹنگز اتار کر اس نے اسٹوڈیو کے وسط میں جمع کرنی شروع کر دیں۔ وہ برہنہ جسم جسے وہ آرٹ کہتی تھی۔ یونیورسل آرٹ۔ جس نے اسے دنیا کے بازار میں راتوں رات شہرت دلا دی تھی۔ اسی کی طرح نفس زدہ لوگوں کی شہرت اور داد۔ جو ہر چیز میں برہنگی دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، چاہے وہ تصویر میں ہو یا تحریر میں۔ چاہے وہ Reel life (فلمی زندگی) میں ہو یا Real life (حقیقی زندگی) میں۔

I feel the ladder sways as the boughs bend

And I keep hearing from the cellar bin

The rumbling sound

Of load on load of apples coming in

For I have had too much

Of apple-picking

I am over tired

Of the great harvest I myself desired

(میں جھکی ہوئی شاخوں کے ساتھ سیڑھی کو ہلتا محسوس کرتا ہوں اور میں کنٹینرز میں پڑے ہوئے سیبوں کے ڈھیر پر ایک اور ڈھیر گرنے کی آواز سنتا رہتا ہوں۔ مگر میں ضرورت سے زیادہ سیب اکٹھے کر چکا ہوں۔ میں سیبوں کی اس شاندار فصل کو اکٹھا کرتے کرتے تھک چکا ہوں۔ جس کی میں نے خود خواہش کی تھی۔)

وہ اسٹوڈیو میں کھڑی تصویروں کے اس ڈھیر کو جلتا دیکھ رہی تھی۔ ان سے اٹھتے ہوئے شعلے اس کے اپنے اندر اٹھنے والے شعلوں سے زیادہ بلند نہیں تھے۔ وہ اب اسٹوڈیو کے بند دروازے کو دھڑ دھڑائے جانے کی آوازیں سن رہی تھی۔ ملازم اکٹھے ہو چکے تھے مگر وہ جانتی تھی جب تک یہ دروازہ کھلے گا وہ ساری تصویریں جل کر راکھ ہو چکی ہوں گی۔

❁

وہ ساری رات شیشے سے ماما جان کو دیکھتا رہا، جب وہ تھک جاتا تو وہیں نیچے زمین پر بیٹھ کر آئی۔ سی۔ یو کی دیوار سے ٹیک لگا لیتا۔ پھر چند منٹوں بعد دوبارہ اٹھ کر ماما جان کو دیکھنے لگتا۔

پچھلا ڈیڑھ ماہ وہ دن رات ایک ساتھ رہے تھے۔ وہ ساری ساری رات جاگتے باتیں کرتے رہتے۔ ان کے پاس ایک دوسرے کو بتانے کے لیے اتنا بہت کچھ تھا۔ ذالعید نے اپنی دنیا کو کبھی اتنا مکمل، اتنا پرسکون نہیں پایا۔ وہ مریم کو ماما جان کے بارے میں سب کچھ بتا دینا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا وہ اب ان کے ساتھ رہیں۔ اسے اس عمر میں آ کر ماں کی بہت شدت سے کمی محسوس ہونے لگی تھی۔

جب وہ نہیں تھیں تو اس نے کبھی ان کے بارے میں نہیں سوچا اور اب وہ تھیں تو اسے ان کے علاوہ اور کچھ یاد ہی نہیں رہتا تھا۔ وہ ماما جان کو بے خبر رکھ کر مریم کو سب کچھ بتا دینا چاہتا تھا۔ اس بات کی پروا کیے بغیر کہ اس کا ردِعمل کیا ہوگا مگر اس سے پہلے ہی سب کچھ......

ہاسپٹل کی مسجد میں اس نے فجر کی نماز ادا کی اور جب وہ نماز ادا کر کے واپس آیا تو شفیق نے اسے ماما جان کے ہوش میں آنے کی اطلاع دی۔ وہ تقریباً بھاگتا ہوا آئی سی یو میں چلا گیا۔ وہاں ڈاکٹرز اور نرسز موجود تھیں۔ ماما جان خود سانس لے رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں کھلی تھیں۔ وہ ان کے پاس چلا گیا۔

ماما جان اسے دیکھ کر مسکرائیں۔ وہ ان کے پاس بیڈ پر بیٹھ گیا اور بچوں کی طرح رونے لگا۔ اس کے پیچھے کھڑے ڈاکٹر نے اس کے

کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے مدھم آواز میں کچھ کہتے ہوئے اسے اٹھانے کی کوشش کی مگر وہ نہیں اٹھا۔ ماما جان نے اپنے دونوں بازو پھیلا کر اسے اپنے سینے کے ساتھ لپٹا لیا۔

''اس کو میرے پاس رہنے دیں۔ یہاں سے نہ لے جائیں۔'' ان کے سینے پر سر رکھ کر روتے ہوئے ذالعید نے ماما جان کو نحیف آواز میں کہتے سنا۔ وہ جیسے ہوش میں آ گیا۔

''آپ ابھی ٹھیک نہیں ہیں، بات مت کریں۔'' ڈاکٹر اب ماما جان سے کہہ رہا تھا۔ ذالعید ماما جان سے الگ ہو گیا۔

''مجھے کچھ دیر اپنی ماں کے ساتھ رہنے دیں۔ میں انھیں پریشان نہیں کروں گا۔ روؤں گا بھی نہیں۔'' اس نے مڑ کر ڈاکٹر سے کہا۔

ڈاکٹر کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر پیچھے ہٹ گیا۔ ذالعید ماما جان کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر دوبارہ انھیں دیکھنے لگا۔

''مریم نے آپ کو تکلیف پہنچائی ہے۔ میں مریم کو طلاق دے دوں گا مجھے اسے نہیں رکھنا ہے۔'' اس نے ماما جان کے چہرے پر مسکراہٹ غائب ہوتے دیکھی۔

''میری مریم کو طلاق دے دو گے؟'' ان کے لہجے میں جیسے بے یقینی تھی۔

''اس نے آپ کو تکلیف دی ہے ماما جان!'' وہ جیسے انھیں یاد دلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''آپ یہاں اس کی وجہ سے آئی ہیں۔''

ماما جان کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔

''وہ میری بیٹی ہے۔''

''وہ آپ کی بیٹی نہیں ہے ماما جان! میں آپ کا بیٹا ہوں۔'' وہ ان پر جھک گیا۔ اس نے اپنی انگلیوں کی پوروں سے ان کے آنسو صاف کیے۔

''اگر تم میرے بیٹے ہو تو اس کو طلاق مت دینا۔ اسے تکلیف ہو گی تو مجھے تکلیف ہو گی۔'' ذالعید کی آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے۔

''نہیں دو گے نا؟'' وہ اس سے جیسے کوئی یقین دہانی چاہتی تھیں۔ ذالعید نے سر ہلا دیا۔

''ماما جان نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر ماتھا چوما۔ تم واقعی میرے بیٹے ہو۔ میرے ذالعید ہو۔'' انھوں نے بہت مدھم اور کمزور آواز میں کہا۔

''تم مجھے پانی پلاؤ۔'' ذالعید نے ڈاکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے چمچ سے ان کے منہ میں پانی ڈالا۔ انھوں نے چند چمچ پینے کے بعد ہاتھ سے اسے روک دیا۔ ان کا سانس اکھڑنے لگا۔

وہ اکھڑے سانس کے ساتھ کچھ پڑھ رہی تھیں، وہ کلمہ تھا۔

ڈاکٹر نے آگے بڑھ کر انھیں دوبارہ آکسیجن لگانی چاہی تب تک ماما جان کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں۔ ان کا ہاتھ ذالعید کے ہاتھوں میں تھا۔

''آپ پلیز یہاں سے اٹھ جائیں۔ ہم انھیں الیکٹرک شاک دینا چاہ رہے ہیں۔ دل کی دھڑکن بند ہو چکی ہے۔'' نرس نے ذالعید کو اٹھا دیا۔

وہ جانتا تھا، اب کوئی الیکٹرک شاک وہ دھڑکن دوبارہ بحال نہیں کر سکے گا۔ بہتے ہوئے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے وہ ڈاکٹرز اور نرسز کی

چند منٹ کی وہ جدوجہد دیکھتا رہا جس کے بعد انھوں نے مایوسی سے سر ہلا دیا تھا۔

''میں مطمئن ہوں انھوں نے آخری بات مجھ سے کی میں نے انھیں پانی پلایا اور میں جانتا تھا، میں دوبارہ ان کی آنکھوں کو کبھی کھلتا نہیں دیکھوں گا۔''

اس نے چادر سے ان کا چہرہ ڈھانپنے سے پہلے ان کا ماتھا چوما۔

⁂

اس نے فون پر ملازم کو ماما جان کی موت کی اطلاع دی۔ ''ڈرائیور سے کہنا، وہ مریم کو ماما جان کے گھر لے آئے۔ میں وہیں جا رہا ہوں۔'' وہ خود مریم سے بات کرنا نہیں چاہ رہا تھا۔

وہ اس نفرت سے لڑ رہا تھا جو اس کے اندر مریم کے لیے پیدا ہو رہی تھی اور وہ جانتا تھا وہ اس سے بات کرے گا تو وہ خود پر قابو نہیں پا سکے گا۔

وہ ماما جان کو ان کے گھر لے آیا تھا۔ ایمبولینس کے وہاں آتے ہی محلے کے لوگ اکٹھے ہونا شروع ہو گئے۔ پھر عورتوں سے بھرنا شروع ہو گیا۔

مریم جس وقت وہاں آئی، اس وقت وہ گھر سے باہر نکل رہا تھا۔ وہ مریم کو دیکھ کر رکا نہیں۔ باہر چلا گیا۔ کچھ عورتوں نے اسے دیکھ کر رونا شروع کر دیا۔ وہ خشک آنکھوں کے ساتھ انھیں دیکھتی رہی۔ اس نے بڑی خاموشی کے ساتھ ماما جان کا چہرہ دیکھا۔ زندگی میں کبھی انھوں نے اسے شرمندہ نہیں کیا تھا۔ اب بھی انھوں نے یہی کیا تھا۔

''اُمّ مریم! تم میری زندگی ہو۔''

''اُمّ مریم تمہاری موت ہے۔''

اس نے واقعی دوبارہ انھیں زندہ نہیں دیکھا تھا۔ وہ چپ چاپ وہاں بیٹھی عورتوں کو روتے دیکھتی رہی۔

''کیا دنیا میں خدیجہ نور سے زیادہ خوش قسمت کوئی ہے۔ جس نے اپنی زندگی کا سفر پاتال سے شروع کیا اور اس نے ہر کھائی، ہر دلدل کو پار کر لیا۔ کبھی پنجوں کے بل اور کبھی گھٹنوں پر۔ کبھی زخم کھائے اور کبھی غلاظت سے گزرتے مگر وہ کہیں رکی نہیں...... کیا اس سے زیادہ خوش قسمت کوئی ہے جس نے اپنے اختیار کی زندگی پارسائی سے گزاری۔ جس کا بیٹا اسے اپنے ہاتھوں قبر میں اتارے گا اور ساری عمر اس کے لیے دعا کرتا رہے گا۔ جس کو یاد رکھنے اور دعا کرنے والے لوگوں سے اس کا کوئی خونی رشتہ نہیں ہے اور کیا یہاں آج کوئی اُمّ مریم یا مظہر اوّاب خان یہ کہہ سکتا ہے کہ خدیجہ نور جنتی نہیں ہے۔ کیا اس سے زیادہ کوئی خواہش کر سکتا ہے کہ وہ اپنی صالح اولاد کے ہاتھوں آخری سانس لے۔

اور جب...... جب میں مروں گی تو اس وقت کون ہو گا جو مجھے ذالعید اوّاب والی محبت کے ساتھ قبر میں اتارے گا۔ کوئی مقابلہ نہیں تھا ماما جان! میرا آپ کے ساتھ۔ نہ آج نہ کل نہ ہی آئندہ کبھی...... Desire (خواہش) اور Belief (ایمان) کا کوئی مقابلہ ہو ہی نہیں سکتا۔'' وہ ماما جان کا چہرہ دیکھتے سوچتی رہی۔

دس بجے کے قریب ماما جان کو شجاع حاکم کی قبر کے پاس دفن کر دیا گیا۔ وہ تب بھی اسی طرح چپ چاپ بیٹھی رہی، جب ماما جان کو وہاں

سے لے جایا گیا۔

پھر عورتیں آہستہ آہستہ وہاں سے جانا شروع ہو گئیں...... صرف آس پاس کے چند گھروں کی عورتیں بیٹھی رہیں، وہ کسی کی بات کا جواب نہیں دے رہی تھی، وہ کیا کہتی؟ یہ کہ ماما جان کے ساتھ یہ سب کچھ کرنے والی وہ خود ہے۔

ذالعید شام کو چار بجے اندر آیا۔ وہ باہر مردوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور اب آہستہ آہستہ سب وہاں سے جا رہے تھے۔

''یہ صبح سے اسی طرح بیٹھی ہے نہ اس نے کوئی بات کی ہے نہ روئی ہے نہ کچھ کھایا ہے۔'' خالہ حبیبہ نے اس کے آنے پر مدھم آواز میں اس کے پاس جا کر مریم کے بارے میں بتایا۔

وہ ان سے یہ نہیں کہہ سکا کہ یہ دکھ نہیں پچھتاوا ہے۔

''کیا کرتے ہیں ایسی عورت کے ساتھ جو ایک ہی جست میں آپ کے دل سے نکل جائے۔ آپ اس کا چہرہ دیکھنا چاہیں نہ اس کے وجود کو برداشت کر سکیں۔ مگر وہ آپ کی بیوی بھی ہو اور آپ کی اولاد کی ماں بھی ہو اور اس کے بارے میں آپ کو یہ حکم بھی دے دیا گیا ہو کہ آپ اسے چھوڑ نہیں سکتے۔'' وہ وہاں کھڑا اسے دیکھتے ہوئے یہی سوچ رہا تھا۔

''ٹھیک ہو جائے گی۔ میں اسے گھر لے جا رہا ہوں۔'' اس نے خالہ حبیبہ سے کہا۔

اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے اسے احساس ہو گیا تھا کہ اسے بخار ہو رہا ہے۔ مگر وہ پھر بھی اپنے اندر اتنی اعلاظرفی نہیں پا رہا تھا کہ اس سے اس کا حال پوچھے۔

وہ اس کے پیچھے چلتی ہوئی گاڑی میں آ بیٹھی۔ پورا رستہ ان دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ پورچ میں گاڑی روکنے کے بعد ذالعید اسی خاموشی کے ساتھ اس سے کچھ بھی کہے بغیر اندر چلا گیا۔ مریم جس وقت اندر داخل ہوئی وہ ملازم سے کہہ رہا تھا۔

''بیگم صاحبہ سے پوچھ لو اگر انہیں کھانا کھانا ہو تو کھانا کھلا دو۔ میں نہیں کھاؤں گا۔'' وہ آیا سے زینب کو گود میں لے رہا تھا۔

مریم کچھ بھی کہے بغیر اندر کمرے میں چلی گئی۔ اسے یاد نہیں وہ کتنی دیر اوندھی بستر پر پڑی رہی اور کب اس کی آنکھ لگی۔

چھبیسواں باب

بارش یک دم رک گئی...... چند لمحوں کے لیے اس کا خوف ختم ہوا...... ہوا بھی اب رک گئی، وہ فرش پر لیٹ کر گہرے سانس لینے لگی...... فضا میں ایک بار پھر خاموشی تھی...... وہ اب اس خوشبو کو تیز ہوتا محسوس کر رہی تھی اس نے ایک بار پھر اس خوشبو کو شناخت کرنے کی کوشش کی، وہ ایک بار پھر ناکام رہی۔

پھر اسے یوں لگا جیسے اس کے جسم پر کوئی کنکر گرا ہو...... درد کی ایک لہر سی اس کے وجود سے گزری، ایک اور کنکر...... پھر ایک اور...... وہ بے اختیار اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ کنکر اس کے پاس پڑا تھا۔ دھندلی روشنی میں اس نے اسے ہتھیلی میں اٹھا کر چہرے کے پاس کر کے دیکھا اور اس کا ہاتھ کانپنے لگا...... وہ اولہ تھا۔ ایک...... دو...... تین چار پانچ...... دس...... اس نے اپنے بازوؤں سے اپنے سر اور چہرے کو ڈھانپنے کی کوشش کی...... اس کے منہ سے اب ہلکی ہلکی چیخیں نکلنے لگی تھیں۔ اولے اس کے جسم کے ہر حصے پر شدت سے برس رہے تھے۔ اسے لگ رہا تھا جیسے کوئی اسے سنگسار کر رہا ہو...... ہوا ایک بار پھر چلنے لگی۔ اولوں کا سائز اور تعداد بڑھنے لگی۔

بیٹھے بیٹھے اس نے اپنے سامنے خون کے چند قطرے دیکھے پھر انہیں گیلے فرش پر پھیلتے دیکھا۔ اسے اندازہ نہیں ہوا...... خون کہاں سے نکلا تھا۔ اس کے جسم کے ہر حصے میں اتنی تکلیف ہو رہی تھی کہ وہ یہ اندازہ لگا ہی نہیں سکتی تھی پھر اس نے ایسے بہت سے قطروں کو فرش کو رنگ دار کرتے دیکھا...... اس کے اعصاب مفلوج ہونے لگے تھے۔ پہلی بار آسمان پر بادل چھانے لگے۔ وہ دھندلی روشنی اب غائب ہونے لگی۔ ہوا ایک بار پھر چنگھاڑ رہی تھی...... اولے اب بارش کے ساتھ برس رہے تھے اسے اپنا وجود فرش پر پھسلتا محسوس ہوا۔ اس نے ایک بار پھر فرش پر لیٹ کر فرش کو پکڑنے کی کوشش کی۔ برستی بارش اور اولوں نے اس بار اسے ناکام کر دیا۔ اس کے وجود کے ساتھ اس کے ہاتھ بھی پھسلنے لگے...... وہ اپنے چاروں طرف اب کچھ بھی نہیں دیکھ پا رہی تھی...... آسمان اب تاریک ہو چکا تھا وہ پھسلتی جا رہی تھی، شل ہوتے ہوئے اعصاب کے ساتھ وہ چیخنے کے قابل نہیں رہی...... پھر اس نے اپنے پیروں کے نیچے زمین کو غائب ہوتا محسوس کیا...... اس کے پاؤں اب خلا میں تھے...... آنکھیں کھول کر اس نے آخری بار کوئی سہارا ڈھونڈنے کی کوشش کی...... تاریکی نے ہر چیز، ہر سہارے کو اوجھل کر دیا۔

پہاڑ کی چوٹی سے نیچے خلا میں گرتے ہوئے اس نے اس خوشبو کو پہچان لیا...... وہ کافور کی خوشبو تھی۔

❁

ایک جھٹکے کے ساتھ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کا پورا جسم پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔ اس کا سانس بہت تیز چل رہا تھا۔ اسے ایک عجیب سی کپکپاہٹ محسوس ہوئی...... سر نیچے کیے دونوں ہاتھ بیڈ پر رکھے وہ گہرے سانس لیتی رہی۔ اس کی ناک کی نوک سے پھسلتے ہوئے پسینے کے قطرے اس کی گود میں

گر رہے تھے۔

بہت سال سے دیکھا جانے والا خواب آج مکمل ہو گیا تھا...... اس نے یاد کرنے کی کوشش کی، پہلی بار اس نے یہ خواب کب دیکھا۔ دس سال پہلے، ہاں ٹھیک دس سال پہلے اس نے پہلی بار وہ سیڑھیاں اپنے قدموں کے نیچے محسوس کی تھیں...... اور اسے سمجھنے میں ناکام رہی...... یا پھر اس نے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی...... اسے صرف حیرت ہوتی تھی کیا خواب بھی سلسلہ وار ہوتے ہیں۔ ایک تسلسل کے ساتھ چلتے ہوئے اس خواب نے پورا ہونے میں دس سال لیے۔

اور آج خواب کے آخری حصہ نے اسے سب کچھ سمجھا دیا...... وہ جان چکی تھی۔ وہ پچھلے دس سال سے کیا دیکھ رہی تھی۔ وہ خواب نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنی زندگی دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنی لاحاصل خواہشیں دیکھ رہی تھی۔ دس سال پہلے اس نے اپنا عروج دیکھنے کی خواہش کی تھی۔ دس سال بعد آج اس نے اس عروج میں چھپا ہوا زوال دیکھا تھا۔ وہ سیڑھیاں اس کی خواہشات تھیں۔ وہ روشنی اس کی ہوس تھی۔ وہ پہاڑ اس کا عروج تھا۔

اس کا جسم بخار سے تپ رہا تھا۔ اس کا حلق جیسے کانٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ اسے یاد آیا، وہ سونے سے پہلے ذالعید سے معافی مانگنا چاہتی تھی۔ مگر وہ کمرے میں نہیں آیا۔ وہ اب بھی کمرے میں نہیں تھا۔ کمرے میں مکمل تاریکی تھی وہ بیڈ کو ٹٹولتے ہوئے زمین پر جا کھڑی ہوئی۔ لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ وہ تاریک کمرے میں راستہ ڈھونڈ رہی تھی۔ مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کہاں جانا چاہ رہی ہے۔

پھر اسے یاد آیا، وہ ذالعید کے پاس جانا چاہتی تھی۔ اس نے دیوار ٹٹولتے ہوئے سوئچ بورڈ ڈھونڈ کر لائٹ آن کی، ذالعید کا بیڈ خالی تھا۔ وہ کمرے سے باہر آ گئی۔ لاؤنج میں نائٹ بلب کی ہلکی روشنی تھی۔ وہ اندازہ نہیں کر پا رہی تھی کہ وہ رات کا کون سا پہر تھا۔ وہ زینب کے کمرے میں چلی گئی۔ ذالعید وہاں نہیں تھا۔ اس کا سر بری طرح چکرا رہا تھا پھر وہ ذالعید کی اسٹڈی کی طرف آ گئی۔ اسٹڈی کی لائٹ آن تھی۔ اسٹڈی کے دروازے پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ ٹھٹھک گئی۔

تیز بخار کی حالت میں بھی وہ اندر سے آنے والی آواز کو پہچان سکتی تھی۔ وہ اندر رو رہا تھا بلند آواز میں...... مریم نے دروازہ کھول دیا۔ وہ کارپٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے کچھ فاصلے پر میز پر قرآن شریف رکھا تھا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے چہرہ کو چھپائے ہوئے رو رہا تھا شاید اس نے قرآن پڑھنے کے بعد ماما جان کے لیے دعا کرنے کی کوشش کی ہوگی اور پھر اسے ماما جان یاد آ گئی ہوں گی یا پھر وہ......

مریم نے زندگی میں کسی مرد کو بلند آواز میں روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے آج سارا دن ذالعید کو اس طرح روتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی مگر وہ رو نہیں رہا تھا اور اب وہ رات کے اس پہر وہاں اکیلا بیٹھا بچوں کی طرح رو رہا تھا۔

مریم کا دل چاہا، وہ کسی خنجر سے، اپنی گردن کاٹ ڈالے...... اس نے اس شخص سے کیا چھین لیا تھا۔

زندگی میں کچھ لمحے ایسے آتے ہیں جب آپ کچرے کے ڈھیر میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اور اس وقت دل یہ چاہتا ہے کہ ساری دنیا اپنا کچرا آپ پر پھینکے، تب آپ کا دل چاہتا ہے۔ لوگ آپ پر تھوکیں، آپ کو گالیاں دیں، آپ پر پاؤں رکھ کر گزر جائیں اور اگر اس وقت کوئی ایسا نہ کرے تو......

وہ اس کے بالکل سامنے آ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔

''ذالعید!'' وہ یک دم خاموش ہو گیا۔

مریم اس کے چہرے سے ہاتھ ہٹانے لگی۔ ذالعید نے چہرے سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے اس کے ہاتھ جھٹک دیے۔

''ذالعید! مجھے مارو، تم مجھے مارو۔'' وہ اس کے ہاتھ پکڑ کر اپنے چہرے پر مارنے لگی۔ ذالعید نے ایک بار پھر اپنے ہاتھ کھینچ لیے۔

''تم مجھے گالیاں دو۔ میرے چہرے پر تھوک دو۔'' وہ اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اپنی آستینوں سے چہرہ پونچھتے ہوئے اس نے میز سے قرآن اٹھایا اور اسے شیلف پر رکھ دیا۔ وہ اٹھ کر لڑکھڑاتے قدموں سے ایک بار پھر اس کے پاس آ گئی۔

''تم مجھے ماردو۔ میرا گلا دبا دو یا کم از کم ایک بار میرے چہرے پر تھوک دو۔''

''میں تمہیں مار سکتا ہوں نا تمہارے چہرے پر تھوک سکتا ہوں تمہارے چہرے کو بہت بار میری ماں نے چوما ہے۔''

وہ چپ چاپ اس کا چہرہ دیکھتی رہی، پھر شکست خوردگی کے عالم میں پیچھے ہٹ گئی۔ وہ وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

.........❁.........

''ہمیں پتا چلا مریم کی والدہ کے انتقال کا۔ تم نے کل بتایا ہی نہیں ورنہ میں کل آ جاتی...... آج بھی اتفاقاً پتا چلا۔ میں نے فون کیا تھا تو ملازم نے بتایا۔''

مظہر اور نزہت دوسرے دن شام کے وقت گھر آئے۔ ذالعید اس وقت گھر پر ہی تھا۔

''مریم کہاں ہے؟'' نزہت نے پوچھا۔

''اسے بہت تیز بخار ہے، ڈاکٹر نے انجکشن دیا ہے، سو رہی ہے۔'' ذالعید نے مدھم آواز میں بتایا۔

وہ کچھ دیر بیٹھ کر جانے لگے تو ذالعید نے مظہر سے کہا ''پاپا! مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں اکیلے میں، آپ رک جائیں۔'' مظہر اور نزہت نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''ٹھیک ہے، میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاتی ہوں، ڈرائیور کو واپس بھیج دوں گی۔'' نزہت نے کہا اور وہ لاؤنج سے نکل گئی۔

مظہر صوفہ پر بیٹھ گئے۔ ذالعید ان کے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔ ''کیا آپ جانتے ہیں مریم کی ممی کون تھیں؟'' اس نے ان سے پوچھا وہ حیران ہوئے۔

''میں کیسے جان سکتا ہوں؟''

''خدیجہ نور کو جانتے ہیں آپ؟'' مظہر کو جیسے کرنٹ لگا، وہ گم صم ہو کر اس کا چہرہ دیکھنے لگے۔

''یقیناً جانتے ہوں گے، خدیجہ نور میری ماں تھی...... کل ان ہی کی ڈیتھ ہوئی ہے۔''

مظہر کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ چند لمحے جیسے لفظ تلاش کرتے رہے پھر انھوں نے کہا۔

''مجھے کیوں بتا رہے ہو، تم یہ سب کچھ...... اگر تم یہ جانتے ہو کہ تمہاری ماں کون ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔''

''میں واقعی یہ نہیں جانتا کہ میں آپ کو یہ سب کچھ کیوں بتا رہا ہوں...... شاید میرے دل پر ایک بوجھ ہے جو میں اتارنا چاہتا ہوں...... یا پھر......''

''اگر میں تمھیں تمہاری ماں کی اصلیت بتا دوں تو تم دوبارہ نام تک لینا پسند نہ کرو اس کا...... میں نے ساری عمر اس کی حقیقت تم سے اور دوسروں سے صرف اسی لیے چھپائے رکھی تاکہ تم لوگوں کے سامنے سر اٹھا کر چل سکو۔ تمھیں اپنے آپ سے نفرت نہ ہو جائے۔'' انھوں نے تیز لہجے میں کہا۔

''کون سی حقیقت بابا؟ یہ حقیقت کہ ماما جان ایک کال گرل تھیں۔'' اس نے اتنے عام سے انداز میں یہ بات کہی کہ مظہر اس کا منہ دیکھتے رہ گئے۔

''ماما جان نے مجھ سے کوئی بات نہیں چھپائی، انھوں نے اپنے بارے میں مجھے سب کچھ بتا دیا تھا اور مجھے ان سے وابستگی پر فخر ہے۔ مجھے کوئی شرمندگی نہیں ہے، نہ ہی میں لوگوں کے سامنے سر جھکا کر پھروں گا۔ میری ماں نے اسلام قبول کرنے کے بعد کوئی گناہ نہیں کیا۔ انھوں نے ویسی زندگی گزاری جیسی ایک مسلمان عورت گزارتی ہے۔ آپ نے میری ماں کو ایک ایسے گناہ کی سزا دی جوان پر مسلط کیا گیا تھا۔''

''اس نے مجھ کو دھوکا دیا تھا۔ مجھ سے سب کچھ چھپایا تھا۔''

''کیا زندگی میں آپ نے کبھی کسی کو دھوکا نہیں دیا، آپ نے کبھی کسی سے جھوٹ نہیں بولا؟ آپ نے کبھی کسی سے کچھ نہیں چھپایا؟'' وہ اب ان سے سوال کر رہا تھا۔

''آپ تو پیدائشی مسلمان ہیں پھر بھی کبھی نہ کبھی آپ نے یہ سب کچھ کیا ہوگا...... اور بھی بہت سے گناہ کیے ہوں گے۔ کیوں نہ آپ کو بھی یہیں دنیا میں ہر اس شخص کے ہاتھوں سزا دی جائے جس کو آپ نے تکلیف پہنچائی ہو دھوکا دیا ہو، جھوٹ بولا ہو......''

''جس عورت میں پارسائی نہ ہو، اس کو اسی طرح تھوک دینا چاہیے۔'' انھوں نے نفرت سے کہا۔

''اور جس مرد میں پارسائی نہ ہو اس کے ساتھ کیا کرنا چاہیے۔ کیا قرآن مرد اور عورت کے لیے کوئی الگ قانون رکھتا ہے۔''

''تمہاری ماں زانی تھی۔'' مظہر نے بلند آواز میں انگلی اٹھا کر کہا۔

ذالعید کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ ''کیا اس نے اسلام قبول کرنے کے بعد زنا کیا تھا؟ کیا آپ سے شادی کے بعد وہ آپ کو دھوکا دیتی رہی...... میری ماں آپ سے شادی کرنے نہیں آئی تھی۔ آپ گئے تھے اس کے پاس شادی کرنے۔ کیا اس وقت آپ کو یہ نہیں پتا تھا کہ آپ کس معاشرے کی عورت کے ساتھ شادی کرنے والے ہیں...... اور یہ پارسائی کیا ہوتی ہے؟ میں جاننا چاہتا ہوں کون سی عورت پارسا ہوتی ہے اور کون سی پارسا نہیں ہوتی؟ آج اگر اس عورت کے ماضی کے بارے میں آپ کو کچھ پتا چلے جو آپ کی بیوی ہے تو کیا آپ اس کو چھوڑ دیں گے...... میری ماں نے آپ کو شادی سے پہلے یہ بتا دیا تھا کہ اس کے بوائے فرینڈز رہے ہیں، آپ نے اس پر اعتراض نہیں کیا، تب آپ کو یہ یاد نہیں رہا کہ وہ پارسا نہیں ہے۔'' مظہر کچھ بول نہیں سکے۔

''میں جاننا چاہتا ہوں، آپ کا وہ اسلام کہاں ہے جسے آپ میری ماں کو دکھاتے رہے۔ کہاں ہیں وہ نمازیں، روزے، رزق حلال وہ پردہ جس کی تلقین آپ میری ماں کو کرتے رہے۔ میں نے اپنی آج تک کی زندگی میں آپ کو کسی اسلامی اقدار پر عمل کرتے نہیں دیکھا...... مگر میری ماں نے وہ تیس سال جو اسلام قبول کرنے کے بعد گزارے وہ ایک عملی مسلمان کے طور پر گزارے...... ایک باحیا اور پرہیزگار مسلمان عورت کے طور

پر...... اس نے ساری زندگی ہر اس چیز پر عمل کیا جو اس نے آپ سے یا اپنے دوسرے شوہر سے سیکھی۔

دنیا میں کچھ لوگ آپ کی طرح ہوتے ہیں۔ جو ساری زندگی اپنے گلے میں مذہب کا ڈھول ڈالے اسے پیٹتے رہتے ہیں۔ کیونکہ انھیں دنیا کو اپنی نمازوں سے متاثر کرنا ہوتا ہے مگر جب بات ایثار، قربانی اور اعلیٰ ظرفی کی آتی ہے تو پھر وہ آپ کی طرح ہو جاتے ہیں...... جو عورتوں کو یوں سزائیں دیتے پھرتے ہیں، جیسے انھیں دنیا پر خدا نے جزا اور سزا کے اختیار کے ساتھ بھیجا ہو۔ آپ جیسے مرد پاپا جو عورتوں کو طلاق دیتے ہیں اور ان سے دودھ پیتے ہوئے بچے چھین لیتے ہیں۔ ان کی کوئی نماز، کوئی عبادت انھیں اس عمل سے نہیں روکتی۔ انھوں نے عبادت عبادت سمجھ کر کہاں کی ہوتی ہے...... عادت اور روایت سمجھ کر کرتے ہیں...... آپ کے اندر کتنی منافقت ہے پاپا...... کتنا دوغلا پن ہے...... کیا آپ نے میری ماں کے بارے میں حقیقت بتانے والے اپنے اس "عظیم" دوست سے یہ سوال کیا تھا کہ کیا اس نے اپنی بیوی کو یہ بتایا ہے کہ وہ کال گرلز کے ساتھ راتیں گزارتا رہا ہے یا آپ نے اس کی بیوی اور خاندان کو یہ سب کچھ بتایا۔"

لاؤنج میں خاموشی تھی، مظہر کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"تیس سال میں کبھی آپ نے اس عورت کے بارے میں سوچا جو اپنے بچے کے لیے آپ کے پیچھے روتی ہوئی آئی تھی؟ کیا آپ نے اس بچے کے بارے میں سوچا جسے ستائیس سال آپ نے ماں سے محروم رکھا۔ آپ نے کبھی سوچا ہے، قیامت والے دن آپ خدیجہ نور کے سامنے کیسے جائیں گے، آپ ذالعید کے سامنے کیسے جائیں گے؟ ان ساری اقدار اور روایات کو آگ لگا دیجئے جو انسانوں کے دل سے رحم اور اعلیٰ ظرفی نکال دیتی ہیں۔ چاہے وہ کسی بھی خاندان کسی بھی قبیلے یا کسی بھی نسل کی ہوں۔ مجھے فخر ہے کہ میں خدیجہ نور کا بیٹا ہوں، اس خدیجہ نور کا جس کی وجہ سے قیامت کے دن میں پہچانا جاؤں گا اور اس دن میں آپ کو اس ظلم کے لیے معاف نہیں کروں گا جو آپ نے مجھ پر اور میری ماں پر کیا۔"

مظہر نے اسے اٹھ کر اندر جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ بہت دیر تک وہیں لاؤنج میں خاموش بیٹھے رہے۔ "کیا واقعی میرے اندر رحم کی صفت ختم ہو گئی تھی اور میری نمازیں صرف دکھاوے کی نمازیں تھیں؟ کیا واقعی میں نے خدیجہ نور اور ذالعید پر ظلم کیا یا پھر خود پر ظلم کیا؟ کیا میں واقعی جانتا ہوں گناہ کیا ہوتا ہے یا پھر میں ہر دوسرے شخص کے صرف اس فعل کو گناہ سمجھتا ہوں جس سے مجھے تکلیف پہنچتی ہے، مجھے نقصان ہوتا ہے؟ کیا دنیاوی قانون پڑھنے کے بعد میں نے دنیا کے ہر معاملے میں فیصلہ اور انصاف کرنے کی اہلیت حاصل کر لینے کا گمان کیا تھا؟ کیا مجھے واقعی اپنے پیدائشی مسلمان ہونے پر اس قدر فخر ہے کہ میں نے بیٹھے بٹھائے خود کو جنتی سمجھ لیا ہے؟ کیا میں ان لوگوں میں سے ہوں جو ساری عمر خود فریبی اور گمان میں گزارتے ہیں؟

تیس سال میں پہلی بار وہ اپنا احتساب کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر سامنے والا ہر سوال انھیں یہ بتا رہا تھا کہ بعض سوالوں کے جواب کسی بھی زبان میں نہیں دیے جا سکتے، اور وہ سوال ایسے ہوتے ہیں جو انسان کو اس عمر اور زندگی کے اس مرحلے پر آ کر زیر کر دیتے ہیں۔ جب انسان خود کو صراط مستقیم کے دوسرے سرے پر پہنچا ہوا محسوس کرتا ہے...... اور تب پہلی بار یہ احساس ہوتا ہے کہ آپ ساری عمر جس راستے کو صراط مستقیم سمجھ کر چلتے رہے ہیں وہ نہ راستہ تھا اور نہ سیدھا...... وہ صرف آپ کا نفس تھا یا پھر آپ کا گمان۔

اس کی آنکھیں رات کے کس پہر کھلی تھیں، اسے اندازہ نہیں ہوا۔ آنکھیں کھولتے ہی اسے اپنے پپوٹوں کے بوجھل ہونے کا احساس ہوا۔ کمرے میں نائٹ بلب کی سبز روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اسے چند لمحوں کے لیے اپنا ذہن بالکل خالی لگا...... کسی سوچ...... کسی خیال کے بغیر......

اگلے کئی منٹ وہ اسی طرح چپ چاپ لیٹی ہوئی نیم تاریکی میں کمرے کی چھت کو گھورتی رہی...... پھر اس کے ذہن کی اسکرین پر یک دم ایک جھماکے کے ساتھ سب کچھ نمودار ہو گیا تھا...... چہرے...... آوازیں...... چیزیں...... باتیں...... وہ کیا کر چکی تھی...... اس کے ساتھ کیا ہوا تھا......

اس کا ہلکا پھلکا وجود یک دم بوجھل ہونا شروع ہو گیا...... وہ اپنی زندگی کے بھیانک خواب میں ایک بار پھر لوٹ آئی تھی...... اور اس بار وہاں ماما جان نہیں تھیں...... اسے یاد آ گیا تھا وہ کہاں تھیں۔

اسے سب کچھ یاد آ گیا تھا۔ اس نے کروٹ لینا چاہی...... اور تب اسے احساس ہوا کہ اس کا جسم بہت کمزور ہو گیا ہے۔ اسے اپنے حلق میں کانٹے چبھتے ہوئے محسوس ہوئے...... کروٹ لینے کے بعد وہ بالکل ساکت رہی یوں جیسے اپنے جسم میں ہونے والے درد کو کم کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

اور پھر اسی نیم تاریکی میں اس نے کمرے کے ایک کونے میں ذالعید کو نماز پڑھتے دیکھا تھا...... سفید شلوار قمیص میں ملبوس وہ رکوع کی حالت میں تھا...... وہ خشک اور خالی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔ اسے بے اختیار ماما جان یاد آ گئی تھیں۔

بہت دفعہ رات کو یک دم جاگ اٹھنے پر وہ انہیں بھی اسی طرح دیکھا کرتی تھی...... وہ تہجد پڑھا کرتی تھیں اور مریم ہمیشہ کروٹ لیتے ہوئے دوبارہ سونے سے پہلے سوچتی ''پتا نہیں ماما جان کو آدھی رات کو اس طرح اپنی نیند خراب کرنے سے کیا ملتا ہے...... کیا پانچ نمازیں کافی نہیں ہیں جو اس طرح راتوں کو اٹھ اٹھ کر وہ اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کی نیند بھی خراب کرتی ہیں۔''

حالانکہ ماما جان تہجد کے لیے اٹھتے وقت بہت خاموشی اور احتیاط سے ہر کام کرتی تھیں تاکہ مریم کی نیند خراب نہ ہو جائے، گرمیوں میں وہ باہر صحن میں ہی تہجد پڑھ لیا کرتی تھیں، البتہ سردیوں میں وہ وضو کرنے کے بعد اندر کمرے میں آ جاتیں اور اسی طرح نائٹ بلب کی نیم روشنی میں تہجد پڑھا کرتیں۔

وہ یک ٹک ذالعید کو دیکھتی رہی...... اس کا دل بھر آیا...... اسے ماما جان یاد آئی تھیں وہ جانتی تھی، اب ساری زندگی اس کے ساتھ یہی ہونا تھا۔

ذالعید اب جائے نماز اٹھاتے ہوئے کھڑا ہو رہا تھا اور تب ہی اس کی نظر اس پر پڑی...... چند لمحوں کے لیے وہ ٹھٹھک گیا پھر جائے نماز ایک طرف رکھ کر وہ اس کی طرف آیا۔ بے آواز انداز میں وہ اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ گیا اور ہاتھ بڑھا کر اس نے ٹیبل لیمپ آن کر دیا۔

''تم ٹھیک ہو؟'' اپنا دایاں ہاتھ اس کے ماتھے پر رکھتے ہوئے وہ مدھم آواز میں پوچھ رہا تھا۔ وہ اسے دیکھنے کے سوا کچھ بول نہیں سکی۔

اس نے مریم کے ماتھے سے ہاتھ ہٹا لیا اور بیڈ پر دھرا اس کا داہنا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اس کو نرمی سے چوم لیا۔

اس کے ذہن میں ایک بار پھر جھماکا ہوا...... چند لمحوں کے لیے اسے یوں ہی لگا تھا جیسے اس کے قریب ذالعید کے بجائے ماما جان بیٹھی ہوں...... وہ بھی اس طرح بہت بار صبح اسے نیند سے جگاتے ہوئے یا رات کو سونے سے پہلے اس کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسی نرمی سے چومتی تھیں جس نرمی سے ذالعید نے چوما تھا۔

بے اختیار اس کا دل بھر آیا۔ کیا یہ ہاتھ اس قابل ہے کہ اسے ماما جان جیسی عورت اس طرح عقیدت سے ساری زندگی چومتی رہی...... یا یہ

ہاتھ اس قابل ہے کہ اسے ذالعید چومے۔ اس نے سوچا......

''اب بخار نہیں ہے تمہیں...... کچھ دن اور آرام کرو گی تو بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی، کیا تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے؟'' ذالعید نے نرمی سے کہا۔

مریم کا دل چاہا وہ چلا کر کہے۔ ''دوزخ کی۔'' وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔

کم از کم ذالعید اور اب کے سامنے وہ اب نہیں آنا چاہتی تھی...... شاید وہ کسی کے سامنے بھی نہیں آنا چاہتی تھی۔

''میں تمہیں پانی دوں؟'' وہ اس کا ہاتھ اب بھی اپنے دونوں ہاتھوں میں لیے ہوئے تھا۔

''کیا پانی اس آگ کو ٹھنڈا کر سکتا ہے جو میرے وجود کو جھلسا رہی ہے؟'' وہ پھر سوچ کر رہ گئی تھی نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے سر ہلا دیا۔

ذالعید نے سائیڈ ٹیبل پر پڑے ہوئے جگ سے ایک گلاس میں کچھ پانی انڈیلا...... مریم چکراتے سر کے ساتھ اٹھ بیٹھی تھی۔ ذالعید کے ہاتھ سے گلاس پکڑ کر اس نے کچھ کہے بغیر ہونٹوں سے لگا لیا۔ پانی پینے کے بعد اس نے گلاس ذالعید کی طرف بڑھا دیا۔

''اور چاہیے؟'' وہ پھر پوچھ رہا تھا۔ مریم نے سر ہلا دیا۔ ایک بار پھر کچھ کہے بغیر وہ بیڈ پر لیٹ گئی۔

وہ کچھ دیر اس کے پاس بیٹھا اسے دیکھتا رہا پھر گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ''ٹیبل لیمپ آف کر دوں؟'' اس نے کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔'' مریم نے اس سے نظریں ملائے بغیر کہا۔ وہ کچھ دیر روشنی میں رہنا چاہتی تھی، کم از کم اب تو، وہ اس کے پاس سے ہٹ گیا۔

بیڈ پر لیٹ کر گردن موڑ کر اس نے مریم کو دیکھا۔ وہ چت لیٹی چھت کو گھور رہی تھی۔ پچھلے تین ماہ سے وہ بخار میں پھنک رہی تھی۔ بخار اتنا شدید تھا کہ وہ اپنے حواسوں میں نہیں رہی تھی۔ ذالعید اس کے پاس گھر پر ہی رہا تھا اور بخار کی حالت میں اس کے منہ سے نکلنے والی اول فول سنتا رہا۔

وہ جانتا تھا وہ اول فول نہیں تھی وہ ضمیر کے وہ کوڑے تھے جو اب ساری عمر اس کے وجود کو گھائل رکھنے والے تھے۔ وہ اس کی بے ربط باتوں کو سمجھ سکتا تھا۔ اس کے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں چھپے معنی سے آشنا تھا۔ وہ تین دن بخار کی حالت میں پاگلوں کی طرح چلاتی رہی تھی...... اور آج وہ اپنے حواس میں واپس آئی تھی۔

''مریم! تمہیں سو جانا چاہیے...... نیند تمہارے لیے بہتر ہے۔'' ذالعید نے بہت نرم آواز میں لیٹے لیٹے اپنا دایاں ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا۔ وہ چاہتا تھا وہ اس وقت کچھ بھی سوچنے کی کوشش نہ کرے، وہ اسے اب کسی بھی ذہنی اذیت سے بچانا چاہتا تھا۔ مریم نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''ذالعید! کیا تمہیں مجھ سے نفرت محسوس نہیں ہو رہی؟'' اس کا لہجہ بہت عجیب تھا۔

''مریم! بہت رات ہو گئی ہے...... سو جاؤ'' ذالعید نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

''یہ کیسے ممکن ہے کہ تمہیں مجھ سے نفرت نہ ہو...... تمہیں نفرت کرنی چاہیے مجھ سے۔'' وہ اب بڑبڑا رہی تھی۔

''میں تم سے نفرت نہیں کر سکتا...... چاہوں تو بھی نہیں کر سکتا۔'' اسے ذالعید کی آواز میں تھکن محسوس ہوئی۔

''کیوں؟''

''کیونکہ میری ماں نے تم سے، بہت محبت کی ہے، شاید مجھ سے زیادہ تمھیں چاہا ہے۔ تمھیں کوئی تکلیف ہوگی تو میری ماں کو تکلیف ہوگی، اور میں اپنی ماں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔'' مریم نے یک دم اپنے کندھے سے اس کا ہاتھ ہٹا دیا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کا گلا دبا رہا ہو۔

''ماما جان...... ماما جان۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ اپنی گردن کے پچھلے حصے پر دونوں ہاتھ رکھے گہرے سانس لے رہی تھی۔

ذالعید اپنے بیڈ پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی دراز سے سلیپنگ پلز نکالیں اور پھر گلاس میں پانی ڈال کر اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے کچھ بھی کہے بغیر بہت تیزی سے سلیپنگ پلز پانی کے ساتھ نگلنا چاہیں مگر وہ رک گئی۔

اسے متلی ہو رہی تھی۔ گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ واش روم کی طرف بھاگ گئی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی پوری قوت سے اس کے پیٹ اور سینے پر مکے مار رہا ہو۔ ذالعید اس کے پیچھے آیا۔ وہ واش بیسن کا سہارا لیے کھڑی تھی۔ پانی بیسن میں پوری رفتار سے بہہ رہا تھا۔ اس کا معدہ خالی تھا۔ وہ پچھلے تین دن سے کچھ بھی نہیں کھا سکی تھی۔ اب وہ اپنے چہرے پر پانی کے چھینٹے مار رہی تھی۔

ذالعید نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دینا چاہا۔ وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹ گئی۔

''پلیز ذالعید! مجھے سہارا نہیں چاہیے۔ کم از کم اب نہیں۔'' اس کی آواز میں درشتگی تھی۔ ذالعید اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے واش روم سے باہر نکل آئی۔ کمرے کے وسط میں آ کر وہ کھڑی ہوگئی۔

یوں جیسے اب اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ وہ کیا کرے۔ وہ اب کمرے کی دیواروں پر نظریں دوڑا رہی تھی۔ پھر ذالعید نے اسے ایک دیوار پر لگی ہوئی اپنی ایک پینٹنگ کی طرف بڑھتے دیکھا۔ وہ پلک جھپکتے میں جان گیا کہ وہ کیا کرنا چاہ رہی تھی۔

لیکن جب تک وہ اس کے قریب پہنچتا، وہ پینٹنگ کو دیوار سے اتار کر پاگلوں کی طرح صوفے کے ہتھے پر مار رہی تھی۔ ذالعید نے اس کے ہاتھ سے پینٹنگ چھین لی مگر تب تک وہ اسے بری طرح خراب کر چکی تھی۔

''میری پینٹنگز ہیں۔ میں جو چاہے کروں ان کے ساتھ۔'' اس کی آنکھوں میں بے تحاشا وحشت تھی۔ وہ اب دوسری دیوار کی طرف جا رہی تھی۔ مگر اس بار ذالعید نے اسے پکڑ لیا۔

''کیوں کر رہی ہو یہ سب کچھ مریم! پورا اسٹوڈیو جلا چکی ہو۔ ان کو تو رہنے دو۔''

''کیوں رہنے دوں...... ان کو بھی کیوں رہنے دوں۔ میں چاہتی ہوں ذالعید! یہ سب کچھ ختم ہو جائے۔ سب کچھ...... ایک نشان تک نہ ملے میرے آرٹ کا...... اُمِّ مریم مر جائے...... غائب ہو جائے...... اپنی ہر چیز سمیت۔ یہ ساری چیزیں مجھ پر ہنستی ہیں۔ یہ پینٹنگز، یہ میرا مذاق اڑاتی ہیں۔'' وہ ایک بار پھر خود کو چھڑا کر دیوار کی طرف جانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''کیا ہو رہا ہے مریم تمھیں؟'' ذالعید نے اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا۔

''دیکھو...... مجھے بس اس پینٹنگ کو خراب کر لینے دو...... بس یہ والی پینٹنگ۔'' وہ بری طرح خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کا پورا چہرہ پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔ ذالعید اسے کھینچ کر صوفہ پر لے گیا۔

''یہاں بیٹھو اور مجھے بتاؤ، تمھیں کیا ہو رہا ہے۔'' اس نے مریم کو صوفہ پر دھکیل دیا اور خود اس کے سامنے کارپٹ پر پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔

''مجھے...... مجھے ذالعید! سکون نہیں ہے۔ میرا سر جل رہا ہے۔'' وہ اب پینٹنگ کو بھول کر اسے بتانے لگی۔ اس کی کاٹن کی نائٹی پسینے سے بھیگی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے اور گردن پر پسینے کے قطرے لکیروں کی صورت میں پھسل رہے تھے۔ اے سی آن ہونے کے باوجود یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی بھٹی میں بیٹھی ہوئی ہے۔

ذالعید نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔ اس کے ہاتھ سرد تھے۔

''تمھیں پتا ہے ذالعید! میں نے ماما جان سے کیا کہا تھا۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ......''

''مریم! چپ ہو جاؤ۔ میں جانتا ہوں تم نے کیا کہا تھا۔ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ تم کچھ بھی مت دہراؤ۔'' اس نے اسے سختی سے ٹوک دیا۔

''میری طرف دیکھو مریم...... تم رونا چاہتی ہو، تم رو لو۔''

''نہیں، میں رونا نہیں چاہتی...... میں کیوں روؤں...... میں نے کچھ نہیں کیا۔'' وہ اس کی بات پر اور وحشت زدہ ہوئی۔ ذالعید اٹھ کر ریفریجریٹر کی طرف چلا گیا۔ وہ جوس کا ایک کین نکال کر اس کے پاس لایا۔

''مجھے اپنے گھر جانا ہے۔''

وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ ''میں تمھیں صبح لے جاؤں گا۔''

''نہیں مجھے ابھی لے چلو...... پلیز مجھے ابھی لے چلو، مجھے یہاں خوف آ رہا ہے۔ میرا دم گھٹ رہا ہے یہاں، مجھے یہاں سے لے جاؤ۔'' وہ اس کی قمیص پکڑے منت کر رہی تھی۔

''میں لے جاتا ہوں مگر تم یہ جوس پی لو، کپڑے بدلو اس کے بعد۔'' اس نے اپنی قمیص چھڑاتے ہوئے کہا۔ وہ کچھ کہے بغیر جوس کا کین پکڑ کر پینے لگی۔ ذالعید نے اس کے ہاتھوں میں لرزش دیکھی۔ اس نے جوس کا کین خود پکڑ لیا۔ کین ختم ہونے کے بعد وہ اٹھ کر ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔ ذالعید نے اس بار اس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ نہیں دیکھی۔

جب تک وہ لباس تبدیل کر کے آئی وہ ایک سیب کاٹ چکا تھا۔

''یہ کھا لو، اس کے بعد چلتے ہیں۔'' ذالعید نے پلیٹ اس کی طرف بڑھا دی۔ اس نے کوئی تعرض نہیں کیا۔ صوفہ پر بیٹھ کر وہ سیب کھانے لگی۔ ذالعید نے محسوس کیا وہ اپنی آنکھوں میں امڈتی نمی کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں اور چہرے پر کچھ دیر پہلے والی وحشت نہیں تھی نہ ہی اس کے ہاتھ پہلے کی طرح کانپ رہے تھے۔

ذالعید نے ٹشو باکس سے کچھ ٹشو لے کر اس کے چہرے اور گردن کو صاف کیا۔ اس نے سر نہیں اٹھایا۔ ذالعید اس کے قریب کھڑا اسے سیب کھاتے دیکھتا رہا۔

''مریم میری زندگی کی روشنی ہے ذالعید...... وہ میری جان ہے، میرے وجود کا حصہ ہے۔ اگر وہ نہ ہوتی تو میں بہت سال پہلے مر جاتی۔

تمھارے بعد اس نے مجھے زندہ رکھا۔ میری مریم کو کبھی تکلیف مت دینا۔ کبھی ایک برالفظ تک مت کہنا اسے۔'' اس کی آنکھوں میں نمی جھلکنے لگی۔

وہ پلٹ کر اپنے بیڈ کی طرف گیا اور سائیڈ ٹیبل سے کار کی چابی اٹھالی۔ ''ماما جان نے مجھ سے بات کرتے ہوئے آخری جملے تمھارے بارے میں کہے تھے۔'' مریم نے سر اٹھایا۔ وہ ایک بار پھر اس کے قریب کھڑا تھا۔

"So you are going to have a very special place in my heart for the rest of my life."

(میرے دل میں تمہارا ایک بہت اہم مقام ہے زندگی بھر کے لیے) وہ مسکرایا۔

وہ پلکیں جھپکائے بغیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ وہ بالکل ماما جان کی طرح لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں ماما جان سے کتنی ملتی تھیں۔ پرسکون اور گہری..... اور اس کے باریک ہونٹ اور اس کی ناک کی نوک سب کچھ ماما جان کی طرح تھا۔ ہاں اور اس کی عادتیں اور اس کی فطرت وہ یک ٹک اسے دیکھتی رہی۔

ستائیسواں باب

ذالعید نے گھر کے بیرونی دروازے کو کھول دیا۔ رات کے اس پچھلے پہر پورا گھر تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔

''اور ماما جان...... ماما جان کبھی گھر کو تاریک نہیں رکھتی تھیں۔'' کھلے دروازے سے گھر کے صحن میں داخل ہوتے ہوئے مریم نے سوچا۔ گلی میں جلنے والے بلبوں کی روشنی گھر کو مکمل تاریک ہونے سے بچا رہی تھی۔ وہ کسی سحر زدہ معمول کی طرح صحن میں چپ چاپ کھڑی ہو گئی۔ ذالعید بھی اب دروازہ بند کر کے اندر آ چکا تھا۔

''میں لائٹ جلاتا ہوں۔'' اپنی پشت پر اسے ذالعید کی مدھم آواز سنائی دی۔

''نہیں، لائٹ آن مت کرو...... سب کچھ تاریک رہنے دو...... روشنی میں میں اس گھر کا سامنا نہیں کر سکتی...... روشنی میں یہاں کھڑے ہونے کی ہمت بھی نہیں کر سکتی۔'' ذالعید نے اس کی آواز میں اترتی ہوئی نمی کو محسوس کیا۔ وہ برآمدے کی طرف جاتے جاتے رک گیا۔

صحن کے اطراف دیوار کے ساتھ کیاریوں میں لگے ہوئے پودوں کو ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے ہلا رہے تھے۔ وہ چپ چاپ ان پودوں کو دیکھتی رہی۔ گھر کی دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ وہ پودے بھی صرف ماما جان ہی کا شوق تھے۔ وہ صبح سویرے اٹھ کر انھیں پانی دیا کرتی تھیں۔ ہر ہفتے کھرپے سے کیاریوں کی مٹی نرم کرتی رہتی تھیں۔ ان پودوں پر لگنے والی کلیوں کو گنتی رہتیں...... اس نے گلاب اور موتیے کے پودوں کو اندھیرے میں پہچاننے کی کوشش کی۔

''میں نے مرغیوں اور طوطے کے پنجرے کو ساتھ والے گھر میں دے دیا ہے۔ اکیلے گھر میں وہ نہیں رہ سکتے تھے۔'' مریم نے ذالعید کو کہتے سنا۔

''اور بلی......؟'' مریم نے بے اختیار پوچھا۔

''وہ یہیں کہیں ہے، میں اسے کہاں دے سکتا تھا؟ وہ سارا دن اسی کمرے کے باہر برآمدے میں بیٹھی رہتی ہے ساتھ والے گھر کے لوگ اسے دن میں کچھ نہ کچھ ڈال دیتے ہیں۔''

وہ اب برآمدے میں جا کر اندھیرے میں کمرے کے دروازے کا تالا کھول رہا تھا۔ وہ وہیں صحن میں کھڑی نیم تاریکی میں اس کی پشت دیکھتی رہی۔ پھر وہ کمرے کے اندر داخل ہو گیا۔ مریم نے کمرے میں روشنی ہوتے دیکھی۔ وہ بے اختیار صحن سے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ آئی اور بہت آہستہ آہستہ کمرے میں داخل ہوئی۔ ذالعید بازو سینے پر لپیٹے کمرے کے وسط میں بالکل خاموش کھڑا تھا۔

''آپ کو پتا ہے ماما جان! آپ نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟ آپ نے مجھے دوزخ میں رکھا ہوا ہے...... نہ میں یہاں جی سکتی ہوں...... نہ مر سکتی ہوں...... میں یہاں خوش نہیں ہوں۔ میں یہاں خوش رہ ہی نہیں سکتی...... میری منزل یہ ایک کمرہ نہیں ہے...... مجھے گھن آتی ہے اس جگہ

سے......اس گھر سے......اس کمرے سے...... یہاں کی ہر چیز سے۔'' اس کی اپنی آواز اس کی سماعتوں میں گونجنے لگی تھی۔

وہ خشک آنکھوں کے ساتھ کمرے میں پڑی چیزوں کو دیکھتی رہی۔ ماما جان کی چارپائی اب بھی وہیں تھی۔ ساتھ کے گھر والوں نے شاید ماما جان کے سوئم کے بعد گھر کی صفائی کی تھی کیونکہ کمرہ بالکل صاف تھا اور چیزوں کو سمیٹ دیا گیا تھا۔

''اُمّ مریم! تم میری زندگی ہو۔'' اسے یاد تھا، وہ اس دن کمرے میں کس جگہ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل گر کر گڑگڑائی تھیں۔

''اُمّ مریم تمہاری موت ہے۔'' اس نے کیا کہا تھا اسے یہ بھی یاد تھا۔ وہ چپ چاپ کمرے کی چیزوں کو دیکھتی رہی۔ ان چیزوں کو جن سے اسے گھن آتی تھی۔

یہ ایک کمرے کا گھر ماما جان کی جنت تھا اور اسے اس جنت میں پیدا نہ ہونے کے باوجود اللہ نے وہیں بھیج دیا تھا۔ مگر اس نے جنت سے نفرت کرنی شروع کر دی تھی۔ اسے جہنم کی طلب ہونے لگی تھی۔ یہ طلب بڑھتے بڑھتے ہوس بن گئی تھی۔ پھر اس ہوس نے جنت کو آگ لگا دی۔ سب کچھ جلا کر راکھ کر دیا تھا۔

''میں ذالعید کو کبھی تمہارے پاس نہیں جانے دوں گی۔ وہ میرا ''حاصل'' ہے۔ میں ہر اس دوسری عورت کو قبر میں اتار دوں گی جو میرے اور اس کے درمیان آئے گی۔'' وہ الٹے قدموں کمرے سے نکل آئی کمرہ یک دم جیسے ایک گنبد بن گیا تھا جہاں اس کی آواز گونج بن کر دیواروں سے ٹکراتی پھر رہی تھی۔

''آپ دیکھ لینا ماما جان......! میں کبھی نہ کبھی اس گھر سے بھاگ جاؤں گی۔ مجھے ایک کمرے کے اس ٹوٹے پھوٹے گھر سے نفرت ہے۔ یہ گھر کبھی میرے خوابوں میں نہیں آیا...... میں نے کبھی بھی خود کو یہاں نہیں پایا۔'' وہ برآمدے میں رک گئی۔

ذالعید کمرے کی لائٹ بند کر کے باہر آ گیا۔ ایک بار پھر ہر طرف وہی تاریکی ہو گئی۔ ذالعید صحن کو برآمدے سے جوڑنے والی وہ سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔ وہ صحن کے وسط میں کھڑی تھی۔ آسمان بادلوں سے بالکل ڈھک گیا تھا۔

''بہت سی چیزیں تمہیں میں نہیں وقت سکھائے گا...... مگر تب تک بہت دیر ہو چکی ہو گی۔'' اس کی سماعتوں میں ماما جان کی نرم اور مدھم آواز لہرائی۔ اس نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔

''میرے پاس اللہ کی ہر نعمت ہے...... مسلمان ہوں...... شادی ہوئی...... تم ہو...... گھر ہے...... کبھی بھوکا سونا نہیں پڑا...... اور...... اور میرے شوہر نے بھی مجھ سے بہت محبت کی...... اس سے زیادہ میں کس چیز کی خواہش کر سکتی تھی۔'' اس کی آنکھوں میں پانی بھرنا شروع ہو گیا۔

وہ جس زمین پر کھڑی تھی اس زمین کو ماما جان نے اپنے ہاتھوں سے مٹی کا لیپ کیا تھا۔ اس نے اپنے جوتے اتار دیے۔ اسے زمین میں ماما جان کے ہاتھوں کا لمس محسوس ہوا۔

''آپ کس چیز کا شکر ادا کرنے کے لیے اتنی نمازیں پڑھتی ہیں۔ کس احسان کے صلے میں راتوں کو تہجد کے لیے جاگتی ہیں...... اس خستہ حال گھر کے لیے...... دوگنی عمر کے اس بدصورت شوہر کے لیے جس نے دھوکا دے کر آپ سے شادی کی یا اس دو ہزار روپے کے لیے جس سے ایک ماہ

میں تین وقت کے کھانے کے علاوہ اور کچھ کھایا نہیں جا سکتا۔'' اس کی باتوں میں کتنے نشتر تھے جو ماما جان کو چبھتے ہوں گے۔ اسے اب محسوس ہو رہا تھا۔

''کیا ہوا ماما جان! اگر اللہ سے صرف ایک چیز چاہیے ہو اور وہی نہ ملتی ہو۔'' اس نے پلٹ کر ذالعید کو دیکھا۔ وہ سیڑھیوں میں بیٹھا دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپے ہوئے تھا۔ اس کے گال بھیگنے لگے۔

''میں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ میری اُمّ مریم کو ہمیشہ اپنی رحمت اور کرم میں رکھے۔ اسے کبھی گناہ کے رستے پر نہ چلائے..... میری اُمّ مریم کو جنت میں بھی میرے پاس رکھے..... اسے قناعت کی دولت دے دے۔'' اس کا جسم اب لرزنے لگا تھا۔

''آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے ماما جان! ورنہ آپ میرے لیے یہ سب کچھ نہ مانگتیں..... آپ اُمّ مریم کے لیے ''دنیا'' مانگتیں۔'' وہ گھٹنوں کے بل زمین پر گر پڑی۔

اس جگہ اس نے ماما جان کو بہت بار تہجد پڑھتے دیکھا تھا۔ وہ بچپن میں رات کو جاگنے پر ماما جان کو اپنے پاس نہ پاتی تو پھر کمرے سے اٹھ کر باہر صحن میں ان کے پاس آ جاتی۔ وہ تہجد پڑھ رہی ہوتیں۔ وہ خاموشی سے ان کے پاس زمین پر لیٹ کر سو جاتی۔

وہ اب اپنے ہاتھ زمین پر پھیر رہی تھی یوں جیسے ماما جان کے ہاتھوں کے لمس کو محسوس کرنا چاہتی ہو۔ ''انسان ٹوٹی دیواروں، اکھڑے فرش، رستی ہوئی چھت، چار چھ جانوروں، دس بارہ پودوں اور خواہشوں کی قبروں کے ساتھ کتنی دیر خوش رہ سکتا ہے بلکہ کتنی دیر ''رہ'' سکتا ہے اور آخر انسان رہے کیوں؟ اگر اس کے پاس بہتر مواقع ہیں۔''

''بہتر مواقع؟'' وہ بڑبڑائی اور اس کا وجود جیسے کسی زلزلے کی زد میں آ گیا تھا۔

ذالعید نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ صحن کے وسط میں کسی ننھے بچے کی طرح گھٹنوں کے بل بیٹھی بلک رہی تھی۔ اس کا سکتہ ٹوٹ چکا تھا۔ گھر میں پھیلی ہوئی خاموشی اس کے بلند آواز میں رونے کی وجہ سے ٹوٹ گئی تھی۔ وہ چپ چاپ بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ اس نے اس کے پاس جانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اسے رونے دینا چاہتا تھا۔

وہ نہیں جانتی تھی اسے کون سی چیز رلا رہی تھی اس کے اپنے لفظوں کے نشتر یا پھر ملال..... اندر ہونے والی چبھن کس چیز کی تھی..... ضمیر کی..... یا پچھتاوے کی.....

''کاش ماما جان! آپ نے میرے لیے دنیا نہ مانگی ہوتی..... کاش ذالعید کو میرا مقدر بن جانے کے لیے ہاتھ نہ اٹھائے ہوتے..... شاید اس لمحے آپ نے میرے لیے قناعت مانگی ہوتی تو مجھے قناعت مل جاتی۔'' اس کے وجود میں حشر برپا تھا۔

''مجھے اللہ نے ایک ایسی عورت کے پاس بھیجا جس کے پاس سب کچھ تھا..... میں نے پچیس سال اس کے پاس گزارے اور میں نے اس سے کچھ بھی نہیں لیا..... میں نے ''دنیا'' لی اور یہ شخص..... یہ شخص صرف تین سال میں ماما جان سے سب کچھ لے گیا۔ قناعت، برداشت، عفو، رحم سب کچھ..... میں نے خسارے کا سودا کیا اور مجھے..... مجھے پتا تک نہیں چلا..... کیا دنیا میں مجھ سے بڑھ کر کوئی احمق ہو سکتا ہے..... کیا دنیا میں مجھ سے بڑھ کر کوئی احسان فراموش ہو سکتا ہے۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے پیروں میں لاحاصل خواہشوں کے ایسے بھنور باندھ لیے ہیں جو ساری عمر

میرے وجود کو گردش میں رکھیں گے۔ خدیجہ نور جیسا سکون مجھے کبھی نصیب نہیں ہوگا۔ خدیجہ نور جیسی قناعت میری زندگی میں کبھی نہیں آئے گی کیوں اتنی ہوس، اتنی حرص میرے اندر آ گئی کہ میں نے سکون کی جنت کو خواہش کی آگ سے پھونک ڈالا۔ آسمان سے پانی کے قطرے گرنے لگے۔ آج زندگی میں پہلی بار اس صحن میں بیٹھ کر اسے بارش بری نہیں لگی۔ آج پہلی بار اسے اپنے علاوہ کچھ بھی برا نہیں لگا۔ بارش کے قطرے اس کے کچھ اور زخموں کو ہرا کرنے لگے۔ آج ہر چیز کے منہ میں زبان آ گئی تھی۔ ہر چیز بولنے لگی تھی۔

''آپ کو کیا پتا ماما جان! محبت کیا ہوتی ہے۔ آپ نے محبت کی ہوتو...... '' وہ بے تحاشا روتی گئی۔

''کاش ماما جان! میں اُمّ مریم نہ ہوتی، آپ کا پالا جانے والا کوئی جانور ہوتی جو آپ کا وفادار تو ہوتا۔ کاش ماما جان! میں مصورہ نہ ہوتی۔ میرے پاس کوئی ہنر نہ ہوتا، ایسا ہنر جس نے مجھے گمان اور خود فریبی کی آخری حد پر لے جا کر کھڑا کر دیا، کاش میں...... '' بارش تیز ہوتی جا رہی تھی۔

ذالعید نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ وہیں صحن کے وسط میں گھٹنوں کے بل بیٹھی مٹھیاں بھینچے بلک رہی تھی۔ تیز بارش ہر چیز کو بھگو رہی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اس نے کمرے کے دروازے کو تالا لگا دیا۔

برستی بارش میں وہ اس کے پاس آ کر پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔ ''ماما جان کہتی تھیں۔ تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔'' وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''صرف کچھ وقت لگے گا پھر تم واپس آ جاؤ گی۔ وہ کہتی تھیں میں نے پچیس سال اس کے وجود پر اتنی آیتیں پڑھ کر پھونکی ہیں کہ اب اللہ اسے جہنم کا ایندھن تو نہیں بنائے گا۔'' اس کے آنسو تھمنے لگے۔

تیز بارش کی بوچھاڑ سامنے بیٹھے ہوئے شخص کے چہرے کو بری طرح بھگو رہی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔

''وہ کہتی تھیں۔ میں نے اُمّ مریم کو کبھی حرام نہیں کھلایا۔ اس کے خون میں حلال کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ جانتے بوجھتے خود کو جہنم میں جا پھینکے۔ کچھ وقت لگے گا مگر وہ واپس آ جائے گی۔ برائی سے واپس اچھائی کی طرف۔ میری طرف، تمہاری طرف، زینب کی طرف...... جب اسے دنیا کی سمجھ آنے لگے گی تو پھر وہ دنیا کے پیچھے نہیں بھاگے گی۔ ماما جان کو یقین تھا تم سب کچھ سمجھ جاؤ گی۔'' وہ خاموش ہو گیا۔

برستی بارش کی بوچھاڑ کے درمیان وہ دونوں ایک دوسرے کے چہرے دیکھتے رہے۔ مریم نے گردن موڑ کر برآمدے کی طرف دیکھا۔ اب وہاں اندھیرا تھا۔ ذالعید اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ہاتھ پکڑ کر مریم کو اٹھایا۔

صحن کے دروازے کی طرف ذالعید کے پیچھے جاتے ہوئے مریم نے ایک بار پلٹ کر دیکھا۔

''ماما جان نے تمہیں صرف ایک بات نہیں بتائی ذالعید کہ جب میں سنبھلوں گی، تب تک بہت دیر ہو چکی ہوگی۔'' اس نے تھکے ہوئے انداز میں زیر لب دہرایا اور ذالعید کے پیچھے دہلیز پار کر گئی۔

ختم شد